"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم اُنکی چولی ہو" (البقر)
ایڈیٹر- شیخ محمدؐ اکرام بیرسٹر ایٹ لا- جائنٹ ایڈیٹر- مسز محمدؐ اکرام

انیس نسواں

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلآویز مخزن
جو
دہلی سے ماہانہ شائع ہوتا ہے
چندہ سالانہ معاونین سے دس روپے عام شائقین سے پانچ روپے فی پرچہ آٹھ آنہ ششماہی تین روپے معہ محصولڈاک
قسم دوم کے لیے سال

جلد (۵) | فہرست مضامین بابتہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء | نمبر (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرہ کے مطالب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور دیکھو عورتوں کے حقوق بھی اسی طرح کے مردوں پر ہیں جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے۔ پس چاہیے کہ ہر فریق دوسرے فریق کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ تم صرف اپنے ہی حقوق کا مطالبہ کرو۔ اور دوسرے فریق کے حقوق جو تم پر ہیں انہیں فراموش کر جاؤ۔ اور یاد رکھو اللہ زبردست حکمت رکھنے والا ہے۔

طلاق جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے۔ دو مرتبہ کر کے دو مہینے میں دو طلاقیں ہیں۔ پھر اس کے بعد شوہر کے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو اچھے طریقے پر رجوع کر لینا ہے یا پھر حسن سلوک الگ کر دینا ہے یعنی تیسرے مہینے تیسری طلاق دے کر جدا ہو جانا ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو طلاق دیتے ہوئے اس میں سے کچھ واپس لے لو ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ ہو کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے تو اگر تم دیکھو ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ واقعی اندیشہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی کے لئے اس میں کچھ گناہ نہ ہو گا اگر بیوی اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے بطور معاوضہ کے اپنے حق میں سے اور شوہر اس سے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے یاد رکھو کہ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں پس ان سے قدم باہر نہ نکالو اور اپنی اپنی حدود کے اندر رہو۔ جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدبندیوں سے نکل جائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں۔

اگر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے دو طلاقوں کے بعد رجوع نہ کیا اور تیسرے مہینے تیسری طلاق دیدی

تو پھر دونوں میں قطعی جدائی ہوگئی اور اب شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہ ہو گی جب تک کہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے۔

پھر اگر ایسا ہو تو دوسرا مرد نکاح کرنے کے بعد خود بخود طلاق دیدے۔ اور مرد اور عورت از سر نو ملنا چاہیں تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اس میں ان کے لئے کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حدوں پر قائم رہ سکیں گے۔ یعنی حقوق ادا کر سکیں گے اور محبت اور نیک سلوک کے ساتھ رہیں گے۔ کہ ہر حال میں اصل مقصود نکاح اور طلاق سے یہی ہے۔

اور دیکھو یہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حدیں ہیں جنھیں وہ ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں واضح کر دیتا ہے

اور جب ایسا ہو کہ تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور ان کی عدت کی مدت پوری ہونے کو آئے تو پھر تمہارے دو ہی راستے ہیں یا تو طلاق سے رجوع کر کے انھیں ٹھیک طریقہ پر روک لو۔ یا آخری طلاق دے کر ٹھیک طریقہ پر جانے دو۔ ایسا نہ کرو کہ انھیں نقصان پہنچانے کے لئے روک رکھو۔ یعنی نہ تو رجوع کرو اور نہ جانے دو بیچ میں لٹکائے رکھو تاکہ تمہارا جور و ستم سہتی رہیں۔ اور اپنی بے بسی کی وجہ سے کچھ نہ کر سکیں اور یاد رکھو جو کوئی ایسا کرے گا تو اگرچہ وہ اپنے نزدیک ایک دوسری جان پر ظلم کر رہا ہو۔ لیکن فی الحقیقت اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔ ازدواجی زندگی کی سعادت سے محروم ہو جائے گا اور اللہ کے حضور گنہگار ہوگا۔

اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ اللہ کے حکموں کو ہنسی کھیل بنا لو کہ آج تو نکاح کر لو اور کل بلا وجہ طلاق دیدو اور یا ازدواجی زندگی کے حقوق ملحوظ رکھنے کی جگہ محض اپنی نفسانی خواہشوں کی بنا پر رشتہ جوڑنے اور توڑنے لگو۔ اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو اس نے کتاب حکمت میں سے جو کچھ نازل کیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے تمہیں نصیحت کرتا ہے اسے نہ بھولو، اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں۔

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دیدی اور وہ اپنے عدت کی مدت پوری کر چکیں تو پھر انھیں اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے۔ اگر وہ اپنے ہونے والے شوہروں سے مناسب طریقے

پر نکاح کرنا چاہیں اور دونوں آپس میں رضامند ہو جائیں تو اس سے ان کو نہ روکو اور ان کے نکاح کرلینے کا بُرا نہ مانو۔ ان میں سے ہر اُس انسان کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس حکم کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اسی بات میں تمہارے لئے زیادہ برکت اور زیادہ پاکی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تمہارے بہتری کی راہ کونسی ہے مگر تم نہیں جانتے۔

جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور بیوی کی گود میں بچہ ہو اور وہ ماں سے بچہ کو دودھ پلوانا چاہو تو اس صورت میں چاہئیے کہ دو برس تک ماں بچہ کو دودھ پلائے کہ یہی دودھ پلانے کی پوری مدت ہے۔ اور جس کا بچہ ہے اس پر لازم ہے کہ ماں کے کھانے کپڑے کا مناسب انتظام کردے۔ یہ انتظام ہر شخص کی مالی حالت اور حیثیت کے مطابق ہونا چاہئیے۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ کسی شخص پر اسکی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ نہ تو ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ نہ باپ کو اسکے بچہ کی وجہ سے۔ دونوں کے حقوق اور احساسات کی رعایت کرنی چاہئیے۔ اور اگر باپ کا اس اثنار میں انتقال ہو جائے تو جو اس کا وارث ہو اس پر عورت کا کھانا کپڑا اسی طرح ہے جس طرح باپ کے ذمہ تھا۔ پھر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ ماں باپ آپس کی رضامندی اور صلاح مشورے قبل از مدت دودھ پلانا چاہیں تو ایسا کرسکتے ہیں ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

اگر تم چاہو تو اپنے بچوں کو ماں کی جگہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلواؤ تو اسمیں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ماؤں کی حق تلفی نہ کرو اور جو کچھ انھیں دینا کیا تھا۔ دستور کے مطابق انھیں حوالہ کردو۔ اور دیکھو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ کی نظریں اسے دیکھ رہی ہیں۔

اور تم میں سے جو لوگ وفات پاجائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو انھیں چاہئیے چار مہینے دس دن تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور جب وہ یہ مدت پوری کرلیں تو انھیں اپنے معاملہ کا پورا اختیار ہے جو کچھ جائز طریقے پر اپنے لئے کریں یعنی اس کے لئے تمہارے پر کوئی الزام نہیں کہ تم نکاح سے مانع آؤ۔ یا زیادہ عرصہ تک سوگ کرنے پر مجبور کرو۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے اور جن بیوہ عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو تو تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں۔ اگر اشارے کنائے

میں اپنا خیال اُن تک پہنچا دو۔ یا اپنے دل میں نکاح کے ارادے پوشیدہ رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ قدرتی طور پر ان کا خیال تمھیں آئے گا۔ لیکن ایسا نہ کرنا چاہئے کہ چوری چھپے نکاح کا وعدہ کر لو مگر یہ کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہی جائے یعنی مناسب پیرائے میں کوئی اشارہ کر دیا جائے۔ مقصود جائز طریقہ پر نکاح کا پیغام دینا ہو اور جب تک ٹھرائی ہوئی مدت عدت کی پوری نہ ہو جائے نکاح کی گرہ نہ کسو کہ عدت کی حالت میں عورت کے لئے نکاح کی تیاری جائز نہیں اور یقین کرو جو کچھ تمہارے اندر پوشیدہ کمزوری ہے اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ پس اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور نفس انسانی کی کمزوریوں کے لئے بہت بردبار ہے۔

اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ بغیر اس کے تم نے عورت کو ہاتھ لگایا ہو اور اس کے لئے جو کچھ مہر مقرر کرنا تھا مقرر کیا ہو طلاق دیدو تو ایسا بھی کر سکتے ہو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ البتہ ایسی صورت میں عورت کے رشتہ جوڑنے اور پھر توڑنے سے جو نقصان پہونچا ہے اس کے معاوضہ میں ضروری ہے کہ اسے فائدہ پہنچاؤ ایسا فائدہ جو دستور کے مطابق پہنچایا جائے مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق دے تنگدست اپنی حالت کے مطابق نیک کردار آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ ایسا کریں

اور اگر ایسا ہو کہ تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی ہو اور جو کچھ مقرر کرنا تھا مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں مقررہ مہر کا آدھا دینا چاہئے مگر یہ کہ عورت اپنی خوشی سے معاف کر دے یا مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کا سررشتہ ہے پورا مہر دے کر آدھی رقم رکھ لینے کے حق سے درگذرے اگر تم مرد درگزر کرو گے تو یہ زیادہ تقوی کی بات ہوگی دیکھو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنا نہ بھولو اور یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہے۔

اور دیکھو اپنی نمازوں کی حفاظت میں کوشاں رہو خصوصًا ایسی نماز کی جو اپنے ظاہر و باطن میں بہترین نماز ہو اور اللہ کے حضور کھڑے ہو تو اس طرح کھڑے ہو کہ ادب و نیاز میں ڈوبے ہوئے ہو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تمھیں دشمن کا ڈر ہو اور مقررہ صورت میں نماز نہ پڑھ سکو تو پیدل ہو یا سوار جس حالت میں بھی ہو اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ اور خوف

د جنگ کی حالت باقی نہ رہے تو چاہے اسی طریقے سے اللہ کا ذکر کیا کرو یعنی اس کی نماز پڑھو جس طرح
اُس نے تمھیں سکھلا دیا ہے اور جو تمھیں پہلے معلوم نہ تھا۔

اور جو لوگ تم میں سے وفات پائیں اور اپنے پیچھے بیوہ چھوڑ جائیں اور مرنے سے پہلے
اس طرح کی وصیت کر جائیں کہ برس دن انھیں نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں اور
پھر ایسا ہو کہ وہ اس مدت سے پہلے گھر چھوڑ دیں اور دوسرا نکاح کرلیں یا نکاح کی بات چیت
کرلیں تو جو کچھ وہ جائز طریقے پر اپنے لئے کریں اس کے لئے تم پر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا کہ تم انھیں
وصیت کی تعمیل کے خیال سے روکو اور سال بھر تک سوگ منانے پر مجبور کر دیا در رکھو اللہ سب
پر غالب اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھنے والا ہے۔

اور یاد رکھو جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو تو چاہیئے کہ انھیں مناسب طریقہ پر فائدہ
پہنچایا جائے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جا سکتا ہے تو کیا جائے متقی انسانوں کے لئے ایسا
کرنا لازمی ہے۔

اللہ اس طرح تم پر اپنی آیتوں سے واضح کر دیتا ہے تاکہ عقل سے کام لو اور سوچو سمجھو کہ تمہاری
معاشرتی زندگی کی فلاح و سعادت احکام کی ٹھیک ٹھیک تعمیل پر موقوف ہے۔ (باقی آئندہ)

بیشک آدمی تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اُس کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے
اور جب اس کو کسی طرح کا فائدہ پہونچتا ہے تو بخل کرنے لگتے ہیں مگر ان لوگوں کا ہرگز ایسا حال نہیں جو
نماز گذار ہیں اور اپنی نماز کو کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے اور جن کے مالوں میں مانگنے اور نہ مانگنے والے
دونوں کا ایک حصہ معین مقرر ہے اور روز جزا کا یقین رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب
سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(سورۃ المعارج)

قرآن مجید

(محمد اکرام)

قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں خدائے قدوس کے ہر قسم کی طاقتوں قدرتوں اور اختیاروں کا واضح ذکر ہے۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہے کہ یہ ہر زمانہ اور ہر عہد کے انسانوں کے لئے ہدایت ہے نور ہے دستور العمل ہے۔ تقریباً ۱۴ صدی کی مدت گذر چکی۔ اس مدت میں زمانہ نے صد ہزار رونگ بدلے انقلاب کی صد ہزار کروٹیں لیں ذہنیتوں اور خصلتوں میں تغیر ہائے عظیم پیدا ہو گئے لیکن مسلمانوں کو کبھی اس قانون الہٰی کے نفاذ میں دقت یا دشواری محسوس نہیں ہوئی

کم و بیش ڈیڑھ سو برس کا زمانہ ایسا گذرا ہے کہ دنیائے اسلام میں ایک قرآن کے سوا اصلاً حدیث و فقہ کی بھی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھا وہ صرف قرآن ہی تھا سوائے قرآن مجید کے کوئی کتاب نام کو نہ تھی۔ قانون تھا تو قرآن تھا دستور العمل تھا تو قرآن تاریخ تھی تو قرآن سیاست میں کوئی کتاب تھی تو قرآن۔ غرض مسلمانوں کے پاس لے دے کر قرآن تھا۔ اسی کتاب کی تعلیم نے عرب کے بدوں کو دنیا میں ممتاز کر دیا تھا اسی کی تعلیم نے دنیا کا بہترین جرنیل بہترین مدبر بہترین گورنر بہترین فرماں روا اور بہترین تاجر بہترین مجاہد پیدا کئے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے جو کتاب نازل کی تھی وہ یہی قرآن ہے چونکہ یہ کتاب آسمانی کتابوں میں آخری کتاب ہے اس لئے اس میں تمام چیزیں پوری جامعیت کے ساتھ جمع کر دیں

خدائے قدوس نے اسے نازل فرما کر خود ہی الیوم اکملت لکم دینکم میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ہدایت و عمل کے لئے انسان کو اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں اور اسی کو اپنا دستور العمل بنائے رکھنا چاہیئے۔ جب تک مسلمانوں نے دستور العمل بنائے رکھا۔

فی الواقع وہ دنیا میں حکومت کرتے رہے اور جب اُسے چھوڑ دیا پستیوں کے غار میں جا گرے۔

آج مسلمانوں پر زوال و انحطاط کی لہر جو گذر رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے قرآن سے منہ موڑ لیا ہے ہزار کیا دس بیس ہزار انسانوں میں شاید ہی ایک مسلمان ایسا نکلے جو قرآن سے روشنی اور ہدایت حاصل کرتا ہو اور عملاً یہ سمجھتا ہو کہ اسے قرآنی روشنی میں قدم اُٹھانا چاہیئے اور اسی کو اپنا دستور بنانا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ قرآن کو سرچشمہ ہدایت بنایا تھا زندگی کا بہترین دستور العمل اس لئے ایسی صورتیں لازم کر دی تھیں کہ یہ کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے رہے اور انکی نظر میں اس پر سے ہٹنے نہ پائیں اور اس طرح بندے گمراہ بھی ہونا چاہیں تو نہ ہو سکیں بگڑنا بھی چاہیں تو نہ بگڑ سکیں۔

نمازوں میں اس کا پڑھنا اسی لئے ضروری رکھا گیا فاتحہ اور ایصال ثواب میں اس سلئے اس کی قرات لازمی رکھی گئی بیماری مصیبت مشکل اور موت کے وقت قرآن پڑھنا اس لئے ثواب قرار پایا دُعا و عمل کا جز بھی اسی لئے رکھا گیا عبادت اسی لئے قرار دیا گیا مگر خدا جس طرح اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اسی قدر بندے غافل ہیں نمازوں میں پڑھتے ہیں تراویح میں سنتے ہیں۔ مگر مطالب کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ قرآن کی ہوائیں لیتے ہیں مگر عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

خدائے قدوس تو اپنی بندہ نوازی کے صدقے میں ہمیں بہترین دستور العمل عطا کرے اور پہلے ہی دن واضح کر دیتا ہے کہ اگر اس آسمانی دستور العمل پر عمل کرتے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے لیکن ہم ہیں کہ مطلق عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے جو خدا نے بتایا ہے اس پر عمل نہیں کرتے جو کہ نفس کہتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

کسی پر نوازشوں پر نوازشیں اور احسان پر احسان کریں محبت و شفقت کے ساتھ سمجھائیں لیکن وہ اُلٹا ہی چلے اور ہمارے کہنے کے خلاف ہی کرے تو ہم اس سے خوش ہونگے یا ناراض۔

یہی صورت خدا اور بندے کے معاملہ میں ہے۔ وہ ہمیں نیک راستے پر ڈالتا ہے نیک ہدایت کرتا ہے ہم ہیں کہ توجہ ہی نہیں کرتے گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں ہماری آئندہ بہتری کا دار و مدار عمل اور محض عمل پر موقوف ہے۔

رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

علامہ اقبال مرحوم

کھول آنکھ، زمیں دیکھ فلک دیکھ، فضا دیکھ　　مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ　　ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں　　یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں　　تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے　　دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے　　پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں　　آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں　　جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے　　تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے　　محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ

فطرت مری مانند نسیم سحری ہے　　رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو　　کرتا ہوں سرِ خار کو سوزن کی طرح تیز

وہ حضرات جن کا اثر مجھ پر ہوا

(سر شیخ عبدالقادر صاحب)

انسان کی زندگی مختلف اثرات کا مجموعہ ہوتی ہے، پہلا اثر ہر شخص پر اُس کے ماں باپ کا ہوتا ہے، پھر اُن حالات کا جو اُس کے گرد و پیش ہوں۔ پھر اُستاد کا جس سے پڑھنا لکھنا یا کوئی ہُنر اور فن سیکھے، ان اثروں کے علاوہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی اخلاقی وعلمی نشو ونما پر اُس وقت کے آدمیوں کا اثر ہوتا ہے جن کے حالات وہ سنتا ہے۔ یا جن کے کمالات وہ دیکھتا ہے اور اُن سے متاثر ہو کر اُس کے دل میں قدرتی طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ اُن کی مثال کی کسی حد تک پیروی کرے۔ خوش قسمتی سے مجھے بہت سے ایسے بزرگوں کو دیکھنے اور اُن کی باتیں سننے کا موقعہ ملا ہے جن کی اچھی خصلتوں کا نقش میرے دل پر ہے۔

یہ تو ممکن نہیں کہ ایک مختصر صحبت میں اُن سب بزرگوں کا تذکرہ ہو سکے جن کا اثر مجھ پر ہوا۔ اس لئے بغرض اختصار میں نے صرف چند ہی نام چنے ہیں۔ اُن میں ہر شخص امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور سینکڑوں ہزاروں اشخاص پر اپنا اثر چھوڑ گیا ہے اب وہ سب اصحاب دُنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ اس وقت کے زندہ مشاہیر میں بھی کئی صاحبان ایسے ہیں جن کی خوبیوں کا میں مداح ہوں، اور اُن کے اثر سے میں مستفید ہوا ہوں لیکن زندہ مشاہیر کی تعریف کی بجائے "نام نیک رفتگاں" کا تذکرہ میں نے زیادہ مناسب سمجھا ہے، ابھی میں اپنی زندگی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا جب ایک موقعہ پر تعلیمی کانفرنس کے اجلاس کے لئے سرسید احمد خاں مرحوم لاہور تشریف لائے۔ یہ وہ بزرگ تھے جن کی شہرت اپنے بچپن میں ہی سُنی تھی کہ بڑے محب وطن ہیں اور مسلمانوں کی تعلیمی کشتی کے ناخدا ہیں میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ انھیں دیکھنا چاہئے۔ ایک بنگلہ کے وسیع احاطہ میں شامیانے نصب کر کے اور اُن کے گرد قناتیں لگا کر جلسے کا انتظام کیا گیا تھا۔ چھوٹی جماعتوں کے طالب علموں کو جلسے کے اندر کوئی جانے دیتا تھا۔ میں اُنھیں دور سے دیکھنے کی اُمید پر باہر جا کھڑا ہوا۔ اتنے میں دیکھا کہ کچھ لوگ قناتوں کے بیچ کے رخنوں میں جھانک رہے تھے۔ میں نے بھی ایک رخنہ ڈھونڈ کر جھانکنا شروع کیا۔ اندر جلسہ گاہ کے وسط

میں ایک بزرگ جلوہ افروز تھے جن کی لمبی سفید ڈاڑھی تھی اور جن کے چہرے سے شانِ بزرگی عیاں تھی کسی نے بتایا کہ یہی سرسید احمد خاں ہیں۔ یہ دیدار اُن کی بڑائی کا پہلا اور بیرونی نقش تھا جو میرے صفحۂ دل پر کھنچ گیا۔ گفتار سننے کی نوبت کئی برس بعد آئی، جب میں اسکول سے کالج میں گیا۔ اور کالج سے فارغ ہو کر اخبار لکھنے لگا تو مجھے شاہ جہاں پور کے جلسۂ کانفرنس میں پہلی دفعہ سید صاحب سے موقعہ ہوا اور اس کے بعد کئی ملاقاتیں کانفرنس میں ہوئیں۔ اُن ملاقاتوں کا اثر آج تک دل و دماغ میں جاگزیں ہے کہ سرسید کے پاس بیٹھنا اور اُن کی باتیں سُننا گویا ایک درس میں شریک ہونا تھا۔ اُن کی طبیعت میں ظرافت تھی متانت کے ساتھ۔ ملک و قوم کا درد جو اُن کے دل میں تھا۔ رنگ رُخ اُس کی ہروقت غمازی کرتا تھا۔ اگر اُمید غالب ہوئی تو چہرہ پر بشاشت ہوتی اگر مایوسی کا غلبہ ہوتا تو چہرہ بھی افسردہ تھا۔ محنت کی عادت اس قدر تھی کہ کام کرتے کرتے صبح سے شام ہو جاتی تھی اور وہ کام سے نہ تھکتے تھے مضامین لکھتے تھے۔ خطوط لکھواتے تھے کالج اور کانفرنس کے نظم و نسق میں مصروف رہتے تھے دن رات دوسروں کی بھلائی کی فکر تھی۔ اتنی شہرت اور کامیابی کے باوجود اپنی کوئی جائداد نہ بنائی، یہاں تک کہ جب وہ اس جہاں سے گزرے تو اُن کے پُرانے دوست اور رفیق نواب محسن الملک نے اُن کی تجہیز و تکفین کا خرچ ادا کیا۔ سرسید کے مضامین اور خطبات علمی و ادبی لحاظ سے اُردو میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہیں غالب کے رقعات کی نثر کو چھوڑ کر اُردو نثر نگاری میں طرز نو کی ایجاد کا سہرا سرسید صاحب ہی کے سر ہے سرسید کے ہمراہ اُردو کے مصنفین کا ایک گروہ جمع ہو گیا تھا۔ جس میں مولوی نذیر احمد صاحب نثر نگاروں میں، مولانا شبلی کتب سیر و تاریخ میں اور مولانا حالی قومی شاعری میں ممتاز تھے مجھے ان تینوں کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ اور میں تینوں سے کسی طرح اثر پذیر تھا۔ مگر یہاں فقط مولانا حالی کا ذکر آسکے گا۔ کیونکہ اُن کی تخیل شاعری اور اس پر ان کا عمل میرے مذاق شاعری کے لئے دلیل راہ ثابت ہوا۔ حالی کے اشعار نے مجھے سادگی زبان کا دلدادہ بنایا اور مجھے یہ سکھایا کہ شعر میں جاذبیت کے علاوہ تاثیر اور مقصد ضروری ہے اُن کے کلام نے اس زمانے کا انداز شاعری بدل دیا۔ مولانا حالی کے معاصروں میں سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی اسی اصول پر کاربند رہے۔ گو اُن کی شاعری میں ظرافت کا عنصر غالب تھا اور اُن کی بعد کی پود میں سر محمد اقبال مرحوم نے اس اصول کو اور بھی قابل عمل بنا دیا۔ مولانا حالی پُرانے علما کی بہترین صفات کا مجموعہ تھے اُنکی

طبیعت انکسار پسند تھی اور شیخی اور بیجا تعلی سے وہ نفور تھے اپنے "کلیات" میں اگر کہیں "سخن گسترانہ" بات کسی مقطع میں کہی بھی ہے تو انکسار کا پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مثلاً فرماتے ہیں۔

گرچہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے   کاش ہوتے ملک میں ایسے بھی اب دو چار ہیچ

یہ دونوں بزرگ تو ہمارے ملک کے علما میں سے تھے۔ اب جس عالم کا ذکر کروں گا وہ ہندوستان کے رہنے والے نہ تھے بلکہ سمندر پار کے باشندے تھے۔ گر میں اُن کے اثر کا ممنون احسان ہوں، اور اُنکے احسانات کو بھول نہیں سکتا۔ یہ ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر۔ یوانگ صاحب تھے۔ مجھے لاہور کے فورمن کالج میں انکی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ وہ کالج کے پرنسپل تھے اور ایک بے نظیر معلّم۔ ادب و اخلاق، آپ غیر معمولی طور پر ذہین اور طبّاع تھے۔ قدرت نے انہیں شکل و شباہت بھی رعب دار عطا کی تھی۔ اُن کے ساتھ کے پروفیسر بتاتے تھے کہ اگر وہ چاہتے تو امریکہ میں جہاں سے وہ آئے تھے پبلک معاملات یا کاروباری زندگی میں اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکتے تھے۔ مگر اُنھوں نے اپنی دور آکر ہندوستان کی تعلیمی خدمت اختیار کی۔ اور ساری عمر بہت معمولی معاوضہ پر کام کرتے رہے جس سے صرف اوقات بسر ہو سکتی تھی، پنجاب کی تعلیمی ترقی میں اُن کی کوششوں کا خاص حصہ ہے وہ کئی سال تک پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے اور یونیورسٹی کی ترقی بھی اُن کی مساعی کی ممنون ہے ڈاکٹر یوانگ بڑے منتظم تھے مگر انتظام کرتے نظر نہیں آتے تھے اُن کی ایک نگاہ کسی اور کی جھڑکی یا تشدد سے زیادہ موثر تھی میں اُن کے سامنے کھڑے ہوئے یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ میرے دل کا حال پڑھ رہے ہیں، انھیں اپنے ہر شاگرد کے حالات سے دلچسپی رہتی تھی اور ہر وقت اُس کو صلاح مشورہ اور امداد دینے پر آمادہ رہتے تھے اُن کو ہندوستان کی ترقی سے دلی ہمدردی تھی۔ اور ہمارے ملک کو اپنے وطن کی طرح عزیز رکھتے تھے ۱۹۰۷ء میں وہ رخصت پر ہندوستان سے امریکہ جاتے ہوئے لندن سے گزرے میں بھی وہیں تھا۔ کئی برس ہندوستان سے باہر رہنے کے بعد اُن سے ملاقات ہوئی یوانگ صاحب نے نہایت خوشی کے لہجہ میں یہ مژدہ مجھے سُنایا کہ جب وہ ہندوستان سے روانہ ہوئے تو انھیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سارے ملک میں آزادی کی نبض میں حرکت پیدا ہو گئی ہے میں اس کے بعد جلد ہی اپنے وطن میں واپس پہنچا اور میں نے خود بھی مشاہدہ کیا کہ ہندوستان میں آزادی کی لہر دوڑنے کو تھی جو اُس دن سے آج تک روز افزوں زور سے بڑھ رہی ہے

یہ میں کے اثر کا اعتراف میں نے کیا ہے، میدان علم کے شہسوار تھے اب میدان سیاسیات کے
ایک یکتا نازعال سُناتا ہوں جس کی فراست حب الوطنی اور بے مثل جذبات کا میں خصوصیت سے قائل ہوں یعنی
مسٹر گوکھلے آنجہانی۔ آپ نہایت خوشرو اور خوشخو تھے اور ہندوستان کی ترقی کے دلدادہ۔ افسوس کہ اُن کی عمر
نے وفا نہ کی اور وہ عین اُسی وقت ہم سے جُدا ہوئے جب ملک کو اُن کی بیحد ضرورت تھی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ
چند سال اور جیتے رہتے تو ہندوستان جدید کی سیاسی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ مسٹر گوکھلے اپنی جوانی میں مسٹر جسٹس
رانا ڈے کے اثر سے مستفید ہوئے اور اُنھوں نے اپنی زندگی وطن کی خدمت کے لئے وقف کردی وہ پہلے
فرگسن کالج پونہ میں برائے نام معاوضہ پر پروفیسری کرتے رہے پھر جب سیاسیات کی طرف میلان بڑھا۔
تو سیاسیات میں اُستاد مانے گئے۔ اُنھوں نے آئینی جدوجہد کے فن کو ایسے درجہ پر پہنچایا کہ اُس سے بلند تر پہنچنا
مشکل ہے واضعان قانون کی بڑی کونسل میں اُن کی تقریریں بیان کی خوبی۔ دلائل کی پختگی اور معلومات کی
درستی کا نمونہ ہوتی تھیں۔ اُن کی تقریروں نے بارہا لارڈ کرزن جیسے خود پسند وائسرائے سے داد تحسین حاصل
کی ۱۹۰۵ء میں وہ ہندوستانی معاملات کی طرف انگلستان کے مدبرین کو متوجہ کرنے کے لئے کانگریس کی طرف سے
بھیجے گئے تھے لارڈ مارلے ان دنوں وزیر ہند تھے۔ اُن سے ملے اور چند مطالبات پیش کئے۔ ان میں ایک یہ تھا
کہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں چند ممبر ہندوستان کی طرف سے منتخب ہوا کریں یہ بات تو نہ مانی گئی۔ مگر ان کی دو
تجویزیں منظور ہوئیں یعنی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں میں ہندوستانیوں کا حصّہ۔ اور وزیر ہند کی
کونسل میں ہندوستانیوں کی شرکت۔ مسٹر مارلے نے مسٹر گوکھلے کو دونوں میں سے ایک ممبری سب سے پہلے پیش
کی۔ مگر انھوں نے شکریہ ادا کرکے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور یہ کہا کہ وہ اپنے لئے کچھ مانگنے نہیں گئے
ان کے مطالبات اپنے ملک کے لئے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مدبرین برطانیہ بخوشی اُن کے سب مطالبات منظور
کرلیتے جو بہت اعتدال کے ساتھ پیش کئے تھے کچھ عرصہ کے لئے ہندوستانی اُن پر شاید قناعت کرلیتے مگر اب
اس سے بہت زیادہ مطالبات کی منظوری بھی اُن کو مطمئن نہ کرسکے گی۔ میں اُس زمانہ میں لندن میں تھا اور بیرسٹری کی
تیاری کیساتھ انگریزی اخبارات میں مضمون نگاری بھی کرتا تھا۔ ایک دوست کے ذریعہ میں مسٹر گوکھلے سے ملا۔ اور اُن
کے دوران قیام میں کئی ملاقاتیں ہوئیں پبلک جلسوں میں اُن کی کئی تقریریں سنیں۔ اور کئی مسئلوں پر اُن سے گفتگو

اور بحث ہوتی رہی۔ ہندوستانیوں کے ایک جلسے میں جو مسٹر دادا بھائی نوروجی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا اس بات پر گفتگو تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد کس طرح پیدا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ سیاسی رہناؤں کو اس مقصد کے حصول کے لئے خاص طور پر کوشش کرنی چاہئے اور اس سلسلے میں میں نے مسٹر گوکھلے سے درخواست کی وہ اپنی خداداد قابلیت کو اس کام کے لئے کچھ عرصہ تک وقف کر دیں اُنھوں نے وعدہ کیا کہ وہ وطن میں واپس جاکر اور چند ضروری کام ختم کرکے اس کو اپنا مقصد بنا لینگے مگر افسوس کہ ابھی اُنھیں دیگر مصروفیتوں سے فراغت پانے کا وقت نہیں ملا تھا کہ اُن کو پیغام اجل آگیا اور ہندوستان اُن کی خدمات سے محروم ہوگیا۔

ایک اور بزرگ جن کی سیاست دانی اور طریق کار کی پسندیدگی سے میرا دل متاثر ہوا۔ وہی مشہور پارسی مدبر ہیں جن کا نام ابھی لیا گیا ہے یعنی مسٹر نوروجی۔ یہ سب سے پہلے ہندوستانی ہیں جو انگلستان کی پارلیمنٹ میں ممبر ہوئے مگر انھیں انگریزوں کی لبرل پارٹی نے اپنے ایک حلقہ کی طرف سے اور اپنے ووٹوں سے منتخب کرا کے وہاں بھیجا تھا۔ مسٹر گوکھلے نے جو جگہیں ہندوستانیوں کے لئے مانگی تھیں۔ وہ ایسی تھیں کہ ہندوستان کا حق تسلیم کیا جائے کہ اُس کے اپنے انتخاب کئے ہوئے نمایندے اس مجلس میں شریک ہوں جو ہندوستان کے نظم ونسق کے اہم امور کا فیصلہ کرتی ہے، مسٹر نوروجی گو دوسرے راستے پارلیمنٹ میں گئے مگر انھوں نے اپنے حلقہ کی نمایندگی بھی خوب کی اور ہندوستانی ہونے کا حق بھی اچھی طرح ادا کیا وہ اپنی تقریروں سے ہندوستان کے حالات اور خیالات پر ہمیشہ روشنی ڈالتے رہے اور ہندوستان کے متعلق ممبران پارلیمنٹ کی معلومات میں انھوں نے بہت اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ نوجوان ہندوستانی طلبہ کے معاملات سے انھیں گہری دلچسپی تھی اُن کی مجالس میں شریک ہوتے تھے اور ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اس لئے سب ہندوستانی جو انگلستان میں مقیم تھے اُن کی عزت کرتے تھے اور اُن کا اثر مانتے تھے اُن کے متعلق ایک دلچسپ بات قابل ذکر ہے جب وہ منتخب ہوئے تو انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ سالسبری نے کسی جلسے میں یہ کہہ دیا، "Black man" نوروجی "کالا آدمی" ہے جو پارلیمنٹ میں بیٹھے گا۔ اس پر خود انگریزوں کے اخباروں میں بہت لے دے ہوئی اور ہندوستانیوں کو تو لارڈ سالسبری کا یہ فقرہ قدرتی طور پر ناپسند

ہوا۔ ایک انگریزی با تصویر رسالے نے لارڈ سالسبری اور مسٹر نوروجی کی تصویریں ایک صفحہ پر ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چھاپ دیں اور اس فقرہ کی ہنسی اُڑائی۔ اُس تصویر میں مسٹر نوروجی۔ لارڈ سالسبری سے صاف رنگ کے نظر آتے تھے اور ان کی تصویر کے نیچے یہ لفظ لکھے تھے:۔

"ذرا دیکھئے یہ لارڈ سالسبری کا کالا آدمی ہے"۔ مسٹر نوروجی پارسی نژاد ہونے کے باعث تھے بھی گورے چٹے۔ اس لئے یہ چوٹ اور بھی زوردار ہوگئی۔

آخر میں مجھے ایک ایسی بزرگ ہستی کا ذکر کرنا ہے جس سے میں روحانی طور پر اثر پذیر ہوا۔ ایسی ہستی کو پانے کی مجھے دیر سے آرزو بھی اور تلاش۔ اتفاق سے یہ سعادت مجھے اس زمانہ میں حاصل ہوئی جب کہ میں ۱۹۰۶ء کی تعطیلات گرما میں لندن سے استانبول گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ایک صاحب وہاں رہتے ہیں جو سلطان عبدالحمید خاں کے پیر طریقت ہیں اور تصوف میں رفاعی مسلک رکھتے ہیں اُن کا نام نامی حضرت شیخ ابوالہدیٰ تھا۔ آپ سادات عرب میں سے تھے اور آپ کا وطن مالوف بغداد تھا معلوم ہوا کہ سلطان اعظم نے اپنی تخت نشینی کے بعد انھیں بغداد سے بلوایا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ ایک شاہی محل اور اس کا باغ انھیں رہنے کو دیا۔ اُس وقت انھیں کوئی ۳۰ سال استانبول (قسطنطنیہ) میں رہتے گزر چکے تھے اور اُن کی اپنی زبان یعنی عربی کے علاوہ ترکی میں بھی انھیں اچھی مہارت ہوگئی تھی۔ سلطان کے مزاج میں انھیں بہت دخل تھا۔ مگر انھیں اس اثر کا کوئی فخر یا غرور نہ تھا۔ باوجود ہر قسم کی آسایش مہیا ہونے کے درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اکثر اوقات میں نے انھیں بوریا نشین دیکھا۔ کبھی باغ میں کرسیوں کی نشست ہوتی تھی اور ان کے گرد زائرین کا ہجوم۔ تو اس وقت بھی خود ایک لکڑی کے بنچ پر بیٹھتے تھے۔ جس پر کوئی گدیلا نہیں ہوتا تھا دن رات یاد الٰہی اُن کا مشغلہ تھا صرف تین چار گھنٹے سوتے تھے۔۔۔ علوم اور رفاعی طریق تصوف پر عربی میں کئی کتابیں اُن کی تصنیف کردہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ترکی کے اس انقلاب کے وقت جو ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ جب جوان ترک جماعت کیطرف سے آئینی حکومت کا مطالبہ پیش ہوا تو سلطان المعظم نے اپنے وزرا کو جمع کیا اور ان کے ساتھ شیخ الاسلام اور حضرت شیخ ابوالہدیٰ کو بھی مشورہ کے لئے بلایا اور ان کو اپنی رعایا کے مطالبہ سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے، کئی دلوں میں یہ خیال ہوگا کہ

آئینی حکومت دینے کی صلاح دیں، مگر کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں پڑتی تھی۔ حضرت شیخ سب سے پہلے لب کشا ہوئے اور فرمایا کہ اس اصلاح کا وقت آگیا ہے دینی چاہئے پھر بعض اور مشیروں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا اور جدید ٹرکی کا وہ انقلاب بغیر کسی کشت و خون کے ہوگیا۔ حضرت شیخ اس واقعہ کے جلد بعد اس جہان فانی سے سفر کر گئے کہ مشرق وسطیٰ کے بہت سے ممالک میں اُن کی یاد باقی ہے اور اُن کی طریقت کے بیشمار پیرو ہیں، آہ کیا لوگ تھے جو جب تک زندہ رہے لوگوں کے لئے چراغ ہدایت تھے اور جب وفات پاگئے تو اُن کی روشن مثالیں ہزاروں لاکھوں کے لئے دلیل راہ ہیں۔ (باجازت آل انڈیا ریڈیو دہلی)

طلوع اسلام

علامہ سر اقبال مرحوم

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی　　اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا　　سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے　　تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونیوالا ہے　　شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہو تو اے بلبل　　"نوا را تلخ تر مے زن چوں ذوقِ نغمہ کمیابی"
تڑپ صحنِ چمن میں آشیاں میں شاخساروں میں　　جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی
وہ چشم پاک بیں کیوں زینت برگستواں دیکھے　　نظر آتی ہے جس کو مرد غازی کی جگر تابی

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہید جستجو کر دے

سرشکِ چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا　　خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے　　یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
ربود آں ترک شیرازی دل تبریز و کابل را　　صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہمسفر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے　　کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہانبانی سے ہے دشوار کار جہاں بینی　　جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

عورت!

(از جناب ماہر القادری)

صبحِ فطرت کا اُجالا، بزمِ ہستی کا چراغ　　حُسن کا بیتاب دل، عشق و محبت کا دماغ

چہرۂ ہستی کا غازہ بن گیا جس کا وجود　　بھیجتی ہیں دہر کی نیرنگیاں جس پر درود

جس کی زلفوں سے شبِ تاریک پاتی ہے نمود　　جس کے چہرے کی نچھاور، صبح کا روشن وجود

جس کی پیشانی کو آبِ نور سے دھویا گیا　　جس کے ہونٹوں میں مسیحائی کا رس گھولا گیا

جس کی شرمِ ناز کو شرم و مروت دی گئی　　جس کے ہر انداز میں بجلی کی روح حل کر گئی

بوئے گُل، رنگِ شفق، اندازِ رفتارِ نسیم　　اس جہانِ آب و گِل میں بن گئے جس کے ندیم

توسنِ اُلفت کو وہ جس رُخ پہ چاہے موڑ دے　　جس کا ہر جلوہ طلسمِ سحرِ بابل توڑ دے

شعر کا موضوعِ دلکش اور افسانوں کی جان　　صانعِ قدرت کی صنّاعی کا اک زندہ نشان

جس کا بچپن بن کھلی کلیوں سے بھی زاید لطیف　　جس کی پاکیزہ مزاجی آپ ہی اپنی حریف

لالہ و گل کی طرح خود آزما جس کا شباب　　ہر تجلی برق ساماں، ہر تبسم کامیاب

وہ بڑھاپا زندگی کی شام کہتے ہیں جسے　　پائمالِ گردشِ ایّام کہتے ہیں جسے

ایسے نازک دور میں اُس جانِ فطرت کا دماغ

دہر میں "تدبیرِ منزل" سے جلاتا ہے چراغ

جس کی فطرت میں سمویا زندگی کا سوز و ساز
جس کے دلکو حق نے بخشا آدمیت کا گداز

جسکے آتے ہی جہاں میں چاندنی سی کھل گئی
جسکی طینت میں وفاداری کی خو گھل مل گئی

جس کو ارباب نظر فردوس زیبائی کہیں
جس کے دل کو شعلہ و شبنم کی یکجائی کہیں

آب و آتش کے عناصر سی بنا جس کا مزاج
جس کے جذبہ نے لیا ہی برق و باراں سو خراج

جس کا عزم مستقل محکم چٹانوں کی طرح
حوصلوں میں جس کے رفعت آسمانوں کی طرح

صنفِ نازک دہر کی تاریخ کا وہ باب ہی
جس کا ہر نقطہ حریفِ گوہرِ نایاب ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہی
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوا پیرا ہوا ے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہدے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہدے

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت کی زباں تو ہی
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہی

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہی

مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارماں تو ہے

یہ نکتہ سرگذشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(علامہ اقبال مرحوم)

پیامِ اسلام

(از علامہ ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری بار ایٹ لا)

آج کل پیام کی فرمائش کرنا ایک عام دستور ہو گیا ہے۔ مگر ایک مسلمان کو کسی نئے پیام کی ضرورت نہیں ہمارے لئے نبی کریم صلعم کا لایا ہوا پیام ایک ایسا جامع و مانع نظام عمل ہے جو ہر عہد کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ یہ پیام قرآن کریم ہے جس کی تکمیل کے بعد ہمارے ہدایت کے نظام کی تکمیل ہو گئی۔ قرآن میں ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا　　(ترجمہ) آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہاری لئے دین اسلام کو پسند کیا

قرآن کریم کی تعلیم کے بموجب اسلام کے بنیادی اصول یہ ہیں:۔

(۱) خدا کو واحد جاننا۔ قرآن میں ہے۔

قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ۝ اَللهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝　　(ترجمہ) کہو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تثلیث کی حقیقت کو ریاضی اور فلسفہ نے بے نقاب کر دیا ہے۔ خود عیسائی محققین اس کے قائل نہیں رہ گئے ہیں۔ چنانچہ نیش ایک سوال قائم کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کن چیزوں سے انکار کیا؟ پھر اس کا جواب دیتا ہے "ان تمام چیزوں سے جو آج عیسائیت کے نام سے دنیا میں جاری ہیں۔

اس کے متعلق ایک کمیشن کی رپورٹ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو ۱۹۲۲ء میں آرچ بشپ آف کنٹربری نے عیسائیت کے اصول کی تحقیقات کی غرض سے مقرر کیا تھا اور جسکی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔

(ب) "نبی کریم کو خدا کا رسول تسلیم کرنا، درحقیقت محمد رسول اللہ کا لفظ کلمہ کا جزو اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ہم لوگ بہک کر آپ کے معاملہ میں افراط و تفریط سے کام نہ لینے لگیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (۱۸-۱۱۵) (ترجمہ) میں صرف تمہاری طرح ایک انسان ہوں، ہاں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے

نبی کریم نے فرمایا کہ جس طرح اور قوموں نے اپنے نبیوں کی پرستش شروع کردی ہم لوگونکو ایسا نہ کرنا چاہئے۔ حدیث کے الفاظ میں لا تطروني كما اطرت النصارى عيسى بن مريم ؑ مجھے اس طرح حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو حد سے بڑھا دیا۔ اني لا اريد ان ترفعوني فوق منزلتي انزلنيها الله تعالیٰ (ترجمہ) مجھے اللہ کے عطا کئے ہوئے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھاؤ

(ج) "اعتراف اس امر کا کہ تمام مخلوق خدا کی عیال ہے اور اُسکی خدمت اسلام کے خصوصی اصول میں سے ہے"

(۱) الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله (حدیث شریف) (ترجمہ) تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ اللہ مخلوق میں سب سے اُسے پسند کرتا ہے جو اسکے عیال کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرتا ہے

(۲) قيامك مع اخيك ساعة خير من اعتكاف سنة (حدیث شریف) (ترجمہ) کسی انسانی بھائی کی خدمت کی خاطر تمہارا اسکے ساتھ ایک منٹ کا قیام تمہارے ایک برس کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

(د) "ذات رنگ اور نژاد وغیرہ کے امتیازات ہیچ سمجھنا چاہئے" قرآن میں ہے۔

وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم ؕ (ترجمہ) اور ہم نے تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

مندرجہ بالا آیت کے بموجب فرقوں اور قبیلوں کے امتیازات کی وہی حیثیت ہے جو دروازوں پر نمبروں کی ہوتی ہے نبی کریم نے مسلسل اپنی زندگی میں اس اصول پر عمل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی کے ساتھ قبیلہ یا نسل یا جماعت کی بنا پر برتاؤ میں تفریق روا رکھی گئی ہو۔ اس کے برخلاف آپنے مسلمانوں کو علمی تعلیم دی اور غلاموں اور بلند درجہ کے لوگوں کے درمیان شادی کا رواج پھیلایا۔ مثلاً حضرت بلال کی شادی جو آپ کے غلام تھے قبیلہ قریش کی لڑکی سے اور دوسرے غلام حضرت زید کی شادی آپ کی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینبؓ کے ساتھ ہوئی تھی۔

(ہ) مسلمانوں میں نفاق و افتراق کو گناہ کبیرہ سمجھنا۔

قرآن کریم ان لوگوں سے علیحدہ رہنے کی تاکید کرتا ہے جو گروہ بندی کریں اور آپس میں اختلاف بڑھائیں

ان الذین فرقوا دینھم وکانوشیعالست　(ترجمہ) وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور گروہ

منھم فی شئی　(۶-۱۶)　گروہ ہو گئے۔ تیرا ان سے کوئی سروکار نہیں

یہاں مسجد ضرار کے واقعہ کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ مدینہ کے مضافات میں قبا کے مقام پر ایک پرانی مسجد تھی جہاں عام طور پر مسلمان جمع ہوتے تھے کچھ لوگوں کو اس مسجد کی ہردلعزیزی سے حسد پیدا ہوا اور انھوں نے ایک اور مسجد تعمیر کرائی اور نبی کریم سے اس کا افتتاح کرانا چاہا اس کی تعمیر کے متعلق آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا کہ یہ مسجد مسلمانوں میں افتراق کا باعث ہوگی تو آپ نے نہ صرف مسجد کے افتتاح سے انکار کردیا بلکہ کچھ مسلمانوں کو بھیجکر مسجد منہدم کرادی۔

(س) اسلام روزمرہ کی زندگی میں صداقت اور پاکبازی پر زور دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اخلاق، اتحاد، انصاف، ایفائے عہد اور ایثار وغیرہ کے اوصاف پیدا کرنے کا بار بار ذکر کیا گیا ہے درصل ایثار کا درجہ تو اس قدر بلند ہے کہ مسلمانوں کو عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر حضرت ابراہیمؑ کی مثال کی یاددہانی ہرسال کی جاتی ہے اور ہدایت ہے کہ قربانی کا فریضہ ایسی خوش اسلوبی سے ادا کیا جائے کہ دوسروں کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے تاکہ وہ بھی ہماری تقلید کریں۔ دو آیتیں جن کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب اور ارأیت الذی یکذب بالدین ایسی ہی منظم زندگی کی تعلیم دیتی ہیں جو ان اصولوں پر مبنی ہوں۔

(ص) مذہبی رواداری اسلامی تعلیمات کا جوہر ہے قرآن کریم ہے۔

(۱) لا اکراہ فی الدین (۲-۲۵۶)　(ترجمہ) دین میں کوئی زبردستی نہیں

(۲) لکم دینکم ولی دین (۱۰۹-۱۶)　(ترجمہ) تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہو

(۳) نحن اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار　(ترجمہ) ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تو ان پر مسلط نہیں

فذکر بالقرآن من یخاف وعید (۵۰-۴۵)　قرآن کے ذریعہ انکو سمجھاؤ جو میری وعید (تنبیہ) سے ڈریں۔

جو مسلمان ان اصولوں پر کاربند ہیں انھیں اپنے یا اپنی قوم کے دینی، اخلاقی، اجتماعی زوال کا کوئی خوف نہ ہونا چاہئے سچ تو یہ ہے کہ جو قوم ان اصولوں پر عامل ہوگی وہ ہمیشہ بلند رہے گی۔

ریڈیو اور خواتینی پروگرام

(از محترمہ جناب حمیدہ سلطانہ صاحبہ)

اور ممالک میں ریڈیو تعلیمی اخلاقی معاشرتی غرض زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کرنے کا ایک زبردست ذریعہ سمجھا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہندوستان جیسے غلام ملک میں اس کی غرض وغایت بھی صرف تفریح طبع کا آلہ بنانے تک محدود ہے۔

کارکنانِ ریڈیو کی بدعتیں آئے دن مقامی اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں لیکن یہ ستم ظریف طبقہ پبلک کے جذبات کا لحاظ کئے بغیر اپنی من مانی کارروائیوں میں مصروف رہتا ہے۔ وہی مثل ہے "مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں ان کو اپنے حلوے مانڈے سے کام" سلام جیسی متبرک چیز جس کا احترام ہر ادنیٰ واعلیٰ مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے۔ رسول کریم کی شان اقدس میں آرکیسٹرا کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ جب تک فیلڈن صاحب کنٹرولر تھے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کے مطابق مسلمانوں کے مذہبی امور کو بھی سمجھتے ہیں۔ گرجا میں بغیر ساز کے عبادت نہیں ہوتی تو یہاں سلام بغیر ساز کیوں پڑھا جائے ؟

لیکن اب جب سید احمد شاہ بخاری جیسے سنجیدہ انسان کنٹرولر ہیں اس بدعت پر حیرت ہوتی ہے کہ سلام اب بھی ساز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے حالانکہ ہم نے محفل میلاد میں کبھی یہ تماشا نہیں دیکھا کہ سلام پڑھتے وقت مولوی صاحبان اپنی عالمانہ ثقاہت کو بالائے طاق رکھ کر بھاؤ بتا بتا کر میراثیوں کی طرح طبلہ ستار کے ساتھ تھرک تھرک کر سلام پڑھنے لگیں نعوذ باللہ مذہبی چیزوں کو بھی ریڈیو والوں نے تماشا بنا لیا ہے۔

اسلام کی سادگی وثقاہت ان بیہودگیوں کو جائز نہیں سمجھتی اور ہر باحمیت مسلمان مذہب کا یہ تمسخر اڑتے ہوئے دیکھ کر یقیناً نکتہ چینی کا حق رکھتا ہے۔ سلام جیسی متبرک چیز مزامیر سے پڑھی جانا کوئی ضروری نہیں کیا کوئی خوش گلو صاحب ترنم سے سلام نہیں پڑھ سکتے جو اس طرح مضحکہ خیز انداز میں سلام پڑھوا کر مسلمانوں کے جذبات کو برافروختہ کیا جاتا ہے۔ اس محکمہ کے قادر مطلق کو اپنی مطلق العنانی چھوڑ کر اس طرف توجہ کرنی چاہئے

مذہب کا احترام ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

اُس پروگرام کے علاوہ جو روزانہ ہوتا رہتا ہے۔ عورتوں کا پروگرام جو ہر ہفتہ دہلی جیسے بڑے اسٹیشن اور اُردو زبان کے مرکز سے نشر کیا جاتا ہے۔ بہت مایوس کُن ہوتا ہے۔ بولنے والی خواتین کا اکثر تلفظ بھی صحیح نہیں ہوتا اور زبان تو کسی کی شاذ و نادر ہی صاف ہوتی ہے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی پڑھی لکھی اور تجربہ کار خاتون اس پروگرام میں حصہ لیتی ہوں ورنہ اکثر نوعمر اور کالج کی طالبات ہی تقاریر کرتی ہیں اور ان سے دنیائے ادب میں کوئی شنا سا بھی نہیں ہوتا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ تقریریں محض بھرتی کے لئے ہوتی ہیں۔ ورنہ کوئی بیدار مغز اور قابل خاتون اس سے کوئی فائدہ نہیں لے سکتی۔ ریڈیو خواتینی پروگرام کے انچارج کبھی اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ تعلیمیافتہ اور مشہور ادبی ذوق رکھنے والی بہنوں کی تقاریر حاصل کریں ان کو تو بس کام چلانے سے غرض ہے۔

ایک بات ہو تو کہی جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس محکمہ کو خدا واسطے کا بیر ہماری تہذیب و کلچر سے ہے اور یہ اس کے تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے شریف نوعمر لڑکیوں سے فضول فلمی لغو گانے گوائے جاتے ہیں نہ معلوم ان لڑکیوں کے والدین یہ کس طرح گوارا کر لیتے ہیں کہ اُن کی بھولی بھالی لڑکیاں یہ بیہودہ فلمی گانے جو بیباک سینما ایکٹرس گاتی ہیں اس طرح تمام مخلوق کو سُنائیں اور ان لڑکیوں کی شرم کیسے اجازت دیتی ہے کہ وہ ایسے فضول گیت ریڈیو پر گائیں۔

ایسا ہی مشہور ہونے کا شوق ہے تو مفید اور اصلاحی تقاریر کر سکتی ہیں۔ دلچسپ اخلاقی کہانیاں سُنا سکتی ہیں۔ اور گائے بغیر چین ہی نہ آتا ہو تو مولانا حالی علامہ اقبال اور شعرائے کرام کی اخلاقی نظمیں ترنم سے یا ساز کے ساتھ سنا سکتی ہیں۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا دو لڑکیوں نے فلمی گانے نہایت تان سُر سے ریڈیو پر نشر کئے۔ یہ دونوں گیت لغو اور لڑکیوں کے لئے ناموزوں تھے پہلے کا شروع غالباً یہ تھا۔

پی لے پی لے مست شرابی

اور دوسرا گیت فلم علی بابا کا ایک لغو سا دوگانہ تھا۔

آپ ہی خدا لگتی کہئے کہ کنواری لڑکیوں کے منہ سے ایسے گیت کیا بھلے معلوم ہوتے ہیں؟ کیا مسلمان اس درجہ ذلیل ہو گئے ہیں۔ سبحان اللہ کیا معیار شرم و شرافت ہے۔ گویا اور سننے والی لڑکیوں کو بھی اس کا شوق دلایا جاتا ہے اور اس طرح اُن کے اخلاق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس معاملہ میں عملۂ ریڈیو سے زیادہ ان لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہمیں شکایت ہے جو جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں اور اپنی قومی روایات کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔

ہندو لڑکیاں جو گاتی ہیں تو رقص و سرود ان کی مذہبی چیز ہے اور وہ گاتی بھی زیادہ تر بھجن کیرتن وغیرہ مذہبی گانے ہیں۔ لیکن مسلمان شوقین طبع صاحبزادیاں جن کے مذہب میں گانا سننے کی بھی ممانعت ہے ایسی فضول چیزیں ریڈیو پر نہایت بیباکانہ نشر کرتی ہیں اور دامن شرم و حیا کو پارہ پارہ کرتی ہیں مشرقی خودداری اور ہندوستانی شرم و حیا کا جو ضرب المثل ہے اس طرح خون ہوتے دیکھ کر کون ذی حس انسان خاموش رہ سکتا ہے ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ دنیا اور اس کی خوشیاں سب فانی ہیں ہم کو آخر ایک دن مرنا اور خدا کو منہ دکھانا ہے۔ جسمانی خوشیوں کی خاطر روحانی راحتوں کا خیال بُھلا دینا سخت بھول ہے۔ حتی الامکان لہو و لعب سے دور رہنا چاہئے۔ جن بہنوں کو گانے وغیرہ کا شوق ہے وہ اپنی سہیلیوں میں یا زنانہ جلسوں میں گا کر اپنا شوق پورا کر سکتی ہیں اور داد و تحسین حاصل کر سکتی ہیں۔

لیکن اس طرح ریڈیو یا پبلک جلسوں میں گا کر عزت اسلامی کو مجروح نہ کریں۔ اکثر مسلمان خواتین اپنی ننھی بچیوں کو رقص و سرود کی تعلیم محض اس لئے دلاتی ہیں کہ ان کی لڑکیوں کے ناچ اور گانے کی سب تعریف کریں۔ پھر ریڈیو پبلک جلسوں اور میوزک کانفرنسوں میں یہ کمسن لڑکیوں کو نچوا گوا کر تعریف سُن سُن کر خوشی سے پھولی نہیں سماتیں۔ مذہبی احکام پسِ پشت ہوں تو بلا سے مطلب تو شہرت حاصل کرنے سے ہے خواہ لڑکی بڑی ہو کر بجائے خاتون خانہ کے سبھا کی پری بن جائے لیکن والدین تو اس پر فخر کرتے ہیں کہ اُن کی لڑکی ماہر رقص اور نکات موسیقی کے جاننے میں لاجواب ہے۔

میں قدامت پرست نہیں لیکن میانہ روی کی قائل ہوں، چاہتی ہوں ہم اور قوموں کی اچھی صفات لے کر اُس کو اس ڈھنگ سے اپنے تمدن میں شامل کرلیں کہ خود کو نہ کھودیں۔

ہمارا کلچر اور ہماری تہذیب کہیں غیروں کی حرص کرنے کی بدولت رسوا نہ ہو جائے اور پھر وہی مثل ہو

"کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی چال بھول گیا"

جن ممالک میں رقص وسرود کو نہایت قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ بلحاظ علم وفن ہندوستان سے کس قدر آگے ہیں۔ اس پر بھی تو غور کیجئے، ہندوستان میں عورتوں کو چھوڑ کر مرد بھی معدودے چند قابل کہے جاسکتے ہیں اور ہمارے طبقہ میں سے تو علم کی دولت بہت کم خوش نصیبوں کے حصہ میں آتی ہے۔ اکثریت گھر کی تاریک فضا میں بند علم وترقی کی برکت سے محروم قسمت کو رو رہی ہیں اور جن کو قدرے آزادی حاصل ہے وہ اپنا قیمتی وقت نذر لہو ولعب کر رہی ہیں۔ یہ ماتم کی جگہ ہے یا ہنسنے کی۔ یہ ترقی کی صورت نہیں کہی جاسکتی۔

ہماری روشن خیال بہنوں کو چاہئے کہ اپنی لڑکیوں کو موجودہ ماحول کے مطابق بناتے ہوئے بھی شرم وحیا سے دور نہ کریں اور اسلامی خودداری اور مشرقی حجاب کو مجروح نہ ہونے دیں۔

اُن تعلیم یافتہ خواتین سے جو کبھی کبھی ریڈیو پروگرام میں حصہ لیتی ہیں میری درخواست ہے کہ مفید اور دلچسپ کہانیاں بہترین تقریروں سے اس پروگرام کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اور لڑکیوں کے حیا سوز فلمی گانوں کے خلاف آواز بلند کریں۔ ہمیں اپنی معاشرت کی حفاظت کا پورا پورا اختیار ہے۔ مغربی کورانہ تقلید یقیناً ہماری غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے اور یہ آنے والی نسلوں کے لئے تباہ کُن ہے۔ جب تک خود خواتین اس طرف توجہ نہ کریں گی اس کی درستی ناممکن ہے۔

یہ بڑی اُمید افزا بات ہے کہ اب ہماری ایک عزیز بہن ریڈیو خواتین پروگرام کی انچارج ہوگئی ہیں یقین ہے کہ وہ جلد ہی اس کو بہتر واخلاقی بنائینگی اور آئندہ یہ پروگرام دلکش ہوا کرے گا۔ اس لئے آپ سب بھی اس کے لئے کچھ کوشش کیجئے۔ اور اس دور تخریب میں غضولیات سے دور رہنے کی ہر ممکن تدبیر کیجئے۔

(محترمہ حامد بیگم انجیسریہ)

میں اپنی محترم بہنوں اور اُن بہنوں کو اپنے اس مضمون میں مخاطب کرتی ہوں جو مسلمان ہیں یعنی مسلمان ہو کر خدا سے ڈرتی ہیں (یوں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں) محترم بہنو! آپ کو معلوم ہے کہ سورۂ بقرۃ کے شروع ہونے سے پہلے سورۂ فاتحہ ہے جس کو الحمد کہتے ہیں عام لوگ۔ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو آداب درخواست سکھانے کے بعد ایک ایسی جامع درخواست سکھائی ہے جو ہماری دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی فلاح اور بہبودی کو لئے ہوئے ہے یعنی ہدایت دی ہم کو سیدھی راہ کی، سیدھی راہ کی تخصیص کردی کہ وہ راہ جس پر چلنے والوں پر تونے اپنے انعام واکرام کی بوچھار کی۔ ان کی راہ نہیں جن پر تونے غضب کیا یا جو گمراہی میں پڑگئے۔ معزز بہنو! ہم مادی دنیا کے رہنے والے جن کی نظر دولت شہرت اور وجاہت کو سیدھی راہ سمجھ کر بھٹک جاتی ہے۔ کوئی ہٹلر کو سیدھی راہ پر سمجھتا ہے تو کوئی لینن اور مسولینی کو۔ کوئی یورپ کو سیدھی راہ پر سمجھنے لگتا ہے۔ تو کوئی امریکہ کو۔ لیکن حقیقت میں سب گمراہ ہیں اگر ان کی گمراہیوں کو بیان کروں تو شاید ہزاروں صفحے بھی کم ہوں اور ختم نہ ہوں یورپ میں جو ہولناکیاں اور فتنۂ وفساد برپا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

چیونٹیوں میں اتفاق اور مکھیوں میں اتحاد آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے

اس وجہ سے صراط مستقیم کی تصریح کردی گئی کہ اس تصریح کے ساتھ درخواست کرو۔ اور ہم مسلمان پانچوں وقت اپنی نمازوں کی ہر رکعت میں اسی طرح صراط مستقیم کی درخواست کرتے ہیں لیکن الفاظ میں یہ درخواست ہوتی ہے دل اس سے بالکل خالی۔ نہ اس کا خیال ہوتا ہے نہ تصور کہ ہم بارگاہ الٰہی میں دست بستہ کیا کہہ رہے ہیں۔ خیر ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں حقیقت یہ ہے کہ ہم درخواست ہدایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں ہم سے فرماتا ہے کہ تم اپنے اندر ہدایت یاب ہونے کا مادّہ اور صلاحیت پیدا کرلو۔ اور یہ مادہ اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے ایمان دیکھے اللہ پر اُس کے فرشتوں پر اور ثواب وعذاب (جنت و دوزخ)

پر اور آخرت کے دن پر دل سے یقین کرو کہ غیب میں یہی امور ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں دل سے پورا یقین کر لینا اور شک و شبہ نہ رہنا۔ اور یہ شان پیدا ہو سکتی ہے نماز کو قائم کرنے سے یعنی دل جمعی کیساتھ ارکان نماز کا خیال رکھ کر ادا کرنے سے فرمایا اللہ عزوجل نے "قَدْ اَفْلَحَ الْمُوْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" (وہی ایماندار ہیں جو نمازوں میں خشوع پیدا کر لیتے ہیں فلاح پاتے ہیں) دوسری چیز مادہ صلاحیت کے لئے ہے "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ" (جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے کار خیر میں بھی اس میں سے خرچ کرتے ہیں) عام طور پر لوگ رزق سے کھانے کی چیزیں اور روٹی سمجھتے ہیں۔ منتخب اللغات میں اس کے معنی "آنچہ بداں نفع گرفتہ شود" کے بھی لکھے ہیں وہ چیز جس سے فائدہ حاصل ہو اور ان چیزوں میں آنکھ۔ کان۔ ناک ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان۔ طاقت عقل۔ فہم تدبر۔ علم۔ روپیہ۔ روٹی سب ہی کچھ داخل ہے۔ اور یہ سب اللہ کی دین ہے تو جو لوگ اللہ کی راہ میں اُن چیزوں میں اُس کے دین اور اُس کے بندوں کو فائدہ پہنچانے میں خرچ کرتے ہیں وہ ہدایت یاب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ صفت اُنہی میں ہو سکتی ہے جنھوں نے اپنے نفس اور خواہشوں کو مغلوب کر لیا ہو اور دوسروں کا احساس ہو۔ دنیا میں شہرت اور وجاہت حاصل کرنے کے لئے علم اور دولت خوب خرچ کئے جاتے ہیں اور یہ خرچ نفس اور خواہشات کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ اس خرچ کا محرک اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ لہذا یہ کار خیر میں خرچ نہیں۔ اور ایسے لوگ ہدایتوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ تو ہدایتوں کے معنی اور مطلب اپنے نفس اور خواہشوں کے موافق کرنے کی کوشش کریں گے اپنی خواہش اور نفس کو ہدایت کے مطابق چلنے پر آمادہ نہ کریں گے۔ اور آجکل کی تصانیف میں یہی ہو رہا ہے تیسری چیز ہے قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے ہدایت کی کتاب دل سے ماننا اور اس کی ہدایتوں پر شک و شبہ اور پس و پیش نہ کرنا۔ جب تک کوئی شخص یہ نہ مانے اور یقین نہ کرے اُس کی ہدایتوں پر شک و شبہ اور پس و پیش نہ کرنا۔ جب کوئی شخص یہ نہ مانے اور یقین نہ کرے اس کی ہدایتوں کو صحیح اور قابل عمل اس کی ہدایات کو عمل نہیں۔ اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے تین باتوں کا لازم ہونا ثابت ہوا۔

پہلی بات :- ہدایت کی طلب صادق۔

دوسری بات :- ہدایت پر عمل کرنے کی صلاحیت۔

تیسری بات :۔ ہدایت پر ایمان کہ صحیح ہے۔

یہ تین چیزیں محرک عمل ہیں اور جس میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں وہی متقی ہے اور ہدایت یاب ہو سکتا ہے اب ہدایت پر ایمان اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک صاحب ہدایت پر ایمان نہ ہو اور صاحب ہدایت پر ایمان کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس کی صفات کیساتھ ایمان ہو تو جب تک ہم دل سے یہ نہ مانیں کہ اللہ تعالےٰ قوت والا اور عزت والا ہے وہ ہماری تقصیروں کو معاف بھی کر سکتا ہے اور ہم کو سزا بھی دے سکتا ہے اور اس کی رحمت اور عذاب دنیا کی تمام آسائشوں اور تکلیفوں سے بھی بہت ہی بہت زیادہ ہے۔ وہ بے پروا ہے اور کسی کا محتاج اور دبیل نہیں ہے اس کا کوئی باپ یا ماں نہیں کہ جن کا دباؤ ہو۔ اولاد نہیں کہ ناز برداری کا دباؤ ہو۔ کوئی اس کے برابر کا نہیں کہ اس کا دباؤ۔ لہذا اس کی ہدایتیں ہمارے ہی فائدہ کے لئے ہیں۔ اس کا ان میں یا ان سے کوئی فائدہ نہیں ہے

تو اگر خاک کو چاہے تو کرے بندہ پاک

میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

ان باتوں پر ایمان سے یہ مراد ہے کہ ہم آنکھ بند کر کے ہدایات الٰہی پر چل پڑیں۔ نتائج خود ظاہر ہوں گے۔ میرے عزیز بھائی اور بہنو! اطاعت کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ اول احسان اور مراحم سے متاثر ہو کر اور محبت جذبات سے سرشار ہو کر مطیع ہو جاتا ہے۔

دوسری حالت میں بعض ایسی طبیعتیں ہیں کہ احسان اور مراحم سے سرکش ہو جاتی ہیں۔ اور جب تک سخت گیری نہ ہو اطاعت قبول نہیں کرتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دونوں کو شامل ہیں لیکن اُس نے دنیا کی زندگی سنوارنے کے لئے ہدایات تو ضرور دیں ہیں۔ تاہم ان پر چلنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جو ان پر عمل نہ کرے گا وہ خمیازہ بھگتے گا۔ اور آرام و چین کی زندگی نہ گذارے گا۔ بیماریاں ہوں گی۔ تفکرات ہوں گے پریشانیاں ہوں گی۔ غلامی ہوگی۔ ان نافرمانیوں کی سزا آخرت میں ملے گی جہاں رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اے ہمارے پروردگار ایک دن تو ضرور لوگوں کو جمع کرے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں دنیا کے لئے یا آخرت کے لئے وہ پورے ہو کر رہیں گے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ "بے شک اللہ

وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ لڑکپن اور جوانی گناہوں اور نافرمانیوں میں کٹتے کٹتے بڑھاپا بھی بہت سا گذر گیا اس پر بھی وہ نا اُمید نہیں کرتا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ میرے بندوں سے جنھوں نے ساری عمر گناہوں میں گنوا دی کہہ دیجئے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہ معاف کرسکتا ہے وہ تو بخشش اور رحم کرنے والا ہے۔ ہاں مگر اس استحقاقِ رحمت کے لئے ایک شرط ہے یعنی" اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا "۔ یہ بخشش میری اس کے لئے جو ایمان لائے اور گناہ سے باز رہے اور نیک عمل کرنے لگیں۔ کیونکہ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ط۔ یہ تو نہیں ہے کہ گناہ برابر کئے جائیں۔ اصل میں توبہ کے معنیٰ زبان سے کہنے یا کلوں پر طمانچے مارنے کے نہیں ہیں۔ توبہ کے معنی ہیں کسی کام کو چھوڑ کر اس کے پاس پھر نہ جانا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا سکھائی ہے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ " اے ہمارے پروردگار (ہم گناہوں کو چھوڑ کر اور ایمان لاکر تیرے ہو گئے لہذا) جب تو نے ہم کو ہدایت یاب کر دیا ہے تو اب ہمارے دل نہ پھیریو (کہ ہم پھر خواہشات کے بندے ہو کر پھر بھٹک جائیں) اور ہم کو اپنی رحمت سے (دنیا اور آخرت میں) بہرہ اندوز فرما۔

مسلمان بھائیو! اور مسلمان بہنو! اگر واقعی آپ سب میرے ہم خیال ہیں اور چاہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں سے فیض یاب ہوں تو نماز پر سب سے پہلے مستعدی سے کاربند ہو جائیے کیونکہ یہ ذریعہ ہے قربِ الٰہی کا۔ بڑے بڑے لیڈر اور رہنما جب دوزخ میں ڈالے جائیں گے جن کی ظاہری باتوں سے ہم دنیا میں ان کو اچھا اور پیشوا مانا کرتے تھے تو ان کو دیکھ کر جنت سے لوگ کہیں گے کہ صاحب تم دوزخ میں کیوں ڈال دئے گئے۔ اس کا جواب جو وہ دینگے سب سے پہلا یہ ہوگا " لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ "۔ ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:۔

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ "۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اُس نے کفر کیا اور حدیث

ہیں ہے۔ اسلام اور کفر میں پہلا امتیازی نشان ہے

اللہ تعالیٰ نے نماز ہم پر اس لئے فرض کی کہ ہماری فحش اور خلاف شرع باتیں چھوٹ جائیں فرمایا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ " (نماز واقعی فواحشات اور کفر کی باتوں سے روکتی ہے) بے شک ہماری بہت سی بہنیں کہینگی کہ نماز پڑھنے والوں کی بھی تو بری باتیں نہیں چھوٹتی ہیں۔ تو میں کہوں گی کہ ان کی نماز نماز نہیں ہے بلکہ نقل نماز ہوتی ہے۔ نہ اللہ کا ادب ملحوظ ہوتا ہے نہ آداب نماز پر نظر ہوتی ہے نہ خشوع ہوتا ہے نہ خضوع ہوتا ہے۔ جب تک کوئی مقصد مقرر کر کے اس کے حصول کے لئے کوشش نہ کی جائے بے مقصد تمام کوششیں تضیع اوقات اور بیکار ہوتی ہیں۔ ہم اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے برتر کوئی ہستی نہیں ہے لیکن آنکھیں جاتی ہیں کان کہیں لگے ہوئے اور دل کہیں پڑا ہے میں سمجھتی ہوں کہ ایک آدھ مضمون سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر یہ بھی سمجھتی ہوں کہ جس کے لئے کوشش صحیح طور پر کی جائے وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ساری دنیا اسی پر قائم ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی یاد دل نشین کرنے اور اس کی شان عظمت جلال و جبروت کو دلوں میں قائم کرنے کو نماز کا مقصد قرار دے کر نماز میں خشوع اور خضوع اور دل جمعی کے لئے اگر کوشش کریں تو کیوں کامیاب نہ ہوں ضرور کامیاب ہونگے اور جب نماز کے ذریعہ سے اللہ کی یاد ہمارے دل میں بیٹھ جائے گی اور ہم متقی بن کر ہدایات ربانی سے فیض یاب ہوں گے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ہماری برائیاں ہم سے نہ چھوٹ جائیں گی اور پھر ہم کو امید ہو کہ اللہ کا وعدہ خلافت ہمارے ساتھ پورا نہ ہوگا، ہوگا اور ضرور ہوگا۔ وہ فرماتا ہے " اوفو بعہدی اوف بعہد کم تم نے مجھ سے عبودیت اور اطاعت کا عہد کیا ہے اس کو تم پورا کرو۔ میں نے جو تم کو اعلیٰ کرنے کا اور برتری دینے کا عہد کیا ہے اس کو میں پورا کروں گا۔

جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب
کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب

میرے بھائیو اور میری بہنو! اگر تم کو اللہ کی قدرت اور قوتوں پر ایمان ہے اور اگر تم یقین کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مبعوث فرما کر اور اپنی ہدایات نازل فرما کر دنیا کی ایک ناکارہ اور پست قوم عرب

کو معراج ترقی پر پہنچا دیا تھا تو پھر اس کے احکام کی تعمیل اور ہدایات پر چلنے میں پس و پیش کیوں ہے آؤ اور کرہمت باندھ کر ہم سب آج پھر سے عہد کریں کہ آج اور ابھی سے نماز کو نماز کی طرح مقصد نماز کو سامنے رکھ کر ادا کرینگے۔ خدا ہم سب کو یعنی مسلمانوں کو توفیق دے کہ کوشش کریں ہمارا مقبول بندوں میں شمار ہو آمین۔

میں اپنا مضمون ختم کرنے سے پہلے آپ کو ایک خوشخبری بھی سنا دوں۔ دہلی میں چند دردمند مسلمانوں نے مسلمانوں کی حالت سے متاثر ہو کر ایک جماعت بنام "جمعیتہ العالمین" بنا کھڑی کی ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کی اقتصادی اخلاقی اور تعلیمی حالت کی اصلاح ہے۔ اس میں مرد اور عورتیں دونوں شریک ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ شریک ہونے والا یا ہونے والی مل کر اپنی اصلاح کے لئے آمادہ ہوں۔ اس کا مقصد اوروں کی اصلاح اور اپنی اصلاح سے بے نیازی نہیں ہے بلکہ جو اصلاحی پروگرام بنایا جائیگا اس پر بڑے چھوٹے سب ممبروں کو عمل کرنا ہوگا۔ اس کا سالانہ چندہ صرف ۲؍ آنہ ہے جو پیسے مہینہ سے بھی کم ہے۔ میں اُن بہنوں سے جو حقیقت میں اصلاح کی طالب ہیں درخواست کروں گی کہ وہ اس کی ممبر ہوں اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کی اشاعت فرمائیں۔

میں انشاء اللہ اس کی خود ممبر بن کر ممبر بنانے نکلوں گی۔ مجھ سے میرے بھائی نے اس کا ذکر کیا۔ وہ خود اس کے ممبر ہیں۔ خدا کرے میری تحریر میں اثر ہو اور میری چند بہنیں بھی نماز پر عمل کرنے لگیں تو شاید اُن کے صدقے میں میری بخشش ہو جائے۔

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجم سحر نے ... آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار
کہنے لگا مریخ ادا فہم ہے تقدیر ... ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا ... اس کرمک شب کور سے کیا ہم کو سروکار
بولا مہ کامل کہ وہ کوکب ہے زمینی ... تم شب کو نمودار ہو وہ دن کو نمودار
واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے ... اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پُراسرار
آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں ... کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار
ناگاہ فضا بانگِ اذاں سے ہوئی لبریز ... وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار

(علامہ اقبال مرحوم)

یا رحمۃ اللعالمینؐ

(از جناب ادیب سہارن پوری)

مطلع عالم پہ ہر سو موت ہی چھائی ہوئی
سر برہنہ پھر رہی ہے زیست گھبرائی ہوئی

ہے زمیں لرزاں کہ اب محشر بپا ہونیکو ہے
آسماں بھی ہے سراسیمہ کہ کیا ہونے کو ہے

امن عالم خونفشاں ہے زانووں میں سر دیئے
گونجتے ہیں ہر طرف شیطاں کے خونی قہقہے

مادیت کے کرشمے الاماں والحذر
قہقہہ زن ہے جہالت علم و فن کی لاش پر

بڑھ رہی ہے بربریت سیل بربادی لئے
آندھیوں کی رو پہ ہیں تہذیب حاضر کے دیئے

بڑھ گیا ہے بے نہایت زندگی میں انتشار
ہر گھڑی دنیا کو ہے بربادیوں کا انتظار

بے طرح دنیا کی امن و عافیت تاراج ہے
اب جہاں تک دیکھئے بیچینیوں کا راج ہے

جانے کیا انجام ہو گا عالم ایجاد کا!
ڈوبتی جاتی ہے توپوں کی گرج میں ہر صدا

پانی پانی ہو رہا ہے دورِ وحشت شرم سے
کارناموں پر ترقی یافتہ انسان کے

ملتوں کو جو چلائے جائے تخریب پر
لعنت ایسے علم پر، پھٹکار اس تہذیب پر

آہ اے گمراہ مغرب اے گرفتارِ اجل
مجھ سے سن ناداں یہ ہے مذہب سے بیزاری کا پھل

الاماں مذہب سے بیزاری کا جذبہ الاماں
جس سے چھا جاتی ہیں قلب و ذہن پر تاریکیاں

پھینکدیتا ہے اُٹھا کر مرکزِ ہستی سے دور
سلب کر لیتا ہے کشتِ دل سے نم آنکھوں سے نور

میٹتا ہے بے تحاشا چھینتا ہے بے درنگ
روح کی پاکیزگی صادق بیانی کی اُمنگ

ذہنیت کو کر کے بیجا خود شناسی کا اسیر
چپکے چپکے گھونٹتا رہتا ہے آوازِ ضمیر

کیوں نہیں کہدوں ادیبؔ آخر جو میری دلمیں ہے
اُمتِ تہذیب حاضر بھی اسی منزل میں ہے

چیخ اُٹھنا چاہتی ہے غم سے گھبرا کر زمیں
رحمۃ اللعالمینؐ یا رحمۃ اللعالمینؐ

سُن اے غافل صدا میری یہ ایسی چیز ہے جسکو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تری صدا ہو آسمانوں میں

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری ظلمت میں میں روشن چراغاں کر کے چھوڑونگا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑونگا

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑونگا

مجھے اے ہمنشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

(از جناب انیسہ ہارون بیگم صاحبہ شروانیہ)

کس قدر چھوٹی۔ مگر کتنی پیاری چیز!!! آسائش روح۔ آرام جان تسکین قلب ناتوان ٹوٹے دلونکو جوڑنے والی کسی کی یاد کا ذریعہ۔ الغرض حیران ہوں کہ اے تسبیح تجھے کیا کیا نام دوں اور کس کس لقب سے پکاروں ؟؟؟

مجھے واقعی تو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ہاں سب سے۔ تمام دنیا و مافیہا سے۔ کیوں؟ اس لئے کہ میں تجھے ہاتھ میں لے کر تمام افکار و آلام سے ہاتھ اُٹھا لیتی۔ سب کچھ فراموش کر دیتی ہوں تجھے تھام کر مجھے کچھ یاد نہیں رہتا کہ کیا ہو چکا اور کیا ہونے والا ہے۔ میں جب تجھے دیکھتی ہوں پھڑک اُٹھتی ہوں کہ ہاں ہاں تو وہی ہے جس کو دیکھ کر بے قراروں کو قرار بے سہاروں کو سہارا اور بے سکونوں کو سکون یعنی "محبوب" کا نام یاد آتا ہے جسم فانی کے تمام عیش و عشرت آرام و آسائش ایک طرف۔ اور بے قرار روح کا سکون و قرار ایک طرف اتیراہر ہر دانہ میرے دل کو،، اُس کی،، طرف اس طرح کھینچتا ہے۔ جیسے کسی عاشق مہجور کا جذبۂ شوق بلا قصد وارادہ اس کو محبوب کی طرف کھینچتا ہے۔ ہاں صرف اسی لئے تجھ کو دیکھ کر تجھے ہاتھ میں لیکر میرا بکھرا ہوا دماغی شیرازہ مجتمع ہو جاتا ہے اور میں اطمینان کا سانس لیتی ہوں کہ اب تمام ذہنی کشمکش سے تھوڑی دیر کے لئے رہا ہو گئی۔

سبحان اللہ سبحان اللہ!! کیا کیا انوار و برکات ہیں جن کا شمہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بقول حضرت امجد مدظلہ العالی

کہتی ہوں میں جب سبحان اللہ کس شان سے فرماتا ہے خدا　　کیا خوب کہا کیا خوب کہا! سبحان اللہ سبحان اللہ

کون اُسکو بھلا پہچان سکے، کون اُسکی حقیقت جان سکے　　میں اور کروں!! تعریف اُس کی! سبحان اللہ سبحان اللہ

ہاں میرے لئے کس قدر نا قابل برداشت اور حیرت انگیز ہوتا ہے جبکہ میں اس تقدس مآب گروہ کے اقوال

سنتی ہوں۔ جن کے نزدیک تو "اسباب ریا" اور "متاع فخر" ہے۔ اللہ اکبر کتنا تفاوت خیالات ہے! اور حیات میں کیسا زمین و آسمان کا فرق! خدایا تونے اس دنیا کو کس قدر گوناگوں اور بوقلموں خیالات کا گہوارہ بنایا ہے۔ ایک چیز جو ایک شخص کی نظر میں تریاق ہے دوسرا اس کو زہر ہلاہل سمجھتا ہے!!! یہ کیسی عجیب بات ہے۔ میری تو یہ حالت ہے کہ اگر تو میرے پاس نہ ہو تو سمجھتی ہوں کہ ایک بڑی نعمت سے محروم ہو گئی اور اطمینان قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ لیکن پروردگار! حقیقت حال صرف تجھی کو خبر ہے۔ اور اصلیتوں سے تو ہی آگاہ ہے۔ ہم بے خبر تو صرف تاریکی میں اپنا راستہ ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور "اھدنا الصراط المستقیم" کا پانچ وقت ورد کر کے تجھی سے طالب ہدایت ہوتے ہیں۔ میں تو یقیناً یہی کہوں گی کہ جو چیز مجھے تیری طرف تیری یاد تیرے ذکر و فکر کی طرف کھینچتی ہے مائل کرتی ہے وہ چیز مجھے دنیا بھر سے زیادہ عزیز ہے خواہ وہ نازک تسبیح کے چھوٹے چھوٹے ہلکے پھلکے دانے ہی کیوں نہ ہوں۔ جن کو ہاتھ میں لے کر ہم خواہی نخواہی تجھ کو پکارتے ہیں۔ یاد کرتے ہیں۔ سفر و حضر میں ہر جگہ بلا تکلف ہم جس چیز سے اپنی پراگندہ خاطری کو دور کر سکتے ہیں۔ وہ صرف اے تسبیح تو ہی ہے!!! جب ہم تجھ کو ہاتھ میں لیں گے لامحالہ زبان پر اسی کا نام آئے گا جو ہمارے لئے دونوں جہان میں منتہائے مقصود ہے

ہاں تیرا وجود اس مادہ پرست فلسفی دنیا کے لئے خواہ کتنا ہی باعث تضحیک کیوں نہ ہو۔ مگر مجھے تو روز بروز زیادہ شیریں اور عزیز ہوتی جاتی ہے۔ میں تجھے ان تمام خیالات کے لوگوں سے چھپا کر رکھتی ہوں تاکہ تیری شان میں سبک کلمات سننے سے میری قوت سامعہ محفوظ رہے اور میرے دل کو شدید دُکھ نہ پہونچے

حیران ہوں کہ اے تسبیح!!! کون سے شیریں ترین الفاظ سے تیرے ساتھ میں اپنا پیار و اخلاص ظاہر کروں!!! اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

پڑھا تسبیح پر نام محمد اس سلئے میں نے
زباں کے ساتھ شاہد حشر میں ہر دانہ ہو جائے
"وہ ساعت" جبیں سودائے "محمد" ہو مجھے یارب
"وہ ساعت" میری ساری عمر کا افسانہ ہو جائے

آزادئ نسواں

(از شریف قریشی صاحب منشی فاضل میرٹھ)

قاعدہ ہے جب غلام اقوام پر غالب اقوام کا ظلم حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو ان میں اپنی غلامیت کا احساس پیدا ہوتا ہے انہیں ہر طرح کی بے چینی اور اضطراب عود کر آتا ہے وہ اپنی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ لیکن اس کوشش میں بھی اُن کو مغلوبیت حائل ہوتی ہے اپنے لئے راہ ترقی اختیار کرنے میں اکثر انھیں ذرائع پر نظر ڈالی جاتی ہے جو اُن کو غلام بنانے والی اقوام نے اختیار کئے ہوتے ہیں۔ چونکہ برسوں کی غلامیت سے قوم میں جمود پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ اسلئے اُن کے نارسا دماغ اصلی اور کٹھن اصولوں کی بجائے سہل اور ظاہری اصولوں کو شاہراہِ ترقی قرار دیتے ہیں۔ اس وقت اپنے آباؤ اجداد کے تہذیب و تمدن کو جو کہ خواب کی طرح دھندلا ہو گیا ہوتا ہے بالکل فراموش کر دیا جاتا ہے۔ حقیقتاً اُس وقت آزادی کی طفلانہ کوشش میں غلامی کے جال کی گرہ کو اور بھی مضبوط کر دیا جاتا ہے۔ طبقۂ نسواں کی موجودہ کشمکش اور آزادئ نسواں کے نام پر جد و جہد اسی فارمولا کی بنا پر ہے۔

انیسویں صدی کے اختتام میں ہندوستان میں بھی قومی احساس پیدا ہوا۔ یورپین اقوام کی دیکھا دیکھی مذہبی عقیدت کی جگہ قومی عقیدت نے لے لی۔ اہل یورپ کو جب اوج ترقی پر دیکھا تو خود کی بھی آنکھیں کھلیں۔ راہِ ترقی پر گامزن ہونے کا خیال پیدا ہوا۔ ذرائع ترقی اختیار کئے گئے بجائے خود میں نقص نکالنے کے لئے اپنے آباؤ اجداد کے اصولوں کو باطل قرار دیکر اپنی ترقی میں سدِ راہ خیال کیا۔ انگریز کی جمہوری نا شخصی حکومتوں کو لائحہ عمل قرار دیا گیا۔ اسی اصول پر کانگریس قائم ہوئی۔ ڈیبیٹنگ کلب وضع کی گئیں۔ لیگیں بنائی گئیں۔ جگہ جگہ شخصی آزادی کا چرچا ہونے لگا۔ جس نے بیٹے کو باپ سے اور بیوی کو میاں سے بیگانہ بنا دیا۔ اسی شخصی آزادی کے زیر تحت عورتوں

نے بھی اپنی آزادی کے مطالبات مردوں کے سامنے رکھ دیئے۔ انگریز کے طرزِ تمدن بطور مثال پیش کرتے ہوئے اہل ہند کے سامنے بھی یہی اصول پیش کیا گیا کہ ہندوستان کی آزادی اُس کی صنف نازک کی آزادی پر موقوف ہے۔ انگریز نے بھی ان چیزوں کو اپنے حق میں مبارک جان کر خوب سراہا اور حتی الامکان مدد بھی کی اس غلامانہ ذہنیت کے کریلے کو اور بھی نیم چڑھا کر دیا۔ انگریز نے اپنی عسکری زندگی کے زرّیں اصول کو جو کہ اُس کی ترقی کا وحید ذریعہ تھا اس طرح پوشیدہ کیا کہ ہندوستان سے اُس کا مذاق تک یک قلم اُڑا دیا۔

تاہم قطع نظر اس بات کے کہ یہ خیال یعنی "آزادیٔ نسواں" کیوں اور کب پیدا ہوا۔ صحیح پیدا ہوا یا غلط۔ میں اُن تاثرات پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو کہ محترمہ خاتون حمیدہ سلطان قلم زریں رقم سے ظاہر ہوئے۔

آپ فرماتی ہیں۔ مردوں کی یہ رائے بالکل غلط ہے کہ عورت فطرتاً کمزور ہے ایک دوسری جگہ "مل" کا قول پیش کرتی ہوئی رائے زنی فرماتی ہیں کہ "مردوں کی یہ انانیت صدہا سال کی خود مختاری کا نتیجہ ہے" قبل اس کے کہ میں مندرجہ بالا اصول پر بحث کروں۔ میں اُن کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرتا ہوا یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مردوں کی یہ انانیت اُن کے صدہا سال کی خود مختاری کا نتیجہ ہے تو یہ خود مختاری مردوں میں کیوں آئی اس خود مختاری کے عورتوں میں نہ آنے کا کیا سبب ہوا۔ اگر عورت واقعی فطرتاً کمزور نہیں تو یہ صدیوں سے کیوں کمزور ثابت ہو رہی ہے۔ اگر اس کی وجہ مرد کا جبر و تشدد ہے تو پھر بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر جب دونوں مخلوق فطرتاً برابر ہیں اور کوئی نوع بھی کمزور نہیں تو پھر مرد جبر و تشدد کے قابل کیوں ہوا۔ یہی جبر و تشدد عورت کیوں نہ کر سکی۔ مرد کے غالب آنے کی کیا وجہ ہوئی۔ عورت کیوں مغلوب ہوئی۔ برابر کی قوت کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص اس وقت جبکہ مرد اپنی ابتدائی پرورش میں کلی طور پر عورت کا محتاج ہے۔ عورت اگر چاہتی یا اُس کے قبضہ اقتدار میں ہوتا تو مرد میں مغلوبانہ ذہنیت پیدا کرتی۔ خود کو ہمیشہ غالب رکھتی۔ گہرے غور سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت یقیناً فطرت کمزور ہے اور یہ چیز بعید بھی نہیں اور نہ ہی قابل گلہ ہے۔ قدرت نے اپنی مخلوق کو ایک دوسرے پر حاوی تخلیق کیا ہے۔ یہ بات دیگر ہے کہ جس طرح ہر کمزور کو اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح صنف نازک بھی اس قدرتی کمزوری کی معترف نہ ہوں۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حاوی ہونے سے وہ وحشیانہ مطلب نہیں جو ایک

شیر کے بکری پر حاوی ہونے سے یا ایک وحشی مخلوق کے دوسری وحشی مخلوق پر حاوی ہونے سے ہوتا ہے انسان کو عقل۔ ضمیر اور قوت امتیاز عطا کی گئی ہے تاکہ مساویانہ معیار معاشرت قائم کرے۔ میل جول کیواسطے دل اور جذبات بخشے گئے کہ ناجائز جبر و تشدد سے نفرت کرے۔ کمزور اور طاقتور فطرت سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ چنانچہ بہت حد تک انسان نے اس عطا کردہ قوتوں سے کام بھی لیا۔ اور وقتاً فوقتاً مذہبی پابندیوں یا تمدنی قوانین کی صورت میں مساویانہ حقوق قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ انسان بعض اوقات جذبات سے اس قدر مغلوب ہوا کہ حیوان تک پر ظلم و تشدد گناہ اور جرم قرار دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ مساویانہ حقوق کا معیار کیا ہے۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ عورت فطرتاً کمزور ہے۔ ایک آدھ دفعہ اگر عورت سے کوئی نمایاں کام ظہور میں آگیا ہو تو اُس کو عورت کی فطرتاً مضبوط ثابت کرنے کے لئے کُلیہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک دُنیا خدا کی قائل ہے معجزے رونما ہوتے رہیں گے۔ دنیا میں ہمیشہ بڑے بڑے کام مرد ہی سرانجام دیتا رہا۔ دنیا کے تمام انقلابات مرد ہی کی کوششوں کے مرہونِ منت ہیں۔ ابتدا سے لے کر اب تک روئے زمین کی تاریخ میں سب جگہ میدان جنگ مرد ہی کے خون سے سُرخ نظر آتے ہیں۔

خدا کی ہر مخلوق ایک مخصوص کام انجام دینے کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔ اور اُس کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ویسے ہی خصائص سے قدرت نے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر قدرتی اصولوں کا نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ حقیقتاً عورت کو قدرت نے ایک بہترین نرس بنایا ہے تاکہ نسل انسانی کی عمدہ سے عمدہ پرورش کر سکے۔ بچے کی ابتدائی غذا کو ماں کی چھاتیوں میں مہیا کرنا، بچے کے لیٹنے کے لئے ماں کو نرم و نازک گود بخشنا اُس کے قدرتی نرس ہونے کے زندہ ثبوت ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ وہی مائیں جنھوں نے اس قدرتی عائد کردہ فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دیا قوم و ملت کے لئے بہترین ثابت ہوئیں۔ اُنھوں نے ہی سوسائٹی کو بہترین افراد مہیا کئے۔ انھیں کی آغوش میں پلے ہوئے نوجوان بلند اخلاق اور اعلیٰ کیریکٹر ثابت ہوئے۔ ایسا ہوتا بھی کیوں نہ۔ کسی بھی قوم و ملت کی ترقی کا انحصار اُس کے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت پر ہے۔ تعلیم و تربیت کا اصلی مدعا تو یہ ہے کہ دنیا میں ایسے

انسان پیدا کیے جائیں جو اپنی زندگی کی تنظیم عقل کی روشنی میں صحیح اصول پر کر سکیں۔ ان کے ارادے بلند، پختہ اور چٹان کی طرح مضبوط اور راسخ ہوں اور یہ چیز کلی طور پر ماں کی پرورش پر مبنی ہے۔ ماں کی آغوش بچہ کی اولین تربیت گاہ ہے۔ ہر ماں کو چاہیے کہ خود بچے کی دایہ بنے، ماں بننے سے پہلے ہر عورت کا فرض کہ آئندہ نسل کی صحیح تعلیم و تربیت کی اہلیت خود میں پیدا کرے۔ اسی اہلیت کا دوسرا نام تعلیم نسواں ہے۔ ہادیٔ اسلام نے اگر تعلیم نسواں کو لازمی قرار دیا تو اسی رو سے دیا۔ تعلیم نسواں سے یہ مراد ہرگز نہیں جیسا کہ مکرمہ خاتون کے خیالات سے ظاہر ہے کہ وہ بی۔ اے ہو کے آنریری مجسٹریٹ کے عہدہ پر مامور ہو جہاز راں بنے۔ اسمبلی کی نشستوں پر بیٹھ کر امور سلطنت پر بحث کرے۔ وزارت کے عہدہ پر متمکن ہو کر ارباب سلطنت کا ہاتھ بٹائے۔ کسی فوج کی کمانڈر ہو۔ ان چیزوں کے لئے عورت قدرتی طور پر موزوں نہیں۔ تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کی اخلاقی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے عورت کا صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ اور اس تعلیم سے مراد بھی اسی قسم کی تعلیم ہے جس سے عورت اپنے قدرتی فرائض کو عمدہ طور پر انجام دے سکے۔ ایک عورت فلسفہ یا علم جغرافیہ میں تو ایم لے کر گئی۔ مگر جب زچگی کا وقت آیا تو اس کا تمام علم دھرا کا دھرا رہ گیا۔ ایشیا کا محل وقوع اور یورپ کی معدنیات کا یاد کرنا اس کے لئے بالکل ناکارہ ثابت ہوا۔ جب اسے اتنا ہی معلوم نہیں کہ بچے کے دودھ پینے کے اوقات کیا ہونے چاہئے۔ اس کی پرورش میں کیا کیا حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ اس میں عادات حسنہ کیونکر پیدا کی جا سکتی ہیں۔ عورت بہ حیثیت ایک ماں اور بیوی کے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر سکتی ہے۔ کیا جو عورت اپنے بچے کو ایک بہترین سپاہی بنا کر میدان جنگ میں لا کھڑا کرتی ہے۔ یہ اس کی سیاسی لحاظ سے سب سے بڑی خدمت نہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ سلطنت میں بلاواسطہ حصہ لینے کی بجائے بالواسطہ حصہ لیتی ہے۔ وہ خود میدان جنگ میں ناکام طور پر حصہ لینے کی بجائے ایک کامیاب سپاہی پیدا کر کے بھیج رہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بہادر سورما وہی قوم پیدا کر سکی جس کی عورتوں نے گھریلو زندگیوں میں پوری پوری دلچسپیاں لیں اور اپنی زندگیوں کو نسلوں کے عمدہ بنانے کے لئے وقف کر دیا۔ راجپوت

دیویوں کو اس میں طرۂ امتیاز حاصل ہے۔ وہ دیویاں جن کے دامن کو ہوا تک نہ چھو سکتی تھی۔ وہ دیویاں جو اپنے شوہر کی شمع حیات بجھ جانے کے بعد بھی پروانہ وار چتا میں زندہ جل کر مرجانا باعث عزت خیال کرتیں موجودہ تمدن کے لحاظ سے یہ نظریہ اچھا ہو یا بُرا۔ مگر انھوں نے وہ سورما پیدا کئے کہ جن کے پاؤں کی ٹھوکر دل کو سرزمین ہند تا قیامت یاد رکھے گی۔ نہ صرف بہادر اور جری بلکہ بلند اخلاق انسان کو جو اپنی غلطیوں پر اپنا سر کاٹ ڈالنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔ یہی حال قرون اولیٰ میں عرب عورتوں کا تھا اسی پردے اور چار دیواری میں رہ کر اسی عورت نے خالد۔ طارق اور محمدؐ پیدا کئے جنھوں نے مشرق سے لیکر مغرب تک ہلا دیا۔ آج سرحدی قبائل کی وہی زینت خانہ چار دیواری میں رہنے والی عفت وعصمت کی پتلیاں وہ شجاع پیدا کر رہی ہیں کہ جن کو نہ تو انگریز کا بمبار طیارہ مرعوب کرسکتا ہے اور نہ کوئی توپ و تفنگ سر کرسکتی ہے۔ وہ عورتیں بھائیوں اور شوہروں کو ہار پہنا کر میدان جنگ میں روانہ کرتی ہیں۔ منہ موڑے ہوئے خاوندوں سے ہم بستری ترک کر دیتی ہیں کیا آج یورپ جس کو موجودہ اصطلاح میں مہذب ترین ملک کہا جاتا ہے اس اخلاق اور کیریکٹر کا دعوی کرسکتا ہے۔ (باقی دارد)

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف وکرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دین ہے تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھادے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملادے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
وہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

(علامہ اقبال مرحوم)

ایک غلط فہمی

رسالہ انیس نسواں بابتہ ماہ نومبر ۱۹۴۰ء میں جو ہمشیرہ محترمہ نکہت صاحبہ کی ایک پرانی نظم بہ عنوان "وہ دن خدا نہ کرے" شائع ہوئی ہے اس میں ازراہ غلط فہمی موصوفہ کے نام کے آگے لفظ "مرحومہ" لکھدیا گیا ہے غالباً ان کی چھوٹی ہمشیرہ ز۔خ۔ش مرحومہ المتخلص بہ نزہت کی وجہ سے یہ ناخوشگوار التباس ہوا۔

خواہر محترمہ نکہت شروانیہ ماشاء اللہ بقید حیات ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ چند سال سے انتشار دماغ کی شکار ہیں۔ اسی لئے ملک کے علمی رسائل ان کے رشحات قلم سے قبل از وقت محروم ہو چکے ہیں افسوس صد افسوس، ورنہ کسی زمانہ میں موصوفہ کا پختہ و شستہ کلام ادبی دنیا میں خاص مقبولیت رکھتا تھا۔ ناظرین سے التجا ہے کہ وہ ضرور نکہت صاحبہ کی صحت جسمانی و دماغی کے لئے دعا رخیر کریں۔ یہ بھی غالباً ناظرین سے مخفی نہ ہوگا کہ یہ دونوں قابل فخر خواتین آنریبل ڈاکٹر نواب بہادر سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب شروانی مرحوم و مغفور آف بھیکن پور کی صاحبزادیاں ہیں جن میں سے ایک چھوٹی صاحبزادی ز۔خ۔ش مرحومہ ہندوستان کی نامور شاعرہ اور ادیبہ تھیں جو کہ عین عالم شباب میں اس دار ناپائدار سے رحلت کر گئیں۔

علمی دنیا کے لئے یہ ایک نوید ہے کہ مرحومہ کا خود ترتیب دادہ مجموعہ کلام "فردوس تخیل" کے نام سے دفتر اخبار تہذیب نسواں میں طبع ہو چکا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد شائع ہونے والا ہے۔ مرحومہ کی متعدد علمی تصانیف اور اس مجموعہ کلام کے ماسوا بقیہ غیر مطبوعہ کلام ابھی پردۂ اخفا میں ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی شائقین کے ہاتھوں میں پہونچانے کی کوئی سبیل خیر پیدا کر دے۔ اس ضمن میں ایک اور اطلاع بھی غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مرحومہ ز۔خ۔ش کی سوانح نگاری راقمۃ الحروف کے پیش نظر اور زیر ترتیب ہے اگرچہ خرابی صحت کا سلسلہ مجھے اکثر آزردہ و پریشان رکھتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے مایوسی نہیں ہے اور یہی توقع ہے کہ اگر موجب بہتری کا ہوگا تو میرے کمزور ہاتھوں سے یہ مرحلہ بھی ضرور انجام پائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ فلا۔　　سطور ہذا کے ساتھ ہی محترمہ نکہت صاحبہ کی ایک نعتیہ نظم بھی

نظم نعتیہ

(نگہت شروانیہ)

دردِ جگر کی ہے دوا صلّ علیٰ محمدؐ — تو بھی تو منکر آزما صلّ علیٰ محمدؐ

جز ترے شاہ دوسرا کس کو یہ مرتبہ ملا — عرش ہے کس کے زیرِ پا صلّ علیٰ محمدؐ

شافع مجرماں ہے تو رحمت دو جہاں ہے تو — سب کو ہے تیرا آسرا صلّ علیٰ محمدؐ

تجھ سا نہیں ہے جو قریب ہے وہ بڑا ہی بدنصیب — اے مرے فخر انبیا صلّ علیٰ محمدؐ

خلقت و نشر خلق کا حق نے تجھے سبب کہا — اے زہے شانِ مصطفےٰ صلّ علیٰ محمدؐ

کون ہے جو ترا نہیں خوانِ کرم کا خوشہ چیں — شاہ ہو اس میں یا گدا صلّ علیٰ محمدؐ

لِلختَ لَھُم تری صفت خُلقِ عظیم منقبت — صلّ علیٰ جبینا صلّ علیٰ محمدؐ

بیخ کنِ رہِ ستم معدنِ رحمت و کرم — مظہرِ شانِ کبریا صلّ علیٰ محمدؐ

بادشہ عرب بتا کس سے کہے ترا گدا — سوزِ دروں کا ماجرا صلّ علیٰ محمدؐ

دل کو ہے بیکلی بڑی چاہوں میں کس سے دلدہی — بن ترے کون ہے مرا صلّ علیٰ محمدؐ

جسکو تپش بلا کی ہے، اسکو قسم خدا کی ہے — کہدے بصدق دل ذرا صلّ علیٰ محمدؐ

نگہتِ دردمند کا عقدہ ہر ایک وا ہوا
جوش میں بھر کے جب کہا صلّ علیٰ محمدؐ

حفاظت قرآن

(از جناب سیدہ آسیہ بیگم صاحبہ جودھپور)

آج میں اُس مقدس کتاب کی نسبت کچھ لکھنا چاہتی ہوں جو ازل سے اب تک تمام خطرات سے محفوظ رہی ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی اور جس کی حفاظت کا خود خداوند کریم نے ان الفاظ میں وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّا نحن نزّلنا الذکر و اِنّا لہٗ حافظون　　(ترجمہ) ہم (یعنی خدا) نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

میرے الفاظ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ کتاب مقدس سے میرا مقصد قرآن کریم ہے۔ جو دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں ایک کامل مکمل۔ آخری جامع اور سب سے محترم و مقدس کتاب ہے۔

دنیا میں صرف قرآن مجید ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ نزول وقت سے آج تک ہر قسم کے خطرات اور تحریف و تصرف سے محفوظ رہی ہے اور ایک جملہ تو بڑی چیز ہے اُس کا ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ تبدیل و تحریف اور ہر قسم کے تغیر سے محفوظ رہا ہے اور ابد تک محفوظ رہے گا۔

دنیا میں جس قدر مذہبی کتابیں اور الہامی صحائف موجود ہیں یا جس قدر الہامی کتابیں بندوں کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں یہ خصوصیت صرف قرآن مجید ہی کو حاصل رہی ہے کہ اُس کے حافظ ہر زمانہ میں کثیر تعداد کے اندر موجود رہے ہیں۔

اور قرآن مجید کی بسم اللہ سے لے کر آخری جملہ وَالناس تک کو اپنے سینوں میں لئے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کی حفاظت سینوں کے اندر کی جائے اور جس کتاب کو قلب میں محفوظ کر لیا جائے وہ خطرات سے کیونکہ دوچار ہو سکتی ہے اور زمانہ کے حوادث یا مخالفین کی دست بُرد اس پر کیا اثر کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف وقتِ نزول سے اس وقت تک محفوظ رہا ہے اور قیامت

تک محفوظ رہے گا۔ اس لئے کہ آئندہ نسلیں بھی گذشتہ اور موجودہ نسلوں کی طرح قرآن کریم کی اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گی۔ دنیا اسلام کے گوشہ گوشہ میں حفاظ قرآن رہے ہیں۔ آج بھی لاکھوں کی تعداد میں حافظ قرآن موجود ہیں۔ اور خداوند کریم کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق آئندہ بھی قیامت تک حفاظ قرآن موجود رہیں گے۔

کیا کوئی اور مذہب ہے کہ ایسی نظیر پیش کر سکے کہ اُس کی مذہبی کتاب کے حفاظ اس تعداد میں ہوں۔ یا اُس کا دسواں یا بیسواں حصہ بھی موجود ہو۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ الہامی کتابوں کے مجموعہ بائیبل کے تراجم تقریباً آٹھ سو زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ اصل کتاب کا نہ کوئی نسخہ موجود ہے اور نہ صحائف کا کوئی حافظ پایا جاتا ہے۔ آج ہی نہیں بلکہ نزول قرآن کے وقت بھی کوئی الہامی کتاب صحیح حالت میں موجود نہ تھی۔ اور جس قدر کتابیں عبرانی یا دوسری زبانوں میں الہامی کتابوں کے نام سے مشہور یا موجود ہیں ان میں کثرت سے غیر الہامی باتیں شامل ہیں۔

یعنی تمام غیر مذاہب کی الہامی کتابوں کو اُس مذہب کے علمارنے اپنے اغراض کو حاصل کرنے کے لئے بدل ڈالا تھا۔ اور خدا کے احکام کو مسخ کر ڈالا تھا۔

دنیا اسلام جن حوادث گوناگوں اور ہلاکت آفریں بیشمار واقعات سے دوچار ہوئی ہے اتنے حوادث اور ہولناک واقعات شاید دنیا کی کسی قوم کو اُٹھانے نہیں پڑے۔ خلافت عثمانی سے ان ہولناک حوادث کا آغاز ہوا اور تقریباً تین سو سال تک باہمی خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری رہا آبادیاں تباہ ہوئیں لاکھوں آدمی مارے گئے دنیا کا نظام بدل گیا۔ اور حالات کچھ سے کچھ ہو گئے ان حوادث میں سخت ترین حادثہ تاتاری قوم کا وہ سیلاب تھا۔ جس نے اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور مسلمانوں کی پناہ نصیب نہ ہوتی تھی کوئی اور قوم ہوتی تو اُس کا وجود تاریخ کے صفحات پر رہ جاتا لیکن مسلمان آج بھی زندہ ہیں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اور ان کی مقدس کتاب قرآن مجید جوں کی توں موجود ہے۔ یعنی ان ہولناک حوادث اور دنیا کے نظام بدل دینے والے واقعات نے قرآن مجید کے ایک حرف اور ایک نقطہ کو بھی اُس کی جگہ سے نہ ہٹایا۔ اور قرآن کا ایک ایک حرف محفوظ رہا۔

کیا دنیا کی کوئی قوم دعویٰ کر سکتی ہے کہ حوادث و واقعات نے اُس کی الہامی کتاب پر کوئی اثر نہیں ڈالا
مذہب کی عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اختلافات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی بہت
سی جماعتیں پیدا ہوئیں اور خیالات و عقائد میں اختلاف رونما ہوئے بعض ایسے لوگ بھی ہوئے جنھوں
نے اسلام کے اصولی عقائد سے انکار کیا یعنی خدا کے وجود تک سے انکار کر دیا۔ ممکن ہے ان مختلف عقائد
کے لوگوں نے قرآن کریم کو نقصان پہنچانے کی کوئی ایسی ہی ناپاک کوشش کی ہو۔ جیسی کہ غیر مسلم قوموں
نے کبھی کی تھی۔ لیکن ان کی یہ ناپاک کوششیں ہمیشہ ناکام رہیں اور قرآن مجید کا ایک حرف بھی نہ بدلا جا سکا
قرآن مجید وقت نزول سے اب تک کیونکر محفوظ چلا آتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود قرآن کا
نازل کرنے والا یعنی خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاِنَّا لَہٗ لَحٰافِظُوْنَ ط　　　　(ترجمہ) ہم خود اس قرآن کے محافظ ہیں

خداوند تعالیٰ نے اس کی حفاظت اس طرح کہ اِس کی مسلمانوں نے دلوں میں محفوظ رکھنے کے لئے مسلمانوں کو
حفظ قرآن کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اور حفظ قرآن کا شوق مسلمانوں میں جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدار
نزول قرآن سے اس وقت تک اس کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور
ہر وقت ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں حافظ قرآن دنیا میں موجود رہیں گے۔

قرآن کریم کے سوا اور جس قدر الہامی کتابیں دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ یا جن کو الہامی کتابوں کے
نام سے پکارا جاتا ہے اُن کی حقیقت بھی اس موقعہ پر بتا دینی چاہیئے۔

مشہور ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ چالیس ہزار پیغمبر ان لوگوں کی ہدایت کے لئے آئے ہیں اور اُن
میں سے بہت سے انبیار پر احکام الہٰی نازل ہوئے ہیں۔ اور بعض پر مستقل کتابیں اُتری ہیں۔ ان میں
سے ایک بھی اصل الفاظ میں موجود نہیں ہے اور غلط تراجم اور مشکوک احکام پائے جاتے ہیں۔ یہ توان
کتابوں کا حال ہے جو مختلف مذاہب کی طرف سے شائع ہوتی رہتی ہیں اور آجکل تو بالکل ہی ناپید ہیں
یعنی بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔

مذاہب قدیمہ میں (پارسی) یعنی زردشتی مذہب ہے۔ جس کی کتاب ژند اور پاژند بہت مشہور

تھیں اس کتاب کو سکندر اعظم نے ایران پر حملہ کر کے نیست و نابود کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کا آج ایک بھی نسخہ موجود نہیں ہے۔

شاہ ایران ارشد بابکان نے ژند و پاژ کی جگہ وساتر تیار کرائی۔ مانی نے اپنا مذہب چلا کر وساتر کو برباد کر دیا۔ مانی کے بعد جب مشروک نے اپنا مذہب پھیلایا تو بادشاہ کیقباد کی مدد سے اُسکو تباہ کر دیا

اسی طرح ہندوؤں کی الہامی کتاب وید تباہ کی جاتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ نے اُس کی اصلی سنسکرت زبان کو راجہ اشوک کی مدد سے تباہ کرایا۔ اور سنسکرت زبان بولنے تک کو جرم قرار دیا[۱]۔

بھومکا کے دیباچہ میں بابو نہال سنگھ جی لکھتے ہیں کہ مہابھارت کی جنگ میں جس میں پانچ کروڑ آدمی شامل تھے۔ صرف اِن میں بارہ زندہ بچے تھے۔ ہندوؤں کے وید برباد کر دیئے گئے جس سے ویدک طرز عمل میں بڑا فتور آ گیا[۲]۔

توریت منجانب اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کتاب کو جو الواح کی صورت میں تھی۔ صندوق میں بند کرا دیا تھا۔ اس صندوق کا نام تابوت سکینہ تھا حضرت موسیٰ ؑ کے بعد یہ صندوق بنی اسرائیل سے قوم عمالقہ کے قبضہ میں آیا۔ اور قوم عمالقہ سے یہ صندوق بادشاہ جالوت نے چھین لیا۔ بعد اس کے حضرت شمویل پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ سے بادشاہ طالوت نے اس صندوق پر قبضہ کیا۔ یہ صندوق متعدد حوادث کا شکار ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا۔ اُنھوں نے کھول کر دیکھا تو اس میں پتھر بھرے تھے اور صرف دو الواح تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوبارہ الواح کو مرتب کرایا بعد اس کے بخت نصر بادشاہ نے تباہ کر دیا۔

میری پیاری بہنو! مختصر یہ کہ آج جن کتابوں کو الہامی کہا جاتا ہے اُن میں قرآن مجید کے سوا تمام کتابیں تقریباً ضائع ہو گئی ہیں اور اصل تو کسی کتاب کی موجود نہیں۔ تراجم کی صورت میں اُنھیں پیش کیا جاتا ہے اور تراجم کی حیثیت جبکہ اصل موجود نہ ہو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

---

[۱] دیکھو ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند جی [۲] ستیارتھ سملاس ۱۱ صفحہ ۴۰۴ طبع دہم

حقیقت حال

(خان بہادر حافظ محمد ولایت اللہ صاحب بی۔ اے علیگ)

رات کو رہتے ہیں رندوں کی طرح متوالے
دن نکلتا ہے تو بن جاتے ہیں اللہ والے

شیخ کے دل میں اُتر آئے ہیں دستار کے پیچ
شکل دیکھو تو نظر آتے ہیں بھولے بھالے

شام کو چوک میں جاتے ہیں بہت بن ٹھن کر
ہار پھولوں کے تکلف سے گلے میں ڈالے

شوق سے پیتے ہیں خود چائے درِ ہوٹل پر
بھوک سے گھر میں پریشان ہیں لڑکے بالے

جان پر سوز تعشق کے لئے ہے بے چین
جیب خالی ہو مگر پھر ہیں بڑے دل والے

قابل رحم ہے بیوی کی مکاں میں حالت
آئی تھی بن کے دُلہن پڑ گئے جان کے لالے

جھمکیاں گرو ہوئے چار مہینے گزرے
سالے آئے تو گئے لے کے بہن کے بالے

زندگی کٹتی ہے اس طرح توکل بہ خدا
گھر میں کیا خاک رکھا ہے جو لگائیں تالے

سال خالی نہیں جاتا کہ نہ ہو نووارد
گھر میں کھانے کو نہیں ان کو کہاں سے پالے

حسن بھی کر دیا افلاس نے ایسا غائب
کوئی ٹیڑھا ہے کوئی بھینگے کوئی ہیں کالے

کبھی ہو جاتی ہے غصہ کی جو گھر میں بارش
بیوی رو رو کے بہا دیتی ہے ندی نالے

اِسلام میں عورت کی حیثیت

(مولوی ابن حسن صاحب شارق بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

(۲)

اسلام نے عورت کا کیا درجہ قایم کیا اب ہم بتاتے ہیں کہ قرآن حکیم نے اس طبقۂ مظلوم کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس کی حالت کو کس طرح سدھارا۔

چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔

خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا	اور تم کو ایک جنس سے پیدا کیا اور اُس میں سے تمہارا
زَوْجَھَا اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا	جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لئے خود تمہاری جنس سے جوڑے
لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّ	پیدا کئے تاکہ تم اُن کے ساتھ آرام پاؤ اور تم دونوں میں
رَحْمَةً ط	محبت اور پیار پیدا کیا۔

پھر بتایا کہ مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے قدرت کے جو اغراض ان سے متعلق ہیں ان کو کمال آزادی اور تکمیل کے ساتھ دونوں پورا کرتے ہیں۔ باقی رہا دونوں کا ارتباط اور باہمی علاقہ وہ نہایت ہی نازک ہے اور اگر غور سے دیکھئے تو بہ اعتبار اغراض فطرت اور منشاء قدرت دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں جس طرح قدرت کی اصلی غرض نسل انسانی کا بڑھانا دونوں بغیر ایک دوسرے کی اعانت کے پوری نہیں کر سکتے اسی طرح امور خانہ داری اور معاشرت دنیاوی میں بھی دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ایسا گھر جو معاشرت انسانی کے لئے مناسب ہو نہ تنہا مرد سے نہ اکیلی عورت سے بن سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ط	عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا۔ عورتوں پر مردوں
لھن مثل الذی علیھن بالمعروف	کے جو حقوق ہیں اُسی قسم کے عورتوں کے حقوق مردوں

اور اس میں کوئی شک کیا جا سکتا کہ عورت اسی مادے پر تصرف کرتی ہے جو مرد بہم پہنچاتا ہے اور اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مرد عورت کی زندگی کا کفیل ہے اور اِس شرعی اور فطری اصول پر ہر جگہ ہر ملک اور ہر قوم میں عورت کا نان و نفقہ مرد سے دلایا جاتا ہے۔ اِس لئے کہ مرد پر اس کا ضروری اور مسلّمہ حق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ دوسری حیثیت سے مرد بھی عورت کا محتاج ہے کیونکہ بغیر عورت اس کے اغراض معاشرت بھی پورے نہیں ہوتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد عورت کا کفیل ہے یہ نہیں فرمایا کہ مرد عورت سے افضل ہے۔

قرابت کے تعلقات کے جو مدارج ہیں اُن میں بھی مرد و عورت ایک ہی درجہ پر ہیں مثلاً ماں باپ کا ایک درجہ ہے بہن بھائی کی ایک محبت ہے۔ چچا اور پھوپی کا یکساں رتبہ ہے جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے:۔

و بالوالدین احسانا و ما یبلغن عندك	اور ماں باپ سے نیکی کرنا اور جو کوئی ان دونوں میں
الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما	سے یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو نہ جھڑک اُن کو اُف
اُفٍّ ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما و	نہ ڈانٹ تبا اور اُن سے ادب کی بات کر اور اُن
اخفض لھما جناح الذل من الرحمة و	کے آگے پیار سے عاجزی کے کندھے جھکائے
قل رب ارحمھما کما ربینی صغیراً ط	اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت کر جس طرح ان دونوں

بلکہ ماں کے حقوق کو زیادہ زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) ماں نے اُسکو پیٹ میں تکلیف کیساتھ رکھا اور تکلیف سے جنا

الغرض عورت اور مرد کے حقوق میں بجز تقسیم وراثت کے کہ جس کی تعیم اصول اشتراکیت کی رو سے من حیث القوم عمل میں آئی جملہ باتوں میں عورت اور مرد میں مساوات قائم رکھی اور کسی کو کسی پر بیجا برتری اور تفوق نہیں دیا۔

وللرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء	مرد جو کمائیں وہ اُن کا ہے اور عورتیں جو کمائیں وہ
نصیب مما اکتسبن ط للرجال نصیب مما	اُن کا۔ باپ ماں اور رشتہ داروں کی وراثت میں

ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون

مردوں کا حصہ ہے اور اسی طرح باپ ماں اور رشتہ داروں کی وراثت میں عورت کا حصہ ہے۔

جاہلیت کی رسوم قبیحہ کا استیصال

اِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس جرم پر قتل کی گئی۔

ان الفاظ سے دخترکشی کی رسم کو مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ چودہ سو برس سے آج تک مسلمانوں میں ایک واقعہ بھی وجود میں نہ آیا۔ بلکہ اسلام کی اس خوبی کو دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اختیار کر چکے ہیں اور دخترکشی کی رسم کو چھوڑ دیا ہے۔

طلوع اسلام سے پہلے عربوں میں "ظہار" کرنے کی عادت قبیحہ جاری تھی۔ یہ ایک قسم کی طلاق تھی۔ مرد غصے میں آکر بی بی سے کہہ دیتا تھا کہ تو میری ماں کی جگہ ہے یا تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی جگہ ہے اتنا کہہ دینے سے میاں بیوی میں جدائی ہو جاتی تھی۔ اس کو اصطلاح شرع میں ظہار کہتے ہیں جو نکلا ہے ظہر سے جس کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ اسلام نے ظہار کا طلاق ہونا تسلیم نہیں کیا مگر ہاں ایسی لغو بات کے انسداد کے لئے کفارہ ٹھیرا دیا۔

الذین یظہرون منکم من نسائہم ما ہن امہتہم ان امہتہم الا الئی ولدنہم وانہم لیقولون منکراً من القول وزوراً وان اللہ لعفو غفور ط والذین یظہرون من نسائہم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذٰلکم توعظون بہ ط فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین من قبل

جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں کے ساتھ ظہار کر بیٹھیں وہ ان کی مائیں (تو ہیں) نہیں اُنکی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے مگر ہاں بی بی کو ماں کہہ بیٹھنے سے اُنھوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات کہی اور بیشک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اور پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے

ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ه — سے پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہئے۔ تم کو یہ نصیحت کی جاتی ہے (کہ تم اس پر کاربند رہو) پھر جسے یہ میسّر نہ ہو وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) لگاتار دو مہینے تک روزے رکھے اور جس سے یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اُس کے اعزا اُس کی عورت پر کوئی چادر وغیرہ رسماً ڈال دیتے اور اپنے آپ کو اُس عورت کا وارث و مختار سمجھتے پھر اگر چاہتے تو خود اُس سے نکاح کر لیتے اور مہر وغیرہ کچھ نہ دیتے یا کسی اور سے نکاح کر دیتے اور وہ جس قدر مہر دیتا خود لے لیتے۔ ہاں اگر وہ عورت کپڑا ڈالنے سے پہلے اپنے میکے چلی جاتی تو پھر وہ خود مختار تھی اور ان لوگوں کا اُس پر کچھ اختیار نہ چلتا کبھی ایسا بھی کرتے کہ نہ تو خود اس سے نکاح کرتے نہ کسی دوسرے سے نکاح کرنے دیتے بلکہ اُس بیچاری کو یوں ہی روک رکھتے۔ جب وہ مرجاتی تو اُس کا سب مال و متاع لے لیتے۔ چنانچہ ابوقیس ابن سلت کا جب انتقال ہوا تو اُن کا بیٹا اُن کی بیوہ بیوی کی طرف کپڑا ڈالنے کی غرض سے جھکا لیکن وہ فوراً وہاں سے علیحدہ ہو کر حضرت نبی کریم صلعم کے حضور میں حاضر ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے بڑا ظلم ہے کہ نہ میں شوہر کی وارث بنائی گئی نہ میرا پیچھا چھوڑا جاتا ہے کہ میں کسی اور سے نکاح کر لوں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (ابو سعود درمنثور)

یاایها الذین اٰمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النسآء کرها ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض مآ اٰتیتموهن الآ ان یاتین بفاحشة وعاشروهن بالمعروف — اے ایمان والو تمھیں کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اپنے متوفی مورث کی عورتوں کے زبردستی وارث بنجاؤ (اور نہ تم کو یہ اختیار ہے کہ اُن کو کسی اور سے نکاح کرنے کو) صرف اسلئے منع کرو جو تم نے انھیں دیا ہے اُس کا کچھ حصہ واپس لیلو لیکن اگر وہ آشکارا کوئی برائی

تقسیم وراثت میں عورت کا حصہ

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل — اور تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تم کو حکم کرتا ہے کہ

حظ الانثیین ج فان کن نساء فوق اثنتین
فلهن ثلثا ما ترك ج وان كانت واحدة
فلها النصف ط ولابويه لكل واحد
منهما السدس مما ترك ان كان له
ولد ج فان لم يكن له ولد وورثه
ابواه فلامه الثلث فان كان له
اخوة فلامه السدس من بعد
وصية يوصي بها او دين
ولكم نصف ما ترك ازواجكم ان لم
يكن لهن ولد ج فان كان لهن ولد
فلكم الربع مما تركن من بعد وصية
يوصين بها او دين ط ولهن الربع مما
تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان
لكم ولد فلهن مما تركتم من بعد وصية
توصون بها او دين ہ
ان امرؤا هلك ليس له ولد وله اخت
فلها نصف ما ترك وهو يرثها ان لم يكن
لها ولد ط فان كانتا اثنتين فلهما الثلثن
مما ترك وان كانوا اخوة رجال ونساء
فللذكر مثل حظ الانثيين

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے اور اگر متوفی کی
صرف دو لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو اُن کو مال متروکہ
کی دو تہائی کا استحقاق ہے اور اگر ایک ہی لڑکی
ہو تو مال متروکہ میں سے اُس کے لئے نصف ہے اور
میت کے والدین کو (یعنی اُن میں سے ہر ایک کو)
بحالت اولاد ہونے متوفی کے متروکہ میں سے چھٹا
حصہ اور اگر متوفی لاولد ہے اور صرف والدین وارث
ہیں تو اُسکی ماں کو ایک تہائی اور اگر متوفی کے کئی بھائی
ہیں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے یہ تقسیم متوفی کی وصیت اور ادائے قرضہ کے بعد قابل عمل ہے)
اور تمکو اس مال کا نصف ملیگا جو تمہاری بیویاں چھوڑ مریں
بشرطیکہ اُنکے کوئی اولاد نہ ہو (نہ تمہارے نطفہ سے نہ کسی
اور شوہر سے) اور اگر اُنکے اولاد ہو تو متوفیہ کی وصیت
اور ادائے قرضہ کے بعد تمہارا حصہ ایک چوتھائی ہے
اور جو مال تم چھوڑ مرو اُس میں سے تمہاری بیویوں کو
ایک چوتھائی کا استحقاق ہے بشرطیکہ تمہارے کوئی اولاد
نہ ہو بصورت اولاد ہونیکے تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہوگا
اللہ کلالہ (جسکی وفات پر اس کے والدین اور اولاد
حیات نہ ہو) کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ وہ مرجائے
اور اُس کے کوئی اولاد نہ ہو ایک بہن ہو تو بہن
کو اُسکے متروکہ میں سے نصف ملیگا اور اگر عورت
مرجائے اور اس کا صرف ایک بھائی ہو تو وہ کل
متروکہ متوفیہ کا وارث ہوگا بشرطیکہ اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر کسی کی دو بہنیں وارث ہوں
تو اُن دونوں کو اس بھائی کے مال متروکہ سے دو تہائی کا استحقاق ہے) اور وارث کئی ہوں مرد بھی عورتیں بھی
تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر۔ (باقی آئندہ)

اوپر کی آمدنی

(از محترمہ ظفر جہاں بیگم صاحبہ)

میرے مضمون کی سُرخی ایک محاورہ ہے جو "رشوت" جیسے مذموم و مکروہ فعل کے لئے تراشا گیا ہے نام بدل کر اس ذلیل کام کو جائز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور بڑی حد تک اس میں کامیابی بھی ہوگئی ہو بیویاں بڑی بیباکی بلکہ فخر کے ساتھ اپنی سہیلیوں میں بیٹھ کر میاں صاحب کی اس ذلیل اور ناجائز آمدنی کا ذکر فرماتی ہیں۔ مائیں کہیں بیٹوں کا پیغام دیتی ہیں تو جہاں صاحبزادے برخوردار کے اور تمام صفات اور تنخواہ وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے وہیں اُن کی رشوت ستانی کی تعریف بھی اوپر کی آمدنی کے پردے میں فرمائی جاتی ہو اور طرہ یہ کہ اس ذلیل حرکت سے جتنا بھی زیادہ روپیہ آئے اسی قدر زیادہ فخر کے ساتھ اس کا ذکر ہوتا ہو مثلاً کوئی بہن فرماتی ہیں کہ بہن میرے بچے کی تنخواہ کا کیا دیکھنا وہ تو دال روٹی کے لئے بھی مشکل ہی سے کافی ہوتی ہے مگر اللہ رکھے اوپر کی آمدنی اتنی ہے کہ ہزاروں کے وارے کے نیارے ہیں سبحان اللہ کیا تعریف ہوئی۔ مگر رونا آتا ہے مسلمانوں کی زبوں حالی پر کہ اب ان کے اخلاق اس پست اور ضمیر اتنے مُردہ ہوگئے ہیں کہ دین دار اور ملا صفت گھرانوں میں بھی جہاں بچہ بچہ نماز کا پابند ہے اور ڈاڑھی کو استرا لگانا اور ٹخنے سے نیچا پائجامہ پہننا حرام سمجھا جاتا ہے رشوت خواری نہ صرف جائز بلکہ قابل تعریف سمجھی جاتی ہے۔

رشوت ستانی چونکہ مردوں سے زیادہ تعلق رکھتی ہے اس لئے دراصل میرا روئے سخن اُنھیں کی طرف ہونا چاہئے تھا مگر صرف اپنی بہنوں کو مخاطب کر رہی ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کا مستقبل شروع سے ماؤں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہی گھر کی فضا کو بچے کے واسطے موافق یا ناموافق بناتی ہیں۔ بچہ جس بات کی برائی اپنے گھر میں اور خاص کر اپنی ماں کی زبان سے سنتا رہتا ہے مدت العمر اس کے دل پر نقش رہتی ہے۔ اسی طرح جو باتیں اس کے گھر میں اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ بڑے ہونے پر باوجود اُن کو بُرا سمجھنے کے بھی نہیں چھوڑ سکتا میں نے اکثر بڑے شریف گھرانوں کے تعلیم یافتہ لڑکوں کو دیکھا ہے کہ زنان خانے میں بیٹھے ماں بہن یا بھاوج سے

باتیں کر رہے ہیں اور نہایت بیباکی کے ساتھ کوئی فحش گالی بطور تکیہ کلام استعمال فرماتے جاتے ہیں۔ مردانے مکان میں دوستوں میں بیٹھ کر تو جیسی پاکیزہ گفتگو ہوتی ہوگی اس کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ مجھے ایسے موقعوں پر بڑی حیرت ہوئی کہ الہیٰ ان تہذیب و تعلیم یافتہ مردوں کی تہذیب و تعلیم تو ایک طرف شرم و غیرت بھی کدھر اُڑ گئی کہ ماں بہنوں کے سامنے ایسی بیہودہ گفتگو کرتے ہیں مگر ذرا سی دیر میں معلوم ہو گیا کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ والد بزرگوار گھر میں تشریف لائے تو وہ گفتگو میں بھی صاحبزادے بلند اقبال کے والد بزرگوار ہی ثابت ہوئے۔ والدہ محترمہ نے ان کی یا کسی صاحبزادے کی کوئی بات دہرائی تو بلاتکلف وہ مہذب تکیہ کلام بھی دہراتی چلی گئیں۔ اب انصاف کیجئے کہ جس گھر میں تہذیب و اخلاق کے ایسے درخشاں سبق پڑھائے جاتے ہوں اس گھر کے بچے کسی بڑی سے بڑی یونیورسٹی میں تعلیم پا کر بھی کسی طرح مہذب اور باتمیز بن سکتے ہیں؟ اسی طرح جو بچے بچپن سے اوپر کی آمدنی کا ذکر تعریف کے ساتھ سنتے آئینگے ظاہر ہے کہ بڑے ہو کر کسی طرح ان کے دل میں اس کی نفرت نہیں پیدا ہو سکتی۔ اور اس کا نتیجہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے یہ آرہا ہے کہ بہت سے علماء تک دولت دنیا کی ہوس میں دین فروشی تک سے نہیں چوکتے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اسی دولت و جاہ پرستی اور دین و ایمان فروشی کی لعنت نے آج ہمیں اقوام عالم میں ذلیل و رسوا کر رکھا ہے۔ تنخواہ دار لیڈر آپس میں بھائی سے بھائی کو لڑا لڑا کر اپنی روٹیاں سیدھی کر رہے ہیں اور انجام سے بالکل غافل ہیں۔

اور یہ لعنت اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک کہ بچوں کی تربیت سچے اور نیک اصولوں پر نہ کی جائے۔ جب ہم بچے کے سامنے خود رشوت ستانی کی تعریفیں کریں گے اور ہمارے گھروں میں یہ حرام کا پیسہ آئے گا اور چھپے ڈھکے نہیں بلکہ علانیہ اور فخر کے ساتھ تو ہمارے بچے کیونکر برائی بھلائی میں تمیز کر سکینگے حکومت ہزار پابندیاں لگائے اور انسداد رشوت ستانی کا محکمہ قائم کرے لیکن وہ لوگ جن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں کبھی چوکنے والے نہیں جب بھی اور جتنا بھی موقع ملے گا وہ اس گندی دولت سے ضرور ہاتھ رنگیں گے یہ دوسری بات ہے کہ قانون کے خوف اور سزا کے ڈر سے کسی حد تک کمی ضرور ہو جائے گی اور جس طرح آج علانیہ اور فخریہ لی جاتی ہے آیندہ ڈر ڈر کر اور چھپ چھپ کر لی جائیگی مگر مرض کی جڑ اسی وقت کٹے گی جب ایمان پختہ اور ضمیر زندہ ہوگا۔ ہمارا فرض ہے کہ بچپن سے اپنے بچوں کے ننھے معصوم دلوں میں جس

طرح چوری ڈاکہ زنی اور دوسرے اسی قسم کے عیوب کی بُرائی نقش کرتے ہیں بالکل اسی طرح رشوت ستانی کی بُرائی بھی اُن کے ذہن نشین کر دیں اگر خدانخواستہ اسی قسم کی ناجائز آمدنی اپنے گھر میں آتی ہو تو جہاں تک ممکن ہو اُس کو روکنے کی کوشش کریں اور اس میں کامیابی نہ ہو تو کم از کم بچوں کے سامنے تو اُسکا تذکرہ ہرگز ہرگز نہ کریں بلکہ شروع سے یہ بات بچوں کے ذہن نشین کریں کہ ایمان سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں اور جس شخص نے چند ٹکوں اور دنیاوی آسائشوں کے بدلہ اس انمول جوہر کو بیچ ڈالا اُس نے نہایت نقصان کا سودا کیا جس زمانے میں اسلام دنیا میں پھیلا ہے مسلمانوں کے پاس نہ دنیاوی دولت و ثروت تھی نہ سامانِ جنگ تھا۔ صرف ایمان کی قوت تھی کہ جس نے چند سال میں ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور دیکھتے دیکھتے وہ دنیا پر چھا گئے۔ حق و صداقت کے سامنے نہ ان پر روپیے کا جادو اثر کرتا تھا نہ جاہ و شوکت کے وعدے کام آتے تھے نہ دھمکی اُن کو اپنے ارادے سے باز رکھ سکتی تھی نہ نرمی اور خوشامد۔ اور جب تک ان کا ایمان کامل رہا جاہ و اقبال نے اُن کے قدم چومے لیکن جب اُنھوں نے اپنے ذاتی فائدوں کے لالچ میں ایمان کی قربانی شروع کی رحمت خداوندی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور آج دنیا کی ذلیل قوموں میں اُن کا شمار ہونے لگا اور ایمان جیسی دولت کو بیچ کر انھیں سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔

ماؤں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آج کے بچے کل کے باپ ہوں گے اور قوم کا مستقبل انھیں کے ہاتھوں میں ہوگا اگر ان کا کریکٹر اچھا ہوا تو گرتی ہوئی قوم سنبھل جائے گی۔ مردہ دل زندہ ہو جائیں گے نہ کوئی اُن کو ڈرا سکے گا اور نہ کوئی صعوبت ہی اُن کی راہ میں حائل ہو سکے گی آگے بڑھنے کا جوش سب مشکلات کو حل کر دیگا اور انشاء اللہ ہر طرف کامیابی ہی کامیابی نظر آئے گی۔

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے　　تسخیر ہے مقصود تو تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے　　کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق نبتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

لندن و پیرس کی لڑکیاں

(از مُلّا رموزی)

جرمنی کا پڑ گیا پالا جو ناداروں کے ساتھ
کھیلنے نکلا ہے ظالم شعلہ سامانوں کے ساتھ

پیرس و لنڈن کی تہذیبوں کو رنگیں جان کر
یہ سمجھ بیٹھا کہ لڑنا ہے گلستانوں کے ساتھ

وہ سمجھتا ہی نہ تھا اتنا کہ بم اور توپ پر
ٹوٹ کر آئینگے یہ اپنے پرستانوں کے ساتھ

دیکھ لیجے سچ ہی نکلا پیرس و لنڈن سے آج
لڑکیاں لڑنے چلیں خونریز ارمانوں کے ساتھ

جرمنی کی فوج سے اب فوج انگلستان کی
لڑکیاں بھی لڑ رہی ہیں اپنی کپتانوں کے ساتھ

کچھ نہیں تو مردِ میداں ہی کی خدمت کے لئے
لڑکیاں جاتی ہیں امدادی شفاخانوں کے ساتھ

اللہ اللہ پیرس و لندن میں ایسی لڑکیاں
جنکو دلچسپی ہے آتشبار میدانوں کے ساتھ

ایسی عالی حوصلہ اسلام کی کچھ لڑکیاں
یاں بھی آئی تھیں عرب کے کچھ حدی خوانوں کے ساتھ

اک مگر ہندوستاں کے نوجواں ہیں ان دنوں
شمع حسن دلربایانہ کے پروانوں کے ساتھ

ان کی ساری آرزو سمٹی ہوئی ہے آج کل
ریشمی ساڑی کے کچھ چمکیلے دامانوں کے ساتھ

بن سنور کر وجد فرماتے ہیں یہ کچھ شام کو
ریڈیو کی دلربا تانوں کے اور گانوں کے ساتھ

یورپی کھیلوں میں اور تفریح گاہوں میں تمہیں
یوں ملیں گے جیسے دیوانہ ہو دیوانوں کے ساتھ

نام بھی یوں فوج کا تو دم نکل جائے ابھی
گھر تک اپنے جا نہیں سکتے یہ ارمانوں کے ساتھ

میرے شعروں میں ہے تلواروں کی بُرّش اسلئے
تربیت میری ہوئی آزاد افغانوں کے ساتھ

اپنی اُردو بھول کر یہ اچھی انگریزی پڑھی
آپ دانائوں میں ہیں اب ان ناداروں کے ساتھ

ایک دن اخبار میں پڑھ لیجیے گا آپ بھی
ہے رموزی جنگ میں اپنے پرکھانوں کے ساتھ

زود پشیماں

(از محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

باغ جانے کا دن آپہونچا اور دس بجتے بجتے سکینہ بیگم ونجمہ باغ پہونچ گئیں بیگم صاحبہ اپنے مہمانوں سے ایک گھنٹہ قبل ہی باغ آگئی تھیں باغ بہت بڑا خوبصورت موسمی پھلوں اور پھولوں سے لدا ہوا تھا ان دونوں کی پیشوائی کے لئے بی مغلانی اور دو خواصیں باغ کے دروازے پر کھڑی تھیں جو ہاتھوں ہاتھ ان کو لے گئیں بارہ دری کے چبوترہ پر خود بیگم صاحبہ اور حسینہ خیر مقدم کے لئے کھڑی تھیں۔

دونوں نے بہت گرمجوشی سے معانقہ کیا پہلے سب بیگمات نے باغ کی سیر کی پھر حسینہ اور نجمہ نے جھولا جھولا کھانے کے بعد بیگم صاحبہ اور سکینہ بیگم تو قیلولے کے لئے لیٹ گئیں اور حسینہ ونجمہ مولسری کے درخت کے نیچے بیٹھ کر مثنوی میر حسن پڑھنے لگیں۔ نجمہ کو یہ مثنوی بہت پسند آئی تھی۔ اُسنے اس قسم کی کتابیں پہلے نہ دیکھی تھیں۔ شاید اس کو ہمیشہ علمی اخلاقی ومذہبی کتابیں لاکر دیتا تھا۔ پڑھتے پڑھتے حسینہ بولی اے ہے میں اپنی گھڑی پلنگ پر رکھی بھول آئی۔ ابھی لے کر آتی ہوں تم یہیں بیٹھی رہو۔

نجمہ جلدی آجانا بہن کہہ کر پھر مثنوی پڑھنے میں مشغول ہوگئی اور حسینہ ابھی آئی کہتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی چند منٹ بعد نجمہ کے کان میں کسی اور کے گنگنانے کی آواز آئی تو اُس نے نظر اُٹھائی تھوڑے فاصلہ پر آموں کے درختوں کے جھنڈ میں مقبول کھڑا اُسکو شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　　کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نجمہ چند لمحوں کے لئے تو مبہوت ہوگئی لیکن حواس درست ہوتے ہی اُس نے شرما کر آنچل منہ پر لیا اور بارہ دری کی جانب آہوئے وحشی کی مانند بھاگی حسینہ راستہ میں اُس کو مل گئی اور نجمہ کو گھبرائے ہوئے دیکھ کر اُس نے مسکرا کر کہا خیر تو ہے؟ یہ اس قدر سراسیمہ ہوکر کیوں بھاگ آئیں؟ نجمہ کا سانس بدحواسی کے بھاگنے سے

بھول گیا تھا اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔ وہاں ایک موٹا سا بندر آ گیا تھا اس لئے میں بھاگ آئی

حسینہ۔ بڑی ڈرپوک ہو۔

نجمہ۔ ہاں بہن مجھے تو بندروں سے بہت ڈر لگتا ہے۔

حسینہ (ایک معنی خیز نظر نجمہ پر ڈال کر) اور شاید آدمیوں سے بھی۔

بارہ دری میں پہونچکر نجمہ نے ماں سے چلنے کا تقاضہ کیا۔

اور سکینہ بیگم پھر ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئیں۔

لیکن نجمہ کا دل اس اچانک واقعہ اور مقبول کی بیباکی سے شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ اس لئے واپسی کے بعد وہ منہ سر لپیٹ کر لیٹ رہی اور حالات پر غور کرنے لگی۔ قسمت نے اُس کو عجیب واقعات سے دوچار کر دیا تھا۔ زاہدہ نے بات کرنی چاہی تو اُس نے دردسر کا عذر کر دیا۔ باغ سے آئے تین چار دن ہو چکے تھے اور نجمہ باغ والے واقعہ کو دل سے بالکل تو نہیں بھلا سکی تھی۔ ہاں زیادہ خیال اس کا اب نہ رہا تھا کہ یکایک اور معاملہ پیش آیا۔

محمدی نے اُسے مقبول کا خط لا کر دیا۔

یہ خط کیا تھا۔ پوری مثنوی تھی اور اس سارے طویل دفتر کا مطلب یہ تھا کہ اس خط کا جواب اگر نجمہ نے تین دن تک نہیں دیا تو چوتھے روز مقبول زہر کھالے گا۔ سرنامہ پر یہ شعر لکھا تھا۔ ؎

مزا انکار میں کب تک ملے گا　　　قسم ہے ہم زہر کھالیں گے نہیں پر

نجمہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مقبول اس درجہ اس پر فریفتہ ہے کہ جان تک سے ہاتھ دھولیگا۔ یہ خط پڑھکر ناتجربہ کار بھولی نجمہ زرد ہو گئی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ پھر تو تار بندھ گیا۔

رونے سے جب ذرا دل ہلکا ہوا تو پھر واقعات پر غور کرنے لگی۔ چاہا کہ خط کا جواب لکھ دوں لیکن پھر شاہد کی متین اور وجیہہ صورت اُس کے سامنے آ گئی اور اُس نے سر ہلا کر کہا۔ اونھ واہ اچھا زہر کھانا ہوا۔ سچ کہتی تھی زاہدہ مقبول کو ہیرو بننے کا شوق ہے پھر ایک منسوبہ اور غیر کنواری لڑکی پر زہر کھائے دیتے ہیں کھانا ہے تو کھالیں دھمکی کاہے کو دیتے ہیں مجھے بھی کوئی بازاری عورت سمجھا ہے اگر یہ خط اماں جان کے سامنے

رکھ دوں میاں کی قدرت عافیت ہی کھل جائے۔ دماغ اس شخص کا خراب ہو گیا ہے یہ خیال کر کے اُس نے خط چاک کر دیا مگر دل سے اس خیال کو دور نہ کر سکی۔ تمام رات بھی اچھی طرح نیند نہ آئی بُرے بُرے خواب نظر آتے رہے رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا اگر واقعی مقبول نے زہر کھا لیا تو یہ گناہ میری گردن پر ہوگا اور وہ اس خیال سے کانپ جاتی۔ اس فکر میں تین روز گذر گئے۔ چوتھے دن صبح سے ہی اُسے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ دوپہر کو حسینہ کا پرچہ آیا بہن برائے خدا جلدی آؤ ایک ضروری کام ہے۔

بس نجمہ کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا اور وہ خوف سے سفید پڑ گئی۔ ماں سے جا کر کہا اماں مجھے حسینہ بہن نے بلایا ہے۔ آپ کہیں تو چلی جاؤں۔

سکینہ بیگم۔ کیا مضائقہ ہے محمدی کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ اور شام سے پہلے آجانا۔

نجمہ۔ میں ایک گھنٹہ بعد آجاؤں گی۔

سکینہ بیگم۔ (محمدی سے) دیکھو بوا ذرا خیال رکھنا۔

محمدی۔ یہ آپ کے کہنے کی بات ہے مجھے اپنی جان سے زیادہ ننھی بیگم کا خیال ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔

نجمہ نے بعجلت لباس تبدیل کیا اور فٹن میں بیٹھ کر بیرسٹر صاحب کے ہاں جا پہونچیں۔ حسینہ پہلے سے منتظر تھی جھٹ پٹ نجمہ کو اُتروایا۔

نجمہ۔ حسینہ خالہ جان کہاں ہیں؟

حسینہ۔ وہ تو ابا جان کے کسی دوست کی بیوی علیل ہیں۔ صبح کی وہاں عیادت کو گئی ہوئی ہیں اب آتی ہی ہوں گی

نجمہ۔ تم نے مجھ کو کیوں بلایا خیر تو ہے؟ بڑی مشکل سے اماں جان سے اجازت لیکر آئی ہوں۔

حسینہ۔ اطمینان سے بیٹھو تو بتاؤں گی۔

جب دونوں کمرے میں بیٹھیں تو حسینہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بہن میرے تو حواس درست نہیں آج دوپہر کو جو اتفاق سے بھائی جان کے کمرے میں ایک کتاب لینے گئی تو دروازے بند تھے میں نے درار میں سے جھانکا تو دیکھا بھائی جان دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے زار و قطار رو رہے ہیں اور سنکھیا کی پڑیا سامنے رکھی ہے یہ دیکھ کر میرے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی سر چکرا گیا۔ بہت منت سماجت سے خدا کے

واسطے دیکر کھٹکا کھلوایا۔ اور پوچھا یہ کیا بات ہے تو انھوں نے بمشکل کہا حسینہ تمہاری سہیلی کی سنگدلی نے مجھے جان دینے پر مجبور کر دیا ہے وہ مجھ پر رحم نہیں کرتیں اور میں بغیر اُن کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اپنی بیوفا سہیلی کو میرا آخری سلام پہونچا دینا یہ کہہ کر اُنھوں نے پڑیا اُٹھائی تو میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں ابھی بہن نجمہ کو بلاتی ہوں وہ بہت رحمدل ہیں۔ شرافت کے باعث مجبور ہیں لیکن مجھ پر ضرور رحم کھائیں گی۔ رو کر۔ پیاری نجمہ۔ اب انکی زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔

نجمہ۔ متفکرانہ انداز میں۔ حسینہ تم کو معلوم ہے میں لڑکپن سے اپنے چچازاد بھائی سے منسوب ہوں۔ تم اپنے بھائی کو سمجھاؤ خدارا یہ کیا دیوانہ پن ہے وہ کیوں اپنی جان اور ایک شریف لڑکی کی آبرو کے دشمن ہوئے ہیں۔

حسینہ۔ آہ سرد لے کر، یہ سب باتیں تو اُس سے کہی جائیں جو ہوش میں ہو وہ تو جان سے ہاتھ دہوئے بیٹھے ہیں۔ اگر خدانکردہ کچھ ایسی ویسی ہوئی تو پھر میں بھی اپنی جان دونگی اور یہ دو خون تمہاری گردن پر ہونگے

نجمہ۔ قدرے سکوت کے بعد۔ آخر میں کیا کروں ایک شریف کنواری لڑکی کر ہی کیا سکتی ہے اگر میں چاہوں بھی تو بھلا میرے والدین کیوں ماننے لگے میں اپنے بس میں کب ہوں۔ جو تمہاری خوشی کر سکوں۔

حسینہ۔ بہن تم صرف اقرار کر لو پھر میرا ذمہ سب کو رضا مند کر لوں گی۔

نجمہ۔ گھبرا کر۔ حسینہ میں شاہد سے بیوفائی کیسے کروں وہ بھی مجھ بدنصیب کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ بخدا میں سوچتے سوچتے دیوانی ہو جاؤں گی۔

حسینہ۔ دیوانے ہوں تمہارے دشمن نجمہ کے قدموں پر گر کر۔ میرے بھائی جان کی جان بچا لو۔

نجمہ۔ حسینہ کو قدموں سے اُٹھا کر ایں ایں یہ کیا ہوش سنبھالو بہن اچھا میں صرف ایک جان کے بچانے کے لئے ناگوار کو گوارا کرتی ہوں۔ خدا گواہ ہے۔ اسی وجہ نے مجھے مجبور کر دیا تمہاری خوشی کے لئے میں اپنے اوپر جبر کر رہی ہوں۔

حسینہ۔ بلائیں لیکر۔ پیاری نجمہ اتنا کرم اور کرو کہ اپنے قلم سے لکھ دو بھائی جان میرے کہنے کا یقین نہ کرینگے

نجمہ نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے لکھ دیا "حسینہ تمہاری تجویز مجھ کو بسر و چشم منظور ہے" نجمہ

حسینہ پرچہ لے کر گئی اور چند لمحوں کے بعد ہی مسکراتی ہوئی واپس آئی، اور نجمہ کے ہاتھ پر ایک بیش قیمت انگشتری جس میں زمرد کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا ہیرا جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا یہ الفاظ کہتے ہوئے رکھدی یہ بھائی جان نے اپنی نشانی دی ہے۔

نجمہ۔ بہن حسینہ تم نے مجھے مجبور کر دیا اس لئے میں نے اقرار تو کر لیا لیکن کسی عطیہ کو میں اُسوقت تک قبول نہیں کر سکتی جب تک کہ بزرگ اس کا فیصلہ نہ کر لیں میری رضامندی کی وقعت ہی کیا ہے۔ یہ کہہ انگشتری واپس کر نجمہ افسردہ دل اور پریشان حال گھر واپس آگئی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح حسینہ آدھمکی اور کہا اے ہے بہن تم بھی بڑی بھولی ہو معلوم بھی ہر وہ تمہارے شاہد صاحب جن کا تم اتنا کلمہ پڑھتی ہو ماشاء اللہ بڑے رنگین طبیعت ہیں امین آباد کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور اب تو سُنا ہے کہ کالج میں ایک ہندو لڑکی آتی ہے وہ بڑی خوبصورت ہے اُس پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

نجمہ۔ تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟

حسینہ۔ اے بہن میرے بڑے بہنوئی اُسی کالج میں پروفیسر ہیں جس میں شاہد پڑھتے ہیں وہ رات کو آئے تو اُن سے سب معلوم ہوا میں صبح ہی تم کو سنانے دوڑی آئی کہ تم مفت میں اُن کے پیچھے جان ہلکان کر رہی ہو اور اُن کے یہ کرتوت ہیں۔

نجمہ نے اقرار تو کر لیا تھا لیکن اُس کا دل اب بھی شاہد کا کلمہ پڑھ رہا تھا لیکن چالاک حسینہ کی یہ جھوٹی باتیں ہیں جو اُس نے محض جھوٹ اور نجمہ کو پھانسنے کے خاطر کہی تھیں وہ شاہد کی جانب سے بدگمان ہو گئی محبت و بدگمانی کا ساتھ ہے اس نے سوچا جب ہی شاہد تعطیلوں میں بہرائچ نہیں آتے اور لکھنؤ رہتے ہیں۔ وہ رنج کا بھاری پتھر جو شاہد کی محبت کے باعث رکھا ہوا تھا اُس کے دل پر سے ہٹ گیا اُس نے اطمینان کا لمبا سانس کھینچا اور مسرت کی ہلکی سی لہر اُس کے حسین رخساروں پر جو خوف اور پریشانی کے باعث سپید ہو رہے تھے سرخی کا غازہ پھیر گئی۔ حسینہ نے اس تبدیلی کو محسوس کر لیا اُس کا مقصد پورا ہو گیا اور اپنی کامیابی پر خوش تھی نیک طینت شاہد پر جھوٹا الزام رکھ کر وہ واپس گئی، اب کوئی کھٹکا نہ تھا۔ نجمہ پوری طرح دام فریب میں آ چکی تھی۔ اور پرداوں کا راضی کرنا باقی تھا تو وہ

ہمارے ادب کا ماضی و حال

(خان بہادر چوہدری خوشی محمد صاحب ناظر)

لیجئے آپ کے سلسلہ "آفات مغرب" کی ایک اور کڑی حاضر ہے۔ جدید ادب مستعار کے بعض پرستار اس کو ایک دقیانوسی موضوع قرار دینگے۔ زندگی کے "تشائم نظریے" کا میں خود قائل نہیں اور اس کے متفاول اور شگفتہ پہلوؤں کا ذکر زیادہ پسند کرتا ہوں مگر تزکیہ نفس اور روحانی لذات مشرق کی وراثت ہے جس سے ہمارا جدید دق ادب محروم ہو رہا ہے اور عیش پرستی اور ترغیب گناہ کا میلان عام ہو رہا ہے مغربی ادب کا نظریہ یہ ہے کہ ادب زندگی کا آئینہ دار ہونا چاہئے مگر مغرب کی زندگی ہوسناکی اور فسق و عصیاں سے اس قدر لبریز ہو رہی ہے کہ عقد نکاح سے پہلے اولاد پیدا ہو جانا ایک معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے افسوس ہے کہ ہمارا ادب جدید بھی مغرب کا اخلاق سوز اثر قبول کر رہا ہے اور بہت سے صحائف اس کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور ادبی ادارہ سے ایک ماہنامہ گناہ نمبر کے نام سے شائع کیا گیا جس کے سب مضامین کا خلاصہ یہ تھا کہ ع۔ جو گناہ کیجئے ثواب ہے آج

غرض ایسے مضامین سے متاثر ہو کر میں نے ذیل کے چند اشعار لکھے ہیں۔

اک ادب وہ تھا کہ سینوں کو جلا دیتا تھا　　دل کو اک جلوہ گہ طور بنا دیتا تھا

کر دیا آدم خاکی کا مقام اس نے بلند　　رتبہ انساں کا ملائک سے بڑھا دیتا تھا

درس عرفاں کے وہ اک نسخہ روحانی ہے　　نفس امارہ کی سب آگ بجھا دیتا تھا

وہ بھی انساں کی بلندی کا تھا معراج کمال　　قاب توسین کے پردے جو اٹھا دیتا تھا

تھی محبت جو مجازی تو حقیقی محبوب　　راہ کعبہ کی صنم خانہ دکھا دیتا تھا

ایک عالم کے خزائن سے وہ گنجینۂ علم　　جمع کر لیتا تھا اور مفت لٹا دیتا تھا

الغرض تھا وہ دبستان خضر راہ حیات

بھولے بھٹکوں کو رہ راست دکھا دیتا تھا

اک ادب یہ ہے کہ بے راہ چلا دیتا ہے　　اور سر منزل مقصود بھلا دیتا ہے

نہ عزائم کی بلندی نہ مقاصد کا عروج　　زندگی بازیٔ طفلانہ بنا دیتا ہے

اس سے دیوانی جوانی کا ہے بچنا مشکل | یہ تو عاقل کو بھی دیوانہ بنا دیتا ہے
ہر سبق تازہ دبستاں کا ہے ترغیب گناہ | آتش حرص وہوا کو یہ ہوا دیتا ہے
جو صحائف کہ حقائق کا مرقع ہوتے | اِن کو سینما کی تصاویر بنا دیتا ہے
کوئی تصویر برہنہ کوئی افسانۂ عشق | دانہ و دام ہوس کا یہ بچھا دیتا ہے
تازہ فیشن نے نہ ڈاڑھی کوئی چھوڑی ہے نہ مونچھ | شکل مجنوں کی یہ لیلیٰ سے ملا دیتا ہے

شرط ایمان کی تھی پردہ حیا کا لیکن
اب یہ نقال فرنگ اس کو اٹھا دیتا ہے

اشارات

شکر ہے اس خداوند کریم کا جس نے انیس نسواں کو تیسرے سال میں قدم رکھنے دیا۔ یہ محض اسکی رحمت تھی جس نے اپنے لطف و کرم کے ساتھ دوسرا سال ختم کرا دیا۔

انیس نسواں کا معیار اب کافی بلند ہو چکا ہے اس کے مضامین نظم و نثر خاص امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ غرض رسالہ کو ایک ایسا معیاری رنگ نصیب ہو چکا ہے جس کے لئے ہم خداوند کریم کے شکر گذار ہیں۔

تاخیر اشاعت کا ہم کو از حد افسوس ہے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اشاعت وقت پر آجائے۔ دو ماہ کا رسالہ نہایت آسانی سے یکجا ہو سکتا تھا مگر ہم اصولاً خلاف سمجھتے ہیں تاہم اُمید کرتے ہیں کہ اشاعت انشاءاللہ وقت پر جلد آجائے گی۔

مشرق و مغرب کو جنھوں نے اب تک نہیں پڑھا وہ قطعاً نہیں سمجھ سکتے کہ زہرہ کی غلط تربیت کیا رنگ لائی۔ یہ زہرہ کی تربیت ہی تھی جو اپنے خاوند سے علیحدگی کا باعث ہوئی اور کنور پرتاب کیساتھ مرے اڑانے کے لئے مجبور کر دیا۔

صفیہ کی تربیت بھی تو اُسی گھرانے میں ہوئی تھی وہ کیوں سنبھلی رہی۔ اس کی تربیت اور اس کے اخلاق کیا بہار لائے۔ ایک روپیہ میں کتاب منیجر انیس نسواں سے منگوایئے اور داد دیجئے۔

سیدنا حسین علیہ السلام

(مولانا ظفر علیخاں)

تڑپاتی ہے پھر یاد امام الشہدا کی | بیتاب ہے ہر ذرّہ مدینہ کی گلی کا
آنکھوں میں جو آنسو تھے وہ پہلے ہی ہوئے خشک | کیا نوحہ کرے کوئی حسین ابن علی کا
خاک اُڑ گئی کوفہ کی زمانہ کی فضا میں | خوں کر کے محمدؐ کے گلستاں کی کلی کا
معدومیٔ باطل کی ہو مظلومیٔ حق شرح | یہ فیصلہ ہے بارگہِ لم یزلی کا
ہیں زندہ ابھی تک حسنی اور حسینی | لاتی کا پتہ ہے نہ نشاں ہے ہبلی کا
سرمایہ ہے خونِ شہدا روزِ ازل سے | منشور "بل احیاء" کے عنوانِ جلی کا
اللہ کے رستے میں کٹاتے ہیں جو گردن | ضامن ہے وہ خود اُنکی بری اور بھلی کا
ہے معرکۂ کرب و بلا ہند میں بھی گرم | سر دو کہ ملے مرتبہ تم کو بھی ولی کا

رونے میں بھی حکمت ہے مگر وہ نظری ہے
جاں دو کہ یہ قت اُسکی ہے شانِ عملی کا

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انیس نسواں

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دل آویز مخزن

جو

دہلی سے ماہانہ شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معاونین سے دس روپے عام شائقین سے پانچ روپے فی پرچہ آٹھ آنہ ششماہی تین روپے معہ محصولڈاک قسم دوم تین روپے سالانہ

نمبر ۳	فہرست مضامین بابتہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء	جلد ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ کے مطالب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اے مسلمانو! ہم نے مال و متاع دنیا میں سے جو تمھیں دے رکھا ہے اُسے صرف اپنے نفس کے آرام و راحت پر ہی نہیں بلکہ راہ حق میں بھی خرچ کرو۔ ہاتھ نہ روکو قبل اس کے کہ زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے۔ اور آنے والا دن سامنے آجائے اس دن نہ تو دنیا کی طرح خرید و فروخت ہو سکے گی کہ قیمت دیکر نجات خرید لو، نہ کسی کی یاری اور دوستی کام آئے گی کہ اس کے سہارے گناہ بخشوالو، نہ ہی ایسا ہو سکے گا کہ کسی کی بھی سفارش سے کام نکال لیا جائے۔ اس دن صرف عمل کی ہی پرسش ہوگی۔ اور یاد رکھو جو لوگ اس حقیقت سے منکر ہیں یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

آیتہ الکرسی

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لئے فنا اور زوال نہیں۔ ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے۔ وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ اس کی آنکھ کے لئے نہ اونگھ ہے نہ اس کے دماغ کے لئے نیند۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے حکم سے ہے کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے پیچھے ہے وہ بھی اسکے علم سے باہر نہیں۔ انسان اس کے علم میں سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ مگر یہ کہ جتنی بات کا وہ دینا چاہے اور دیدے۔ اس کا تحت حکومت آسمان اور زمین کی تمام وسعت پر چھایا ہوا ہے اور اُن کی نگرانی اور حفاظت کے لئے اُسے کوئی تھکاوٹ نہیں۔

اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے۔

دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں۔ بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہوگئی ہے اوراب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں۔ پھر جو کوئی طاغوت سے انکار کرے یعنی سرکشی اور فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے۔ اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے فلاح وسعادت کی مضبوط شاخ پکڑلی۔ یہ شاخ ٹوٹنے والی نہیں جس کے ہاتھ آگئی وہ گرنے سے محفوظ ہوگیا اور یاد رکھو اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ انھیں ہر طرح کی تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو اُن کے مددگار سرکش اور مفسد ہیں وہ انھیں روشنی سے نکالتے اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔ ہمیشہ عذاب جہنم میں رہنے والا۔

اے پیغمبر! کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی۔ تو اس لئے حجت کی تھی خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی (یعنی تاج وتخت شاہی نے اِس کے اندر ایسا غرور پیدا کردیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا تھا) جب ابراہیم نے کہا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو مخلوقات کو جلاتا ہے اور مارتا ہے، تو اُس نے جواب میں کہا، جلانے اور مارنے والا تو میں ہوں (جسے چاہوں ہلاک کردوں جسے چاہوں بخش دوں) اس پر ابراہیم نے کہا اچھا اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے۔ تم پچھم سے نکال کر دکھاؤ۔ (تاکہ معلوم ہو جائے تمھیں کائناتِ خلقت میں طاقت وتصرف حاصل ہے) یہ جواب سن کر بادشاہ جس نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا ہکا بکا ہو کر رہ گیا (اور ابراہیم کے خلاف کچھ نہ کرسکا) اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں پر کامیابی وفلاح کی راہ نہیں کھولتا۔

اور پھر اسی طرح اس شخص کی حالت پر بھی غور کرو جو ایک ایسی بستی پر سے گذرا تھا جس کے مکان کی چھتیں گرچکی تھیں اور گری ہوئی چھتوں پر در و دیوار کا ڈھیر تھا (یہ حال دیکھ کر) وہ بول اُٹھا اور جس بستی کی ویرانی کا یہ حال ہے، کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ اسے موت کے بعد (دوبارہ) زندہ کردے، (یعنی دوبارہ

آباد کر دے) پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے اس شخص پر سو برس تک موت طاری کر دی۔ پھر اس حالت سے اُسے اٹھا دیا اور پوچھا، کتنی دیر اس حالت میں رہے؟ عرض کیا، ایک دن تک، یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ ارشاد ہوا نہیں، بلکہ سو برس تک۔ پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو۔ ان میں برسوں تک پڑے رہنے کی کوئی علامت نہیں (یعنی اُن میں کوئی ایسا تغیر نہیں ہوا ہے جس سے معلوم ہو کہ بڑی مدت ان پر گزر چکی ہے) اور (اپنی سواری کے) گدھے پر بھی نظر ڈالو (کہ وہ کس حالت میں ہے) اور (یہ جو کچھ کیا گیا، سو) اس لئے کیا گیا تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے لئے (حق کی) ایک نشانی ٹھہرائیں (اور تمہارا علم ان کے لئے یقین و بصیرت کا ذریعہ ہو) اور پھر (ڈھانچے) پر گوشت (کا غلاف) چڑھا دیتے ہیں (کہ ایک مکمل اور متشکل ہستی ظہور میں آجاتی ہے) پس جب اُس شخص پر یہ حقیقت کھل گئی تو وہ بول اُٹھا۔ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں، بلاشبہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

اور پھر دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے کہا تھا۔ "اے پروردگار! مجھے دکھلا دے۔ کس طرح تو مردوں کو زندہ کر دے گا؟ اللہ نے فرمایا۔ "کیا تمھیں اس کا یقین نہیں؟" عرض کیا۔ "ضرور ہے لیکن یہ اس لئے چاہتا ہوں، تاکہ میرے دل کو قرار آجائے (یعنی تیری قدرت پر تو یقین و ایمان ہے، اس پر ارشاد الٰہی ہوا، اچھا یوں کرو کہ پرندوں میں سے چار جانور پکڑ لو، اور ان کی صورت پہچان لو۔ اور ان کی بوٹی بوٹی کر ڈالو پھر ایک ایک پہاڑی پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر اُن کو بلاؤ تو وہ (آپ سے آپ) تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے (یہ نمونہ قدرت دیکھو اور جانے رہو کہ اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کی خیرات کی مثال اس بیج کے دانے کی سی ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے (جب بویا گیا تھا تو صرف ایک دانہ تھا۔ لیکن جب بار آور ہوا تو) ایک دانہ سے سات بالیں پیدا ہو گئیں، اور ہر بال میں سو دانے نکل آئے (یعنی خرچ کیا ایک اور بدلہ میں ملے سینکڑوں!) اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کئے پیچھے (کسی طرح کا) احسان نہیں جتاتے اور نہ (لینے والے کو کسی طرح کی) ایذا دیتے ہیں اُن کو اُن کے دیئے کا ثواب اُن کے پروردگار کے ہاں ملیگا اور (آخرت میں) نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح پر) آزردہ خاطر ہوں گے نرمی سے جواب دیدینا۔ اور سائل کے اصرار سے درگذر کرنا اس خیرات سے بہت بہتر ہے جس کے (دیئے) پیچھے (سائل کو کسی طرح کی) ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز (اور) بردبار ہے۔

مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور (سائل کو) ایذا دینے سے اُس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتا۔ تو اس کی (خیرات کی) مثال چٹان کی سی ہے کہ اس پر (کچھ تھوڑی سی مٹی (پڑی) ہے پھر اس پر برسا زور کا مینھ اور اس کو سپاٹ کر کے بہا گیا) گیا (اسی طرح قیامت میں) ریاکاروں کو اُس (خیرات) میں سے جو اُنھوں نے کی تھی کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا۔ اور اللہ اُن لوگوں کو جو (نعمت کی) ناشکری کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا اور جو لوگ خدا کی رضاجوئی کے لئے اور اپنی نیت ثابت رکھ کر اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہے۔ جو اونچے پر (واقع) ہے۔ اُس پر پڑا زور کا مینھ تو وہ اپنا دوچند پھل لایا اور اگر اس پر زور کا مینھ نہ (بھی) پڑا تو اس کے لئے شبنم ہی کافی ہے اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ (اُس کو) دیکھ رہا ہے۔ بھلا تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند کرے گا کہ کھجوروں اور انگوروں سے بھرا ہوا ایک باغ ہو اس کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہیں ہر طرح کے پھل اس کو وہاں میسر اور بڑھاپے نے اس کو آ لیا اور اس کے (چھوٹے چھوٹے) ناتواں بچے ہیں اب اُس (باغ) پر چلا ایک بگولا جس میں (بھری) تھی آگ تو (باغ) جل بھن کر رہ گیا۔ اسی طرح اللہ (اپنے) احکام کھول کھول کر تم لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

مُسلمانو! (خدا کی راہ میں) عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو تم نے (تجارت وغیرہ سے) آپ کمائی ہوئی تو اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا۔

مُنکرِ وحی سے خطاب

(از جناب ماہرالقادری صاحب)

صفاتِ حق کو صفاتِ بشر سے کیا نسبت　　زلال ساں کو آبِ گہر سے کیا نسبت
نبی کو شہد کی مکھی کا ہمنوا نہ سمجھ　　سوادِ شام کو نورِ سحر سے کیا نسبت
فضائے قدس پہ اس دہر کا قیاس نہ کر　　حریم عرش کو محراب و در سے کیا نسبت
اگرچہ بادِ بہاری کا فیض ہے یکساں　　گیاہ خشک کو گلہائے تر سے کیا نسبت
تو دیکھتا ہے ہر ایک شئے کو مادّہ بنکر　　تری نگاہ کو میری نظر سے کیا نسبت
فضائے دشت کو رنگِ چمن سے کیا نسبت　　ذلیل خس کو گل یاسمن سے کیا نسبت
بغیر نطق بھی ممکن ہے گفتگو و پیام　　کلام حق کو زبان و دہن سے کیا نسبت
جس انجمن میں چراغ یقیں فروزاں ہے　　ترے خیال کو اس انجمن سے کیا نسبت
حدیثِ دین کو بازیچۂ ادب نہ بنا　　کلام حق کو دلی جوش کا سبب نہ بنا
دلیل و عقل سے افکار کے صنم نہ تراش　　ہوائے نفس کی لذت کو اپنا رب نہ بنا
ادب کی آڑ میں دے کر پیام گمراہی　　تمام دہر کو بوجہل و بولہب نہ بنا
تری خرد نے یقیناً فریب کھایا ہے　　کلامِ حق کو کلام بشر سمجھتا ہے
ترے ضمیر کو لذت نہیں یقیں کی نصیب　　نگاہِ غیر سے قرآں کو تونے دیکھا ہے
سکونِ قلب کا "ایمانِ غیب" پر ہی مدار　　کلام و فلسفہ یہ سب خرد کا دھوکا ہے

محمدِ عربی کی پیمبری کی قسم
تجھے خبر ہی نہیں ہے پیمبری کیا ہے

شریف زادیوں کا ناچ

۵ ار ستمبر ۱۹۴۰ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال میں سنگیت سمیلن کی طرف سے رقص و موسیقی کا ایک عظیم الشان مظاہرہ ہوا ہجوم کا یہ عالم تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ پروگرام میں شریف زادیوں کا رقص بھی شامل تھا، اس لئے نوجوان طبقہ نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس مظاہرہ میں حصہ لیا۔

موسیقی کا مظاہرہ ہوا۔ ایک صاحب نے پکے راگ گائے لیکن نوجوانوں نے تالیاں بجا کر ان کو پریشان کر دیا۔ اس کے بعد سازندوں نے ساز ملائے اور ایک صاحبزادی لچکے گوٹے کی پشواز پہن کر اسٹیج پر اٹھلاتی ہوئی آئیں۔ ان کی آمد کے ساتھ ہی ہال سیٹیوں اور تالیوں سے گونج اٹھا۔ صاحبزادی نے نہ صرف پشواز پہنی تھی بلکہ تھیٹر اور فلم ایکٹرسوں کی طرح اپنے چہرہ کو غازہ اور سرخی سے اور زیادہ دلفریب بنانے کی کوشش کی تھی اُنھوں نے اسٹیج پر ہزاروں مردوں کے سامنے اپنے ناچ کے خوب خوب کمالات دکھائے اور جسم کے وہ حصے جن کو عریاں کرنا اب تک شریف زادیوں کے لئے موت کے مترادف تھا اُن کی خوب خوب نمائش کی۔ کچھ دیر تک طبلہ کی تھاپ پر مٹکنے اور تھرکنے یعنی مغرب زدوں کے خیال کے مطابق آرٹ کے بہترین نمونے دکھانے کے بعد جب وہ واپس چلی گئیں، تو ایک صاحب پھر موسیقی کے کمالات دکھانے آئے۔ لیکن حاضرین نے اُن کو اس کا موقعہ ہی نہ دیا، اور پھر رقص کی فرمائش کی۔ مجبوراً دوسری صاحبزادی صاحبہ سنور کر اسٹیج پر آئیں (رسالہ حریم لکھنؤ۔ اکتوبر نمبر ۱۹۴۰ء)

اقتباس ایک زنانہ رسالہ سے ہے مضمون ایک خاتون کے قلم سے ہے پورا مضمون بہت طویل ہے، دل پر جبر کرکے کچھ سطریں تو اور پڑھ ہی لیجئے:-

"بعض لڑکیوں کو حاضرین نے دو دو چار چار بار نچوایا اور ان کے تھک جانے کے بعد بھی برابر فرمائش ہوتی رہی۔ جس وقت یہ شریف زادیاں ہزاروں مردوں کے سامنے بے حجابانہ نیم عریاں لباس پہن کے اپنے جسموں کی نمائش کر رہی تھیں، اور تھرک تھرک کر بھاؤ بتا رہی تھیں، اُس وقت ہزاروں

نوجوان اُن پر آوازے کس رہے تھے اور ان لڑکیوں کے والدین دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ اُن کی ہونہار صاحبزادیاں آج ہزاروں نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔

اس مظاہرہ میں قوم کے مقتدر لیڈروں اور با اثر متمول خاندان کی لڑکیوں نے شرکت کی، اور آرٹ کے نام سے جس شرمناک طریقہ پر اپنے حسن و جمال کے مظاہرہ کئے۔ اُن کے پیش نظر اب غیرت مند والدین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اگر یہ وبا عام ہو گئی تو وہ اپنی لڑکیوں کو اس نصابی اور نام نہاد تعلیمی لعنت سے کس طرح محفوظ رکھ سکیں گے؛

(صدق)

مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھُل کھُل کر بیٹھو۔ تو کھُل بیٹھا کرو۔ کہ خدا تم کو بہشت میں بافراغت جگہ دے گا۔

اور جب تم سے کہا جائے کہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہو تو دوسری جگہ جا بیٹھا کرو۔ اور تم لوگوں میں سے جو پورا پورا ایمان لائے ہیں اور جن کو علم مجلس دیا گیا ہے اور وہ آداب مجلس ملحوظ بھی رکھتے ہیں اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو سب خبر ہے۔

مسلمانو! جب تم کو پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنی ہو تو کان میں عرض مطلب کرنے سے پہلے کچھ خیرات لاکر آگے رکھ دیا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور دلوں کی صفائی میں اس کو بڑا دخل ہے پھر اگر تم کو خیرات کا مقدور نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مسلمانو! کیا تم یہ حکم سن کر ڈر گئے کہ (رسولؐ کے) کان میں بات کہنے سے پہلے کچھ خیرات لاکر رکھ دیا کرو۔ تو جس صورت میں تم اس حکم کی تعمیل نہ کر سکے اور خدا نے تمہارا یہ قصور معاف بھی کر دیا تو تم نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو سب خبر ہے۔

مجادلہ

تہذیب حاضر

(علامہ اقبال مرحوم)

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں — بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی

کیا ذرہ کو جگنو دیکے تاب مستعار اس نے — کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرما کی

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے — یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی یہ بیباکی

تغیر آگیا ایسا تدبر میں تخیل میں — ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن — مناظر دلکشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا — رقابت خود فروشی ناشکیبائی ہوسناکی

فروغ شمع نو سے بزم مسلم جگمگا اٹھی — مگر کہتی ہے میری پروانوں سے میری کہنہ ادراکی

تو اے پروانہ ایں گرمی ز شمع محفلے داری

چو من در آتش خود سوز اگر سوز دلے داری

محکومیتِ نسواں

(محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ)

آزادیٔ نسواں پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اس لئے ہی میں نے محکومیتِ نسواں کے موضوع پر قلم اٹھائی میں پہلے ہی عرض کرچکی ہوں کہ میرے اس دعوے کے ثبوت کا بار میری گردن پر ہے اور اس سے کسی کا گلہ مقصود نہیں۔ بلکہ حقیقت بیان کی ہے اور حقیقت ذرا کڑوی ہی لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ایک محترم بھائی صاحب بگڑ بیٹھے۔ بڑے مزے کی بات ہے۔ جہاں عورتوں کے متعلق ذکر آیا اور خدا اور مذہب سب یاد آگئے۔ لیکن مرد جس کو ہندوستان میں قادر مطلق کا درجہ حاصل ہے۔ نہ سماج کی پرواہ کرتا ہے نہ خدا کی اور نہ مذہب کی پابندی اس پر لازمی ہے میں نے تو ایک چلتی ہوئی بات کہہ دی تھی کہ محکومیت نسواں ایک انگریز فلسفی کی کتاب سہی لیکن وہ ہندوستانی مسلمان عورت کی زندگی کا آئینہ ہے اس لئے لکھی پڑھی بہنوں کو اس کو ضرور دیکھنا چاہئے۔ لیکن فاضل مضمون نگار اس بات پر اڑ گئے کہ میرا نظریہ ہی بالکل غلط ثابت کردیں

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

لہٰذا اب دل تھام کے بیٹھئے لطف یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار نے مضمون پورا ہونے سے قبل ہی پند و نصائح کا دفتر کھول دیا۔ غالباً ان پر یہ خوف غالب ہوگیا کہ میری یہ گمراہ کن تحریریں سب عورتوں کو مخالفت پر آمادہ نہ کردے اور قبل از وقت وہ پیش بندی کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ خیر مجھے اس پر اعتراض نہیں، پر انسان خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اپنے کو معصوم اور نیک ہی سمجھتا ہے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو نظر نہیں آتا۔ دوسروں کی آنکھ میں تنکا بھی دیکھ لیا جاتا ہے۔

لیکن یہ تو ہمارے محترم بھائی مان لیں گے کہ ہم بیچاری ناقص العقل عورتیں (بقول ان کے) اگر سطحی اور نظر فریب باتوں سے متاثر ہوجائیں تو اس کو پیدائشی حماقت کا سبب سمجھئے۔ لیکن یہ عقلمند و مدبر مرد ان مغربی تیتریوں پر ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ بیچاری اپنی پردہ نشین محبت شعار نیک طینت بیویوں

کو بھول کر دین و ایمان نثار مغرب کر آتے ہیں۔ فاضل مضمون نگار فرمائیں گے کہ یہ چند بیدین اور نامعقول قسم کے بہکے ہوئے نوجوان کرتے ہیں۔ ورنہ اچھے معقول پابند مذہب لوگ ایسا نہیں کرتے۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرا ایک ریش دراز بزرگ جو اسلام کا ایک ستون سمجھے جاتے تھے لندن گئے تو مذہبی وقار عمر کا لحاظ سب بھول کر وہاں کی ایک کافر ادا کو لے آئے اور بڑے فخر و ناز سے فرماتے تھے کہ اس بی بی کے پاؤں کے نیچے میری جنت ہے حالانکہ وہ نیک بخت بیوی جنت تھوڑے عرصہ بعد اپنے بزرگوار شوہر کو چھوڑ کر چلدیں ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حال ہی میں پنجاب کے ایک مشہور شاعر جو مخصوص ادبی شہرت کے مالک ہیں سلیقہ شعار نیک طینت بیوی کے ہوتے ساتے سیر یورپ کو جو گئے تو ایک میم صاحبہ کو لے آئے۔

اسی پر ہمارے محترم بھائی فرماتے ہیں کہ عورتیں متأثر ہوتی ہیں

چہ دلاورست وزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ ہی خدا لگتی کہئے کہ یہ کہاں تک سچ ہے۔

یہ تو تھی تمہید اب نفسِ مضمون پر آئیے۔ انیس نسواں بیشک مسلمان عورت کو مسلمان عورت بنانے کا مشن لے کر اُٹھا ہے۔ اس لئے ہی اس میں "محکومیت نسواں" جیسے اہم مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ مل بذات خود کیسا تھا۔ اس کا چال چلن اُس کے اخلاق و عادات کے جانچنے کا ہم کو ہرگز حق نہیں ہے۔ کوئی مصنف بھی اپنی زندگی کے حقائق صفحۂ قرطاس پر نہیں رکھ دیتا۔ اُن کی تصانیف کو اُن کی زندگی سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ یہ باتیں تو مذہبی پیشواؤں میں دیکھی جاتی ہیں یہ تو زمانے کا دستور ہے ایک کو دوسرا جھٹلاتا ہے۔ اہل کمال میں باہم چشمک ہوتی ہے ایک محقق کے نظریہ کو دوسرا محقق غلط ثابت کر دیتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان اپنی عقل سے مشورہ لینے کی بجائے آنکھ بند کر کے دوسروں کے کہنے پر یقین کرلے۔ لڈوسی کے کہنے سے مل کا نظریہ غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لڈوسی نے اپنے ملک کے موجودہ تہذیبی اور معاشرتی دور کے نقطۂ نظر سے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا تو یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن ہندوستان جنت نشان

میں تو غریب عورتوں کی یہی دُرگت بنی رہی ہے فاضل مضمون نگار کا اعتراض ہے کہ میں نے مل کے نظریات کو تازہ ترین سمجھا ہے۔ لیکن انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ میں نے مل کا سن ولادت و وفات لکھ دیا ہے۔ پھر یہ فاش غلطی کیسے ممکن ہے ؟ مغرب کی دنیا آگے بڑھ چکی ہے لیکن یہاں سوال مشرق بلکہ ہندوستان ہے مغرب کی عورتوں کا تو میں نے ذکر نہیں کیا۔ لطف تو یہی ہے کہ مغرب کے ایک فلسفی نے جو اسّی سال قبل انگلستان کی حالت لکھی تھی جب وہاں پستی اور تنزل تھا وہ حالت اب ہندوستانی مسلمان عورتوں کی ہے۔ آگے چلکر جو وہ فرماتے ہیں وہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ میں نے لکھا تھا (جو ہندوستان خصوصًا ہندستانی مسلمانوں) لیکن کتابت کی غلطی سے ایک لفظ رہ گیا۔ اس لئے فاضل مضمون نگار نے سمجھا کہ میں تمام عالم کے مسلمانوں کے لئے ایسا کہہ رہی ہوں۔

انگلستان کا ذکر چھوڑیئے۔ ہمیں اوروں سے واسطہ نہیں اپنے گھر میں جو آگ لگی ہے پہلے اُس کے بجھانے کی فکر کیجئے۔ اسلام نے تو بیشک عورت کو حقوق عطا کئے اور عورت کی قدر و منزلت کی۔ یہی وجہ تھی کہ فرزندان اسلام نے ایک عالم کو زیرنگیں کر لیا۔ قرطبہ بغداد کی درسگاہیں عورت و مرد کے لئے یکساں کھلی ہوئی تھیں۔ جنگ میں ایک جانب خالد سیف اسلام تھے تو دوسری جانب خولہ جیسی شیر دل خاتون بھی موجود تھیں۔ جریر جیسا مشہور شاعر اپنا زعب تھا تو حُسنا کی آتش زبانی بھی ضرب المثل ہوکر رہ گئی تھی۔ جب تک مسلمانوں نے عورت کے حقوق کو پہچانا اُس کو محکوم بنانے کے بجائے اپنا ہم پلہ اور شریک کار سمجھا اور عورت رزم و بزم میں جب تک جلوہ گر رہی۔ مسلمان ممتاز رہے سربلند رہے۔

لیکن افسوس انانیت اور خود غرضی نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ ہادیٔ عالم کا فرمان وہ بھلا بیٹھے کاش وہ یہ یاد رکھتے کہ پیشوائے دوعالم نے فرمایا تھا۔ لوگو ! مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں خوشبو، عورت، نماز، موجودہ زمانے میں کتنے مسلمان ان مبارک الفاظ کا خیال رکھتے ہیں، یہ فاضل مضمون نگار ثابت کردیں۔

عورتوں کی موجودہ آزادی کوئی دل خوش کن چیز نہیں ہے۔ عورت غریب اب بھی مقید ہے سماجی پھندوں نے اُس کی زندگی اب بھی دشوار کر رکھی ہے۔ عورت کی بے حجابی اندھا دھند تقلید

مغرب کا مواخذہ بھی ہوگا تو یقیناً مرد سے ۔ خدا اتنا ظالم نہیں کہ ایک کے قصور کی سزا دوسرے کو دے۔

غریب مُسلمان عورتیں دیکھ رہی ہیں کہ اُن کے تعلیم یافتہ فیشن ایبل شوہر حسنِ مغرب پر فدا اور تہذیب مغرب کی کرشمہ سازیوں کے فریفتہ ہیں تو پھر وہ کیوں نہ ان مغرب زدہ مردوں کو محفوظ رکھنے کے لئے خود کو بھی ویسا ہی بنالیں۔ مرد کی عشرت پسند طبیعت نے شریف بہو بیٹیوں کو جن کا جمال چشمِ فلک نے نہ دیکھا تھا اسٹیج پر لا کھڑا کیا، قصور کس کا ہے ؟

صدہا سال کی محکومیت نے عورتوں کے دل و دماغ پر ایسی غلامی کی مہر لگائی ہے کہ مردوں کی ہر ناگوار بات کو وہ گوارا کرلیتی ہیں۔

مثال کے طور پر عرض کرتی ہوں کلکتہ میں ایک بہت پردہ دار گھرانے کی لڑکی ایک بگڑے دل صاحب بہادر سے بیاہی گئی۔ غریب نے کنوارپنے میں گھر کی چار دیواری میں رہ کر اطاعت ہی کرنی سیکھی تھی شادی کے وقت بھی والدین نے شوہر کی اطاعت کی نصیحت کی۔ میاں پورے صاحب بہادر تھے بیوی قسمت سے ملی تو حسین لاکھوں میں ایک بھلا ایسی حسین بیوی کی نمائش کیوں نہ کرتے۔

شادی ہوئے پورا ہفتہ نہ گذرا تھا کہ بیوی کو ہر جگہ ساتھ لے کر پھرنے لگے۔ کوئی پارٹی کوئی جلسہ ایسا نہ تھا جس جگہ یہ حضرت مع بیوی کے نہ پہونچیں۔

غریب بھولی لڑکی شرم سے عرق عرق ہوتی لیکن شوہر کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ یہاں تک بھی خیر تھی لیکن یہ حضرت تقلید یورپ میں جان و ایمان سب نثار کرنا چاہتے تھے بیوی کو رقص میں بھی ماہر کیا۔

ایک سال بعد وہ شرمیلی باحیا لڑکی جو نظر اُٹھا کر بات بھی نہ کرسکتی تھی میاں کی بدولت یورپ کی تمام حیا سوزیوں اور بیباکیوں کا ایک چلتا پھرتا مجسمہ تھی۔ کاش کہ یہ لڑکی اخلاقی قوت رکھتی ہوتی۔ اپنے دل و دماغ سے مشورہ دے سکتی تو کبھی وہ شوہر کے ہاتھوں اپنے ایمان کو اس طرح نہ کھو بیٹھتی۔

فاضل مضمون نگار فرماتے ہیں میں کیا چاہتی ہوں۔

میں چاہتی ہوں کہ مرد ہم پر حکومت چلانے سے زیادہ خود کو درست کریں جاؤ بیجا احکامات صادر

کرکے عورتوں کے جذبات کو پامال نہ کریں۔ ہمارا کلچر خالص اسلامی ہو۔ خلاف مذہب کوئی بھی ہم سے مطالبہ کرے تو ہم اُس کو سختی سے منع کر سکیں۔ ہم بات بات پر خوف کھانا اور لرزنا چھوڑ دیں ہم میں شان خود اعتمادی ہو ہم اپنی حفاظت آپ کر سکیں ہمارا علم اتنا مکمل ہو کہ مرد ہماری شاگردی پر ناز کریں۔ ہم میں سے بی بی سکینہ بنت امام حسینؑ کی طرح کوئی بے مثل شاعرہ ہو جس سے داد پاکر شاعر اپنے شعروں پر فخر کیا کریں ہم کو مجلسی آزادی نصیب ہو۔ ہم میں خولہ جیسی بہادر اسماء جیسی بلند ارادہ ہستیاں پیدا ہوں۔ ہم مردوں کی مطلق العنانی روکنے اُن کو سیدھا راستہ دکھانے کی طاقت پیدا کریں اور صحیح معنوں میں اُن کی غمگساری کر سکیں۔

پابندی سے انکار کس کو ہے۔ لیکن پابندی تو ہر انسان کے لئے لازمی ہے اس میں عورت و مرد کی تخصیص نہیں۔

اللہ میاں نے مردوں کو آزادی کا پاسپورٹ عطا نہیں کیا ہے ہاں بزعم خود اگر وہ ایسا سمجھیں تو یہ اور بات ہے۔

”مل و مسز ٹیلر غریب کا کیا ذکر ہے“ مسلمان عورت تو اللہ اور رسول کے دیئے ہوئے حقوق مانگتی ہے اور اسلام کے احکام پر چل رہی ہے۔ بشرطیکہ مرد ہی حاکم بن کر اُس کو گمراہ نہ کردیں۔

میں نے تو اپنے بھائیوں سے درخواست کی تھی کہ اس دور افراط و تفریط میں بجائے وعظ و نصیحت کے میانہ روی اختیار کریں عورتوں کی سماجی قیود کو ہلکا کر کے اُن کو بھی انسان کہلانے کا اہل بنائیں۔

زندگی کا چین، خانگی مسرت، جب ہی نصیب ہو سکتی ہے جب مرد بھی عورتوں کے ساتھ اپنی اخلاقی حالت درست کریں۔ ورنہ زندگی کا چھکڑا یونہی چلتا رہے گا۔ موجودہ جمود اور غلامانہ ذہنیت کاہلی اور تمام اخلاقی بُرائیوں کی وجہ عورت میں خود اعتمادی کی کمی اور مردوں کا عورتوں پر ضرورت سے زیادہ جبر ہے۔

اگر یہی رنگ ہے تو اللہ حافظ ہے حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی سچی بات کہی جائے تو ایک دم سے مردوں کی رگ حمیت جوش میں آجاتی ہے۔ کوئی عورت بھولے سے بھی اگر کسی غیر مسلم کی سچی بات کو

سراہ دے تو گناہ گار اور مردود دین و ایمان سب کچھ نذر مغرب کر کے بھی مولانا و حضرت و قبلہ و کعبہ اور لائق احترام حالانکہ قرآن پاک میں صاف لکھا ہوا ہے کہ کسی مشرک عورت سے نکاح کرنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ایک مسلمان لونڈی سے نکاح کیا جائے۔ لیکن ان بھلے آدمیوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اگر ان پریوں کو شیشے میں اُتار کر یہ ہمارے مسلمان بھائی جن کا تدبر جوش ایمان و علم ناقابل تردید چیز ہے مسلمان بھی کریں تو ع

چشم ماروشن دل ما شاد

لیکن دیکھنے میں تو یہ آیا ہے کہ اُلٹے اکثر خود ہی کافر بن جاتے ہیں۔ علمائے ہند دینیات کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں ان کی ساری زندگی معقولات میں صرف ہو جاتی ہے۔

پہلے ہمارے فاضل مضمون نگار یہ ثابت کریں کہ جتنے رسم و رواج ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا جزو لازمی بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں سے کتنے خالص اسلامی ہیں اور کتنے غیر قوموں سے لئے گئے ہیں اور کتنی باتیں خود بخود جہالت کے باعث پیدا ہو گئی ہیں۔

تعلیم ہندوستانی مسلمان عورت کے حصہ میں بہت کم آئی ہے اس ترقی یافتہ دور میں بھی پچھتر فی صدی عورتیں جاہل ہیں۔ طوطے کی طرح قرآن رٹ لینے یا روزنامہ راہ نجات پڑھ لینے اور املا غلط انشا غلط لکھ لینے کو تعلیم نہیں کہا جا سکتا علم کی فضیلت جناب سرور کائنات کے ارشاد سے ثابت ہے اور ان احکام میں رحمت عالم نے عورت مرد کی تخصیص نہیں کی۔

حضور سرور کائنات کے زمانہ میں انتخاب زوج کا بھی عورت کو پورا پورا حق حاصل تھا جس سے شادی کرنا ہوتی عورتیں اس سے مل کے گفتگو کر لیا کرتیں۔ مرد بلا واسطہ لڑکیوں کے پاس پیغام بھیجا کرتے تھے اور اکثر دو بدو گفتگو بھی ہو جایا کرتی تھی اور اس کو کوئی معیوب نہ سمجھتا تھا۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جناب امام حسین کی صاحبزادی بی بی سکینہ اور جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نواسی عائشہ بنت طلحہ کے حسن و جمال شعر و ادب فضل و کمال کی تمام عرب میں دھوم تھی ان دونوں بیبیوں کی زندگی اسلامی خواتین کے لئے جرأت و ہمت کا سبق ہے لیکن آج کسی کی مجال ہے

جو ان مقدس خواتین کو نام رکھ سکتا ہے۔ جن لوگوں کا قول فعل سنت کا حکم رکھتا ہو اُس کی پیروی تو در کنار اُس کو بُرا سمجھنا کفر کی انتہا ہے۔ دراصل ہر امر میں اعتدال کا نام مسلک حق ہے۔

عورتوں کو بھی مردیہ سمجھنے کا موقعہ دیں کہ وہ بھی مردوں کی طرح انسان ہیں زندگی پر ان کا بھی کچھ حق ہے۔ گھر میں میز کرسی چولہے چکی برتن بھانڈوں اور بچوں نوکرانیوں کے قصہ جھگڑوں اور باہر فقیر کی صدا کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے۔ کھلے میدانوں میں جھومتے ہوئے درخت اور آبشار سورج کی سنہری کرنیں فطرت کی فیاضی سے بکھرے ہوئے مناظر عورت مرد سب کے لئے خدا نے پیدا کئے ہیں۔ ان چیزوں پر مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حق حاصل ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تھیٹروں رقص گاہوں میں عورتوں کو لے کر جائیں۔ لیکن کھلے سبزہ زاروں میں تو ان غریبوں کے لئے پھرنا ممنوع کر کے اُن کو قبل از وقت بوڑھا اور نکما نہ کر دیا جائے۔ محکومیت اور غلامی نے ہمارے ملک کی بیواؤں اور بڑی بوڑھیوں کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے پھر اگر وہ لڑیں تو جاہل شکایت کریں تو پھوہڑ کہلاتی ہیں۔

مُسلمہ کی دُعا

دیتا ہے مشکلات میں تسکین تو مجھے　　پیہم سنا کے مژدۂ لاتقنطو مجھے

یارب عمل کی جنگ میں کر سرخرو مجھے　　دے عائشہؓ کا قلب خدیجہؓ کی خو مجھے

ہو میرا ہاتھ اور تری توحید کا عَلَم　　خوف حریف ہو نہ خیالِ عدو مجھے

یکسل یہ جمود تو ننگِ حیات ہے　　ایک جوش ایک درد کی ہو جستجو مجھے

دل کو کمال جذبۂ ایثار بھی تو دے　　اسلاف کا دیا ہو جو تو نے لہو مجھے

ہو حبِّ قوم خدمت دینی مرا شعار　　اس کے سوا کچھ اور نہیں آرزو مجھے

دے جوش گریہ کام تو سجدہ بھی ہو ادا　　درکار ہے نماز سے پہلے وضو مجھے

نعمت تھی زندگی مگر اس سے لیا نہ کام　　شرمندگی ہی ہو گی تری روبرو مجھے

میں مسلمہ ہوں لاج مری تیرے ہاتھ ہے　　دنیا میں اور دین میں دے آبرو مجھے

قرآن حکیم کا خطاب مسلمانوں سے!

(محترمہ گلشن افروز صاحبہ)

میں وہ کلام ہوں جس کو اپنے نزول کا فخر و ناز تمام آسمانی کتابوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور جس کے شروع میں میرے لاریب ہونے کا حتمی دعویٰ ان الفاظ میں ہے ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ۔ جس کے نزول پر پہلی تمام کتابیں اور شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور وہ تمام ظلمتیں کافور کی طرح بھاگ گئیں جو گزشتہ زمانہ کے مخلوق کے لئے طرۂ امتیاز تھیں لیکن زمانہ حال کی چشم بصیرت رکھنے والوں کے نزدیک قابل نفرین ہوئیں میرا نزول عین اس وقت ظہور رہوا جبکہ بفحوائے وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا۔ جہالت کے باعث مخلوق الٰہی قعر ذلت میں گر کر اپنے آپ کو مٹا دینے کے قریب پہنچ چکی تھی میں اس نبی آخر الزماں پر نازل کیا گیا جو دنیا کی تمام موجودات کی طرف مبعوث ہو کر آیا جس نے انسان حیوان ونباتات جمادات سبھی کچھ شامل ہیں ثبوت وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین سے ملتا ہے۔ میں مسلمان کی ہر بیماری کی شفا کا دعویٰ رکھتا ہوں جیسا کہ وننزل من القرآن ما ھو شفاءً ورحمۃ للمومنین سے ثابت ہے۔ میں تیرے لئے وہ پیام حیات لے کر آیا جس پر اگر تو عمل کرتا تو کبھی بھی اس ذلت وخواری کا منہ نہ دیکھتا۔ جس کی آج تو سرگراں ہے اور تیری ذلت خواری پر اغیار ہنسی اڑاتے ہیں۔ اس پیام حیات پر عمل کرنے کا ثمرہ حیات طیبہ تھا اور وہ پیام صرف اتنا ہی تھا کہ واعتصمو بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا کہ جو دین کامل تیرے نبی پر اتمام کردیا گیا تھا تو اسی پر قائم رہتا گرد لوگوں کا پیرو نہ ہوتا۔

مجھے تمہیں مخاطب کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی تیرے دم سے میری بقا ہے۔ بلکہ میں لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہوں۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ مجھے آج قلق ہوا تو اس لئے کہ تو دنیا میں اشرف المخلوق کہلایا اور نہایت ہی عمدہ نمونہ پر پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ تیری پیدائش بہ ایں الفاظ سراہی گئی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم لیکن عدالتوں میں شب و روز ہے تو تو ہی ہے

ھلک سے مہلک بیماریاں ہیں تو تیرے ہی لئے بھوک اور تنگدستی کا اگر سب سے بڑھ کر نشانہ کوئی چیز بنی ہوئی ہے تو تیری ذات والاصفات ہے امساک باراں سے اگر کسی کی لہلہاتی کھیتیاں جھلس جاتی ہیں تو وہ تو ہی ہے ۔ بارہ مہینہ کی کمائی زمینداری کا اگر آن واحد میں طوفان بادو باراں اور زلزلہ باری سے صفایا ہو کر قیامت برپا ہو جاتی ہے تو تیرے ہی لئے ہے ۔ کیا کیا شمار کیا جائے وہ کون سی مصیبت پریشانی اور تکلیف ہے جو دنیا میں تجھ پر نہیں آتی سچ پوچھئے تو تمام زمینی آسمانی آفتوں اور مصیبتوں کی آماجگاہ تو ہی تو ہے کیوں ؟ کبھی اس کے اسباب وعلل پر دھیان دیا کہ یوں ہی قسمت کا رونا رویا جاتا ہے کہ قسمت ہی ایسی ہے ۔ نہیں یہ خیال محض غلط ہے اس کا باعث ایک ہی ہے ومن اعوض ذکری فان لہٗ کہ تو نے خدائی احکام پس پشت ڈال رکھا ہے ۔ اور تیری زبوں حالی کی یہی ایک وجہ ہے ورنہ تو دنیا میں بڑی شان کا پیدا کیا گیا تھا شان کے ساتھ رہنے کی ایک شرط لگا دی گئی تھی وانتم الاعلون ان کنتم مومنین وہ شرط مومن ہونا ہے مومن وہ ہو سکتا ہے جو احکام الٰہی اور سنت نبوی کا سچا پیرو ہو ۔ پابند صوم وصلوٰۃ ہو صحیح راستہ دین پر چلے ۔ اور سیدھا سادا مسلمان ہو حلال کھائے کسی پر ظلم وتعدی نہ کرے اور اس زندگی کو ہر وقت فانی سمجھے ۔ صبح تیرے گھر میں میرا ورد ہو وہ قومیں جو اسلام پر نہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب اور کوئی حکم نہ ہو وہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا جو تیرے لئے آیا تھا اس سے فائدہ اٹھائیں گوردوارہ میں صبح وشام پیتل کا گھڑیال اور ہڈی کا سنکھ بجایا جائے اور وہ قومیں بمعہ بال بچہ انسان کے بنائے ہوئے پتھر پیتل وغیرہ کے ٹھاکروں اور مورتوں کے سامنے انہیں اپنا معبود سمجھ کر دست بستہ کھڑے ہوں بے معنی سہی عبادت کریں اور تو سچے معبود کے سامنے کھڑا نہ ہو جس کا مبارک نام موذن پانچ دفعہ تیرے کان میں پہونچائے اور پھر دعوی مسلمانی اور اشرف المخلوق ہونے کا ع

ببیں عقل ودانش بباید گریست

مسلمان ! تیری ذلت کی انتہا ہو چکی ہے تو جس شان سے پیدا کیا گیا تھا اس کی لاج رکھ جس کے پیدا کنندہ کی انتہائی خواہش ہے کہ تو دنیا سے جائے تو باایمان جائے جیسا کہ ارشاد ہو

ولا تموتنّ الّا وانتم مسلمون ورنہ یاد رکھ جس طرح پہلے تیرے دیکھتے دیکھتے صفیں مٹ چکی ہیں تو بھی مٹنے والا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر تو ان شرائط کے ساتھ نہ مرا جو مسلمان کے لئے ضروری ہیں تو جس نبی پر یں نازل کیا گیا بجائے شفاعت کرنے کے مبادا تیرے متعلق دربار ایزدی میں یہی نہ کہہ دیں یارب انّ قومی اتخذو ھذا القرآن مھجوراً۔ پھر اگر سٹ پٹائے گا اور حسرت کے آنسو بہائے گا تو کچھ نہیں بن سکیگا جس دن سے تو غافل ہے وہ آنے والا ہے وتوبرن یومنون الحق میں نے اپنا فرض ادا کردیا غفلت کی آنکھ کھول صحیح معنوں میں انسان بن جا ورنہ پھر یہ حیات مستعار ہاتھ نہیں آئے گی والسلام علیٰ من تبع الھدیٰ (ماخوذ اہل سنت والجماعت)

جو سینۂ افلاک کو برما نہیں سکتے
نالے وہ مرے دل میں جگہ پا نہیں سکتے
گیرندۂ آفاق ہے صیاد جہاں سے
مومن پہ یہ آفاق کبھی چھا نہیں سکتے
اللہ کے شیروں میں ہے غیرت ابھی باقی
صیاد کا مارا ہوا یہ کھا نہیں سکتے
نابود جنھوں نے کیا پتھر کے بتوں کو
کیا رسم و روایات کے بت ڈھا نہیں سکتے
مسلم کے مقاصد ہیں مرے عرش بریں سے
کونین بھی دے کر اُسے بہلا نہیں سکتے
دنیا میں نہیں جو عدل و مساوات کے جویا
واللہ وہ اسلام کو چھٹا نہیں سکتے
اشعار ہیں شارق کے لپکتے ہوئے شعلے
لیکن دلِ یخ بستہ کو پگھلا نہیں سکتے

سوزِ ناتمام

(از ماہر القادری)

وہ قوم جو کہ جہاں کی امام بنکے رہی — محمدِ عربی کی غلام بن کے رہی
نماز وہ ہے جو سینہ میں بجلیاں بھردے — نہ وہ کہ صرف رکوع و قیام بنکے رہی
نگاہِ مردِ مسلماں جھجک نہیں سکتی — خدا کی تیغ سدا بے نیام بن کے رہی
وہ سانس کام جو آئی تری محبت کی — جہانِ شوق میں نقشِ دوام بن کے رہی
مری نظر سے کبھی کربلا کی خاک کو دیکھ — افق پہ دہر کے ماہِ تمام بن کے رہی
صراحی عقل کی گر ٹوٹ بھی گئی تو کیا — یقین عشق کا رنگین جام بن کے رہی
وہ منزلت جسے مغلوں کی یادگار کہیں — دکن میں سطوتِ شاہِ نظام بن کے رہی
وہ سرزمین جو ویران تھی زمانہ سے — خدا کی شان کہ دار السلام[1] بن کے رہی
وہ زندگی جو مقید تھی تنگ غنچوں میں — بہار آتے ہی محشر خرام بن کے رہی

مرا کلام بھی ہے اُس کے فیض کا پرتو
کہ جس کی بات خدا کا کلام بن کے رہی

[1] جلسہ گاہ کا نام

اسلام میں عورت کی حیثیت

(مولوی سید ابن حسن صاحب شارق دہلوی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس آیتہ کی شانِ نزول غزوہ اُحد ہے۔ اس غزوہ (جنگ) میں مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی جن میں سے ایک سو ستر فرزندانِ توحید نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ لہٰذا ستر گھر بے وارث ہو گئے تھے ان ستر گھروں کی پرورش اور دیکھ بھال کون کرتا۔ شہدا کی نوجوان عورتیں، لڑکیاں، شیرخوار بچے بے یار و مددگار رہ گئے تھے اور احتمال تھا کہ آئندہ جو جنگیں ہوں اُن میں ان سے بھی زیادہ لوگ بے خانماں ہوں چونکہ ان کی امداد مدنظر تھی اس لئے یہ حکم اس وقت کی صورت حالات کی نزاکت کو ملاحظہ کرتے ہوئے نازل ہوا کہ اگر تم کو یہ خوف ہے کہ تم یتیموں کی خاطر خواہ امداد نہ کر سکو گے تو تم ان یتیم بچوں کی ماؤں سے شادی کر لو ایک سے دو سے تین سے چار سے اس صورت میں یہ بچے تمہارے بچے ہو جائیں گے اور تم کما حقہٗ اُن کی امداد کر سکو گے اور کوئی انگشت نمائی نہ کر سکے گا یا ان یتیم نوجوان لڑکیوں سے شادی کر لو جن کے والدین جنگ میں شہید ہو چکے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ امداد کرنے کے لئے شادیاں تو کر لو مگر بیویوں کے درمیان میں عدل قائم رکھو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو۔ اوّل تو یتیموں کی امداد ہی کی شرط بڑی زبردست شرط ہے جو صرف اکثر جہاد ہی کے زمانہ میں پوری ہو سکتی ہے دوسرے انصاف کرنے کی شرط اس سے بھی زیادہ سخت اور قوی ہے جس پر انسان آسانی سے عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن مردنے ان شرائط کو نظر انداز کر کے اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لئے تعداد ازدواج کے جواز سے فائدہ اُٹھایا۔

جو لوگ بالطبع اپنے جذبات پر غالب ہیں یا جنھیں اپنی بیوی سے کافی محبت ہے انہیں تو خود ہی کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں آتا لیکن اس دنیا میں وہ لوگ بھی تو بستے ہیں جن کے جذبات کا ہیجان انھیں مغلوب کر لیتا ہے اور اسی دنیا میں قوموں کو ایسی بھی تو ضرورتیں پیش آتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ تعداد

میں نسل پیدا کریں۔ ایسی صورتوں میں اُن قوموں کے پاس کیا چارہ کار ہے جو اپنے لئے یہ قانون بنا چکے ہیں کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ نکاح نہیں کرسکتا ظاہر ہے کہ اُن کے بہت سے افراد چوری چھپے قانون شکنی پر مجبور ہوں گے (اور ہوتے ہیں) اور قومی ضرورت کے وقت قوم کو اپنا قانون بدلنا پڑیگا (اور بدلنا پڑتا ہی)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عورت کو کئی نکاح (بیک وقت) کرنے کی اجازت کیوں نہیں دیگئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ قانون قدرت یہ ہے کہ اگر عورت ایک کی بجائے پچاس مردوں سے بھی بیک وقت شادی کریگی تب بھی وہ ایک معینہ مدت میں ایک سے زیادہ اولاد پیدا نہیں کرسکتی اس کے برعکس اسی معینہ مدت میں ایک مرد متعدد عورتوں سے نکاح کر کے قوم میں متعدد افراد کا اضافہ بیک وقت کرسکتا ہی

ماہرین علم نفسیات کی جدید ترین تحقیق ہے کہ انسانی فطرت کا اقتضا یہ ہے کہ ایک سے زیادہ جوڑوں کی ضرورت ہوسکتی ہے تو مرد ہی کو ہوسکتی ہے عورت کو نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد عورت حمل اور وضع حمل وغیرہ کی فطری مجبوریوں میں گرفتار ہوجاتی ہے اور مرد کو ان ایام میں مجبوراً اپنی نفسانی خواہشات کو روکنا پڑتا ہے

شریعت کے تعدد ازدواج کے جواز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کا منضبط کرنے والا فطرت انسانی کا بڑا نکتہ شناس تھا۔

بہرحال ایک سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت شادی کرنے کی ہر شخص کو بالعموم اجازت نہیں دی گئی ہے بڑی زبردست شرائط اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں جن کو نظر انداز کرنا سخت غلطی ہے۔

محرمات

ہر قوم نے چند محرمات قرار دیئے ہیں جن کے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریباً تمام مذاہب وملل میں مشترک ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغہ میں محرمات کے جو دلائل قائم کئے ہیں وہ اور فلاسفر بینتھم نے جو اپنی یوٹیلٹی میں دلائل وبراہین منضبط کئے ہیں وہ تقریباً بالکل مشترک ہے۔

چونکہ یہ امر اصول فطرت کے مطابق ہے اس لئے قرآن مجید میں محرمات کے نام کی تصریح کر دی گئی ہے۔

سورۂ نساء رکوع ۴۔

حرمت علیکم امھتکم وبنتکم و	حرام ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری
اخواتکم وعمتکم وخلتکم وبنت	بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور
الاخ وبنت الاخت وامھتکم	بہن کی لڑکیاں اور بھائی کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو
التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة	دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری
وامھت نسائکم وربائبکم التی	بیویوں کی مائیں اور تمہاری پرورش کردہ لڑکیاں
فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم	جو تمہاری حمایت میں ہیں تمہاری اُن عورتوں کے
بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن	پیٹ سے جن سے تم ہم بستر ہو چکے ہو (گو وہ تمہارے
فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم	نطفہ سے نہیں) یہ بھی تمہارے لئے حرام ہیں اور اگر
الذین من اصلابکم وان تجمعوا	تم اُن کے ساتھ ہم بستر نہ ہوئے ہو تو پھر اُن لڑکیوں
بین الاختین الا ما قد سلف ط	سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے
ان اللہ کان غفورا رحیما ۝	اُن لڑکوں کی بیویاں جو تمہارے صلب سے ہوں وہ بھی حرام
یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک	اے نبی ہم نے تمہارے لئے تمہاری اُن بیویوں کو
التی اتیت اجورھن وما ملکت	حلال کر دیا جن کو تم مہر دے چکے ہو اور اُن لونڈیوں
یمینک مما افاء اللہ علیک وبنت	کو جو خدا نے بے لڑے دلوا دی ہیں اور تمہارے چچا
عمک وبنت عمتک وبنت خالک	کی بیٹیوں کو اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیوں کو اور
وبنت خالاتک	تمہارے ماموؤں کی بیٹیوں کو اور تمہاری خالاؤں کی

جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کے بھائی زبردستی اُس کی بیوی سے نکاح کر لیتے یا اُن کو نکاح سے باز رکھتے تھے جب اس سے کچھ رقم وصول کر لیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے چنانچہ حکم ہوا کہ:۔

لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْهًا — تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کو نکاح میں
لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ — لے لو اور نہ یہ کہ اُن کو روکے رکھو تاکہ جو کچھ اُن
اٰتَیْتُمُوْهُنَّ — کو مل چکا ہے اُس میں سے کچھ لے لو۔

نکاح کا اختیار

نکاح کے معاملہ میں عورت کو اسلام نے پورا اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے جس سے نکاح کرے کوئی مانع نہیں ہوسکتا

عورت بغیر ولی کے خود نکاح کرسکتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا ہے تو بالغ ہونے پر وہ نکاح فسخ کرسکتی ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک عورت نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ان بزرگوں کو لَا نِکَاحَ اِلَّا بِاُوْلِیٔ (بغیر ولی کے نکاح ہی نہیں) پر اصرار ہے۔ یہ اختلاف اس آیت پر ہوا۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ — اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ — پوری کرچکیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکنا کہ وہ
اپنے شوہروں سے نکاح کریں۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں تَعْضُلُوْهُنَّ میں اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیا نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت۔ امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کردی تھی شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی لیکن عدت گزر جانے کے بعد اُس کو ندامت ہوئی اور اُس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی ہوگئی معقل نے سُنا تو عورت کے پاس گئے اور کہا میں نے نکاح کر دیا تھا اُس نے طلاق دیدی اب میں کبھی اُس سے نکاح نہ ہونے دوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی

لیکن آیت کے یہ معنی ہو ہی نہیں سکتے اس قدر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم میں شوہروں کی

طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور تعضلوہن میں بھی اُنھیں کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بے ربط ہو گی کیونکہ اس تقدیر آیت کا یہ ترجمہ ہوگا "اے شوہرو تم جب عورت کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کر چکیں تو اے نکاح کے اولیا تم اُن کو نکاح سے مت روکو" اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہوا اور جزا میں اُن سے کچھ واسطہ نہ رہے اور اولیاء نکاح کو مخاطب کیا جائے۔ یہ کون ساطریقہ کلام ہے۔ امام رازی باوجود شافعی ہونے کے تفسیر کبیر میں تصریح کرتے ہیں کہ آیت کے یہ معنی بالکل غلط ہیں اور خدائے پاک ایسی بے ربط عبارت نہیں بول سکتا۔ اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کرلیں تو بھی امام شافعیؒ کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اُس کا حق بھی رکھتا ہو (سیرۃ النعمان)

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت میں عرب میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُن سے ہم بستر رہ چکی ہے وہ دوسرے سے ہم آغوش نہ ہو اُس کو دوسرا نکاح بھی نہ کرنے دیتے تھے۔ اسلام نے اس زبردستی کو روکا اور عورتوں کو اجازت دی کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں نکاح کریں۔ ہندوستان کی شادیوں کی طرح اسلام نے دولہا دلہن کو بالکل بے بس قرار نہیں دیا۔ نہ دولہا جانتا ہے کہ دلہن کیسی ہے نہ دلہن جانتی ہے کہ دولہا کیسا ہے۔ قاضی صاحب نے آکر نکاح پڑھا دیا گویا ایک پانسہ پھینک کر باتوں باتوں میں دونوں کی قسمت کو مجبوراً اس پانسہ سے وابستہ کر دیا۔ شرعاً لڑکیاں خود اپنی آنکھ سے دیکھ کر اور پسند کرکے شادی کرنے کی مجاز ہیں اسی لئے فرمایا باری تعالیٰ نے

لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا — تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کو نکاح میں لے لو

اسی ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی نامحرم کسی مومنہ کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور ایک حرہ مومنہ کا ستر کسی اجنبی کے سامنے کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ حجاب بالکل صاف مسئلہ ہے نہیں معلوم کن ذاتی اغراض اور خیالی خوف سے مرعوب ہو کر آج کل کے علماء اس اہم مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالتے۔ اسلام اس پردہ کا حامی نہیں جو آجکل ہندوستان میں مروج ہے جس میں غیر مرد کو آواز سنانی بھی حرام۔ ساتھ ہی اسلام نے اس قدر

زنِ مغرب

پردہ اُٹھ جانے کے بعد

(از حکیم عبدالقوی صاحب دریاآبادی)

یورپ میں عورت کو آزادی عرصہ ہوا مل چکی۔ تعلیم مخلوط ہے اور تہذیب تمام تر بے حجاب۔ دفاتر سرکاری میں جائیے، ریل یا موٹربس پر سفر کیجئے، یا بازار میں خرید و فروخت کی غرض سے جائیے، ہر جگہ مردوں کے پہلو بہ پہلو عورتیں، شادی شدہ بھی اور غیر شادی شدہ بھی کام کرتی نظر آئیں گی اور تفریح گاہوں میں تو جتنی بھی رونق اور چہل پہل آپ دیکھیں گے وہ عورتوں ہی کے دم قدم سے ملے گی اور اس میں نت نئی عریانیوں اور بے حجابیوں کا اضافہ آپ برابر محسوس کرینگے۔ اس بے حجابی اور اختلاط مرد و زن کے سبق آموز و عبرتناک واقعات و نتائج اخبارات کے صفحات میں آپ کی نظر سے برابر گذرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے مشاہدات یورپ سن لینا غالباً بے موقعہ نہ ہوں۔ تجدد سے متاثر، اور یورپ کی تقلید میں اپنے یہاں کی عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے اور ہر قسم کی آزادی دینے والے حضرات، اگر ذرا بھی فہم سلیم رکھتے ہیں تو اُن کے لئے ان سیاحوں کے بیانات میں بہت کچھ درس عبرت موجود ہے۔

یہ بیانات حیدرآباد کے ایک نوجوان صاحب قلم بدرالدین خاں صاحب تسکین بی۔ اے ال ال بی کی مرتبہ کتاب "یورپ کے تاثرات" سے منقول ہیں۔ موصوف نے اپنی اس تالیف میں متعدد ہندوستانی سیاحانِ یورپ (جن میں ماہرین تعلیم بھی ہیں، ڈاکٹر اور بیرسٹر بھی، سیاست داں بھی ہیں اور سرکاری عہدہ دار بھی) مشاہدات نہایت سلیقہ اور حسنِ ترتیب کے ساتھ جمع کر دئے ہیں۔

ان بیانات میں متعدد ایسے حضرات کے ہیں جو اب تک یورپ کی خوبیوں اور وہاں کی تہذیب بشمول بے حجابی نسواں، سے بہت کچھ متاثر ہیں۔ بایں ہمہ اعتراف حقیقت سے ان کو

بھی مفر نہیں۔ سچی بات اُن کے قلم سے بھی نکل ہی گئی ہے، گو کہ اس کے ساتھ تاویلات اور توجیہات بھی شامل ہیں مثلاً ایک ایم۔ اے، ڈی لٹ جامعۂ عثمانیہ کے پروفیسر شعبۂ تاریخ کے الفاظ ملاحظہ ہوں

جہاں تک اخلاقی کمزوریوں کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے سارے ممالک کا یہی حال ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یورپ کی عورتیں آزاد ہونے کی وجہ سے ان کی آزادیاں نمایاں ہیں (صفحہ ۱۱۴)

ایک ایم، اے، پی، ایچ۔ ڈی، بی، اے، ایل (آکسفورڈ) اور پروفیسر شعبۂ قانون اعتراف کرتے ہیں :۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یورپ اور انگلستان کی اخلاقی حالت بہت پست ہے۔ شراب خواری، عصمت فروشی اور اس قسم کے دوسرے عیوب وہاں بکثرت پائے جاتے ہیں"۔ (صفحہ ۱۳۶، ۱۳۵)

ایک ڈاکٹر صاحب یورپ کی آزادی نسواں کی ایک حد تک حمایت اور تحسین کرنیکے باوجود یہ تحریر فرماتے ہیں :۔

فرانسیسی عورتیں اخلاقی معیار میں انگریزی عورتوں سے بڑھی ہوئی ہیں، وہاں سر راہ ہائیڈ پارک کے جیسے اختلاط کے مناظر دیکھنے میں نہیں آتے، البتہ امریکہ کے خوش باشوں یا دیگر سیاحوں کے لئے عورتوں کا ایک خاص طبقہ موجود ہی (صفحہ ۱۳۸)

ایک ایم۔ اے اور اُستاد جامعہ عثمانیہ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں :۔

یورپ میں عصمت آبی ہی دراصل عورت کو جانچنے کا معیار نہیں ہے وہاں بے عصمتی سے زیادہ وطن فروشی، فریب دہی، بد دیانتی اور اس قسم کی دوسری چیزیں معیوب ہیں"۔ (صفحہ ۱۱۸)

باوجود اس امر کے کہ انگلستان میں عصمت فروشی قانوناً جرم ہے لیکن اس قانون کے ہوتے ہوئے بھی انگلستان کی حالت کیا ہے؟ انہیں لکچرر صاحب کی زبانی سنئے :۔

انگلستان میں پیشہ ور عورتوں کی کثرت ہے اور اس کے لئے پیکڈلے، سل اسکوئر وغیرہ مشہور اکھاڑے ہیں، جہاں سن رسیدہ عورتیں تک جن میں بہ مشکل جوانی کے دھندلے آثار رہتے ہیں، بناؤ سنگار کر کے مردوں کا پیچھا کرتی ہیں،، (صفحہ ۱۹۶)

بے حیائی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اختلاط کی آخری منزلیں بھی کھلم کھلا منظر عام پر انجام پاتی ہیں، اور اس کو کچھ بھی مذموم نہیں سمجھا جاتا۔ اپنے دوران قیام انگلستان میں بھی لکچرر صاحب ایک مقام پر بغرض تفریح گئے:۔

کچھ دور جانے کے بعد آپ نے دیکھا کہ راستہ کے دونوں جانب مرد اور عورتوں کے جوڑے تھوڑی تھوڑی دور پر پڑے ہوئے عیش منا رہے تھے، لیکن نہ راستہ چلنے والوں کو اس کا احساس تھا اور نہ یار لوگوں کو اس کی پرواہ تھی، گویا ایں حمام میں سبھی برہنہ تھو (صفحہ ۱۱۷)

اب ذرا اُن حضرات سے بیان بھی گوش نصیحت نیوش،، سے سُنئے، اور،، دیدۂ عبرت نگاہ،، سے پڑھئے، جو یورپ کی ان اخلاقی ابتریوں اور نسوانی بے حجابیوں کے نتائج بد سے واقف ہونے کے بعد اپنے ہم وطنوں کو متنبہ و باخبر کرنا چاہتے ہیں۔

ایک ایم، اے اور بیرسٹر صاحب جو متواتر ۲۳ سال انگلستان میں مقیم رہ چکے ہیں اور وہیں بیرسٹری بھی کر چکے ہیں، اپنے مشاہدات میں لکھتے ہیں۔

یورپ میں عورتوں کی آزادی کا ادنیٰ مظاہرہ سمندری تفریح گاہوں پر نظر آتا ہے جہاں ہزار ہا عورتیں نہانے کا حیا سوز لباس پہنے ہوئے اپنے حسن اور رعنائیوں کی نمائش کرتی ہیں، ان عورتوں کی آنکھوں میں نسوانی شرم و حجاب کا شائبہ تک نہیں ہوتا، بسا اوقات اسی عریاں لباس میں عورتیں بازار جاتی ہیں، اور اس لباس میں بعض عورتوں کی شادیاں بھی ہوئی ہیں لباس اس قدر چست ہوتا ہے کہ جسم کی ہر چیز آئینہ کی طرح نظر آتی ہے (صفحہ ۲۶)

اس حد سے بڑھی ہوئی بے حجابی کے اسباب انہیں صاحب کی زبانی سُنئے:۔

پہلی وجہ عورتوں کی معاشی حیثیت سے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا ہے، جس کی وجہ سے والدین کا اُن پر کوئی دباؤ نہیں رہا، شہروں میں اکثر ملازم پیشہ عورتیں قصبوں اور دیہاتوں

سے آتی ہیں اُن کے ساتھ ان کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا، اور وہ شہر کی دلچسپیوں میں کھو جاتی ہیں۔ چونکہ ملازمت بڑی مشکل سے ملتی ہے اس لئے انھیں مجبوراً اپنے بوالہوس آقاؤں کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرنی پڑتی ہے۔ ایک جرمن رئیس کے قول کے مطابق، انگلستان اور امریکہ کی ہر دوکان ایک "حرم سرا" ہے (صفحہ ۲۶-۲۷)

حرم سرا، وہی حرم سرا، جس کا تخیل بھی ہر مغربی کی، اور ہر مغربی پروپگنڈہ سے متاثر مشرقی کی ابرو پہ شکن ڈال دیتا تھا اور نفرت و حقارت کے کلمے بے ساختہ اس کی زبان سے نکل پڑتے تھے، زمانہ کی ستم ظریفی کہ خود یورپ والے اپنے داوں کے لئے یہ کلمۂ تضحیک استعمال کر رہے ہیں!

ایک دوسری وجہ بھی سیاح موصوف کی زبانی لیجئے!

عورتوں کے اخلاق خراب ہونے کی ایک اور وجہ ریل، موٹر اور تیز سواریاں ہیں، غریب گھرانوں کی لڑکیاں عموماً موٹر میں بیٹھنے کی بڑی شائق ہوتی ہیں، اگر سر راہ انھیں کسی موٹر پر مفت جگہ دی جائے تو اس کے نتائج بد پر غور کئے بغیر وہ موٹر پر سوار ہو جاتی ہیں، اور موٹریں تفریح کے بہانہ سے انھیں لیکر دور نکل جایا کرتی ہیں، اور بعد میں انھیں معلوم ہوتا ہو کہ اس تفریح کی انھیں کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی" (صفحہ ۲۷)

رقص کو مغربی تمدن میں جو اہمیت ہے۔ اس کے نتائج بھی اس سلسلہ میں سنتے چلئے:-

"ناچنے سے بھی عورت اور مرد کے اختلاط کے زیادہ مواقع پیدا ہوتے ہیں اس لمس جسمانی ہی میں اختلاط کی بہت سی منزلیں طے ہو جاتی ہیں" (صفحہ ۲۰)

سیاح موصوف کا ایک مشہور واقعہ قابل ملاحظہ ہے۔ ایک مرتبہ موٹر بس پر سفر کے دوران میں ایک بوڑھی ماں اور اس کی جوان بیٹی موٹر میں داخل ہوئیں، موٹر میں ذرا سی جگہ تھی، ماں بیٹھ گئی۔

"لیکن بیچاری لڑکی کھڑی رہی، چونکہ سفر دور کا تھا، ماں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر بآواز بلند بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا، بیٹی تو ایسی کب تک کھڑی رہیگی، جا اُس نوجوان کی گود میں بیٹھ جا تجھے بیٹھنے کی جگہ مل جائے گی اور وہ خوش ہو جائیگا چنانچہ سعادتمندی بیٹی نے خوشی

سے اُچھل کر اپنی ماں کے اس حکم کی تعمیل کی۔" (صفحہ ۲۰)

مغربی بیٹی کی اس "سعادت مندی" اور مغربی ماں کی اس "شفقت مادری" تک مشرق کے بڑے سے بڑے شاعر کی پروازِ تخیل بھی بھلا پہونچ سکتی ہے؟

یہ تو اس آزادی کے واقعات تھے اب اس کے وہ نتائج بھی جو خانگی زندگی پر پڑے، سیاح موصوف سے سن لیجئے:-

"اگلے زمانہ میں عورت اپنے شوہر کی محکوم سمجھی جاتی تھی اور مشرق میں تو خدا کے بعد شوہر کا درجہ ہے لیکن یورپ میں حالات بالکل برعکس ہیں، وہاں شوہر بیوی کا محکوم سمجھا جانے لگا ہے، یورپ میں یہ ایک عام فیشن ہو گیا ہے کہ اپنے مرد احباب کے سامنے عورتیں اپنے شوہروں کا مضحکہ اُڑاتی ہیں اور اُن کی کمزوریوں کو چھپانے کی بجائے نمایاں کر کے پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح سیر و تفریح کے لئے عورتیں بہت کم اپنے شوہروں کیساتھ باہر نکلتی ہیں" ص ۲۸-۲۹

حضرت اکبر الہ آبادی نے پردہ چھوڑنے کے بعد عورت کے حق میں "چراغ خانہ" کے بجائے "شمع بزم" بن جانے کی جو پیشنگوئی فرمائی تھی اس کی صداقت میں اس بیان کو پڑھنے کے بعد اب بھی کسی کو کچھ کلام رہیگا؟

ایک اور صاحب جو عثمانیہ کالج کے صدر رہ چکے ہیں، اور ریاضیات و سائنس کے ممتاز فاضل ہیں یورپ کی خانگی زندگی کی تباہی کا ماتم یوں فرماتے ہیں:-

جب معاشی حیثیت سے عورت اور مرد ایک سطح پر آجائیں تو لازمی طور پر گھر کی زندگی تباہ ہوجاتی ہے، اور یورپ میں آج اس کا ماتم ہے۔ ہندوستان کے گھر کی زندگی اور آسودگی یورپ میں خواب و خیال ہیں، آزادی اور انفرادی ذمہ داری اور انفرادی ذمہ داری کے احساس نے وہاں کے ہر شخص کو خواہ مرد ہو یا عورت اپنے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے۔" (صفحہ ۴۲)

لیکن افسوس کہ اب ہندوستان کی یہی پُر عافیت گھر کی زندگی مغرب زدہ ہندوستانیوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے اور یہاں کے تجدد نواز ادارے اس کے مٹانے کے درپے ہیں۔

ایک ایم۔اے، بی۔ایس۔سی اور اعلیٰ سرکاری عہدہ دار کا بیان بھی اس سے ملتا جلتا سن لیجئے۔

یورپ اور انگلستان کی زندگی میں خرابیاں بھی ضرور پائی جاتی ہیں۔ عورتوں کی آزادی کے جو معنی وہاں لئے جاتے ہیں وہ ایک صحت مند معاشرہ کے لئے زیب نہیں دیتے۔ مرد اور عورت کی معاشی یکسانیت نے اخلاقی نصب العینوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ یورپ کے جس ملک میں بھی آمریت قائم ہو رہی ہے، وہاں عورتوں کے خلاف سخت طرز عمل اختیار کیا جا رہا ہے۔" (صفحہ ۱۶۴ - ۱۶۵)

ایک ایم۔اے، پی ایچ ڈی اور صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ کی نگاہ دوررس نے یورپ کی جنسی بد اعتدالیوں کا جو جائزہ لیا ہے وہ انھیں کے الفاظ میں قابل ملاحظہ ہے

"کلیسا تعدد ازدواج کا حامی نہیں، قانوناً اور مذہباً ایک عورت سے زیادہ شادی نہیں کی جا سکتی، حالانکہ بعض حالات میں انسان ایک عورت پر اکتفا نہیں کر سکتا، کلیسا کی ان ہی پابندیوں کی وجہ سے یورپ میں ناجائز جنسی تعلقات کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ باوجود ان ساری باتوں کے انیسویں صدی کے آخر تک عورتوں پر کچھ پابندیاں ضرور عائد تھیں اور کھل کھیلنے کا موقع عام نہیں تھا صنعتی انقلاب نے عورتوں کو معاشی طور پر آزاد کرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے کارخانوں کے مزدور وارڈوں میں دُور دُور سے آئے ہوئے مردوں اور اُن کے اختلاط نے جنسی بد اخلاقی کے تمام دروازے کھول دیئے۔ اسی سلسلہ میں زندگی کے مختلف شعبوں میں عورتوں کی ملازمت عام ہوتی گئی، جو عورتیں زندگی کے عام کاروبار میں بے تعلق مردوں کی ملازمت کرتی ہیں اور صبح سے شام تک اُنھیں رنگا رنگ کے مرد ہم کار ملتے ہیں تو پھر اُن کے لئے اپنی عصمت کا بچانا ناممکن ہے۔ الا ماشاء اللہ..... یورپ میں آزادی کا تیسرا قدم جنگ عظیم ہے، مرد تو میدان جنگ میں تھے، اور عورتوں نے ملک میں رہ کر آزادی حاصل کر لی، مردوں کا سارا کاروبار عورتوں نے سنبھال لیا، جس سے اُن میں

بڑی خود اعتمادی پیدا ہو گئی۔ ساتھ ہی جنسی تعلقات بڑی کثرت سے ناجائز پیدا ہونے شروع ہو گئے" صفحہ ۹۶-۹۷)

دیکھا چاہئے کہ موجودہ جنگ یورپ جو بظاہر پہلی جنگ عظیم سے زیادہ ہمہ گیر اور نتائج کے لحاظ سے زیادہ دور رس معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے رہے سہے اخلاق کے لئے کتنی خانہ برانداز ثابت ہوتی ہے؟

ایک ایم۔ اے، پی۔ ایچ، ڈی اور عثمانیہ یونیورسٹی کے نامور استاد کے تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

"یورپ کے ہر ملک میں اعلیٰ تعلیم یافتہ جامعہ کی طالبات، اخلاقی معاملات میں اپنے کو زیادہ پابند نہیں سمجھتیں۔ تعلیم، آزاد خیالی اور عمر کے تجاوز کر جانے سے عصمت کا تصور باقی نہیں رہتا۔ اطالیہ میں نوجوان عورت کا تنہا سفر کرنا بیحد مخدوش ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم رومنوں کی شہوت پرستی ابتک وہاں کے چپہ چپہ میں سرایت کئے ہوئے ہے" ص ۱۷۹

اسلام کے قانون تعدد ازدواج و طلاق کا مضحکہ اڑانے اور اس کے بجائے انسانی دماغوں کے جائے ہوئے ناقص قانونوں پر فخر کرنے والے ایک ایم۔ اے اور بیرسٹر اور نظام کالج کے پرنسپل کی زبانی مختصراً سن لیجئے

یورپ میں قانوناً صرف ایک عورت سے شادی کی جاسکتی ہے لیکن عورتوں کی بے راہ روی اور حیا سوز آزادی، ناجائز ولادت کی کثرت اور طلاق کی زیادتی، اس قانون کے اٹل ہونے کے نتائج ہیں۔ اسلام نے خاص حالات میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی ہے اس قانون کی مصلحت اور عمدگی کا اندازہ یورپ کے حالات کو دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے" (صفحہ ۶۲)

اس سے ملتا جلتا، ایک غیر مسلم بیرسٹر صاحب کا بیان ہے:۔

"انگلستان میں بلحاظ آبادی مردوں اور عورتوں کا تناسب ۱ : ۴ ہے اور قانوناً صرف ایک عورت سے شادی کی جاسکتی ہے گویا تین عورتیں بے سہارا رہ گئیں۔ جب چار میں سے تین عورتوں کا بیاہ نہ ہو سکے گا لازماً سوسائٹی میں بے راہ روی کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے اور اس کا سد باب اس وقت تک مشکل ہے جبتک کہ وحدتِ

ازدواج کے قانون میں ترمیم نہ کی جائے۔ اسلام میں چار بیویوں کی جو اجازت دی گئی ہے اس کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس قسم کی شدید صورت حال کا مقابلہ کیا جاسکے (صفحات ۱۵۔۱۶۔۱۷)

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں خصوصاً اُن طلبہ میں جو یورپ بغرض تعلیم جاتے ہیں، یورپی بیوی بیاہ لانے کی مثالیں اب نادر الوقوع نہیں۔ کیا اس کے متعلق یہ حضرات ایک ایم۔ اے اور بیرسٹر جامعۂ عثمانیہ کے صدر شعبۂ قانون کی رائے سُننی پسند کریں گے؟

"رفتہ رفتہ یہ چیز ہماری نسل اور خون کی خرابی کا باعث ہو گی۔ ایک انگریز عورت سے شادی کرنے کے بعد کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ہماری تہذیب و تمدن کی اعلیٰ روایات برقرار رہ سکیں، اور کیا ہماری اولاد اُن چیزوں کی جائز وارث ہوسکتی ہے جو ہماری معاشرت کا جزو لاینفک ہیں" (صفحہ ۶۷)

مذکورۂ بالا بیانات دقیانوسی مشرقی تعلیم یافتوں کے نہیں بلکہ اُن حضرات کے ہیں جو فرنگی تعلیم گاہوں کی بڑی بڑی ڈگریاں لاچکے ہیں اور کئی کئی سال سیاحتِ فرنگ میں بسر کرچکے ہیں۔ انھوں نے مغرب کی زندگی بے حجاب کو قریب سے دیکھا ہے۔ مخلوط تمدن کی تباہ کاریاں جو فرد کے اخلاق اور سکون خاطر کو اور جماعت کے شیرازہ کو غارت کررہی ہیں، اُنھوں نے بخوبی مشاہدہ کی ہیں۔

مریض کی حالت زار کو، اوران بدپرہیزیوں اور بدعنوانیوں کو جن کی بدولت اسے مرض لگا، دیکھ کر یہ لوگ اپنے ہم وطنوں کو جو ابھی تک تندرست ہیں یا مرض کا معولی سا حملہ اُن پر ہوا ہے، آگاہ اور ہوشیار کرنا چاہتے ہیں کاش اُن کے ہم وطن سمجھیں اور مرض سے اپنے کو اور اپنی آیندہ نسلوں کو محفوظ رکھیں۔

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بنکر گہر نکلے

ناکارہ زیست

(خان بہادر حافظ ولایت اللہ صاحب)

ناکارہ زیست ہے نہ ہو شرم و حیا اگر		دنیا میں آبرو سے ہوئی قیمتِ گہر
میدانِ علم و فن میں ہی ہر قوم گامزن		مُسلم کے حال پر بھی ذرا کیجئے نظر
کرتے ہیں تندرست و توانا گدا گری		ہو کر ذلیل پھرتے ہیں دن رات دربدر
جوہر دکھائیں صنعت و حرفت کے اور لوگ		ان کے لئے سوال ہے سب سے بڑا ہنر
کوچہ نہیں ہے ایک جہاں انکا غل نہو		کوئی جگہ نہیں نہ ہو ان کا جہاں گزر
مفلس کی بھی مجال نہیں عذر کر سکے		ان کی زباں کریگی نہ دشنام سے حذر
جا کر فلک پہ کرتے فرشتوں سے بھی سوال		پرواز کے لئے انھیں دیتا خدا جو پر
کہتے ہیں ہوگی قبر میں پیسے کی روشنی		ان کی دُعا مصائبِ دنیا کی ہے سپر
حصّہ میں انکے آئی ہے خیرات ملک کی		بھوکے ہیں مستحق کوئی لیتا نہیں خبر

فطرت کو زندگی نے بنایا بہت عزیز
لیکن ہے زندگی سے بھی عزت عزیز تر

تین نعمتیں

(از ظفر جہاں بیگم صاحبہ)

یوں تو پروردگار عالم نے اپنے بندوں پر اتنی نعمتوں کی بارش فرمائی ہے جس کا حساب ہی ممکن نہیں۔ لیکن خاص طور پر تین نعمتیں جو ہماری زندگی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہیں وہ اس افراط سے پیدا کی ہیں کہ ہم ان کو بالکل مفت اور بلا مشقت جتنا چاہیں استعمال کرسکتے ہیں یعنی ہوا، پانی، اور روشنی خیال کیجئے کہ یہ تینوں چیزیں زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہیں اور ہم اُن کو ہر جگہ کس آسانی کے ساتھ حاصل کرسکتے ہیں۔ لیکن کتنا افسوس ہوتا ہے مجھے یہ دیکھ کر کہ ہندوستان کی جہالت نے ہندوستانیوں کو ان نعمتوں سے بھی بڑی حد تک محروم کر رکھا ہے اور خاصکر طبقہ نسواں تو ان خداداد رحمتوں سے جو بالکل مفت لٹ رہی ہیں بہت زیادہ محروم رہتا ہے۔ ہندوستانی گھروں کو دیکھئے تو زیادہ تر ان کی ساخت ایسی ہوتی ہو جن میں ہوا اور روشنی کا گذر مشکل ہی سے ہوسکتا ہے۔ بغیر روشندانوں کے اندھیرے کمرے اور کوٹھریاں جن میں دن کے وقت بھی چراغ روشن کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوستان چونکہ گرم ملک ہے اس لئے مکان عموماً شمال رویہ بنائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاڑوں میں تو بالکل ہی ان میں دھوپ کا گذر نہیں ہوتا۔ دو تین گھنٹے کے لئے صحن کے ایک حصہ میں آئی اور چلی گئی پھر تمام وقت یا تو سیلے ہوئے اندھیرے کمروں اور دالانوں میں موٹے موٹے کپڑے لادے ہوئے ہاتھ پاؤں سمیٹے بیٹھی رہئے یا پھر انگیٹھیاں دہکا کر اپنے مکان اور جسم کو گرم کیجئے۔ ایسے بند مکانوں میں کوئلہ دھکانا بھی کچھ کم خطرناک نہیں اول تو ویسے ہی ان مکانوں کی ہوا صحت کے لئے کافی مضرت رساں ہوتی ہے اس پر سے کوئلہ کی نکلی ہوئی گیس تو پورا ہی زہر کا کام کرتی ہے اور اکثر اخباروں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک بند کمرے میں اتنے آدمی انگیٹھی رکھ کر سو گئے اور صبح کو مردہ یا بیہوش پائے گئے۔ اور اخباروں پر ہی کیا منحصر ہے اپنے شہر محلہ اور شناساؤں میں اکثر اس قسم کے واقعات جاڑے کے موسم میں دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں۔ مگر برا ہو جہالت کا

کہ کبھی اصلیت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی جاتی اور روز روز کی بیماریوں یا اس قسم کے افسوسناک حادثات کو کبھی تو بدقسمتی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کہیں جن بھوت اور آسیب کا خلل سمجھ کر تعویذ گنڈوں ٹوٹکے ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک سے اُن کا علاج کیا جاتا ہے پھر غضب یہ ہے کہ گھر در دن بیماروں اور بچوں کو جس قدر زیادہ ہوا روشنی اور پانی کی ضرورت ہے اتنا ہی زیادہ ان چیزوں کو انکے لئے مضر سمجھ کر ان سے بچایا جاتا ہے۔ ایک زچہ خانہ ہی کو لے لیجئے جس میں ایک پھول سا نازک ننھا سا بچہ ہوتا ہے اور ایک اس کی ماں جو زچگی کی نازک حالت میں ہوتی ہے۔ دونوں کو تازہ ہوا روشنی اور صفائی کی حد بھر ضرورت ہے مگر عموماً ہوتا یہ ہے کہ ان اندھیرے سیلے ہوئے مکانوں میں بھی جو سب سے زیادہ تاریک گوشہ ملتا ہے اور جہاں دن کی تیز روشنی میں بھی اندھیرے کی وجہ سے چراغ کی ضرورت ہوتی ہے وہاں زچہ کا پلنگ بچھایا جاتا ہے اور اگر کہیں سے ہوا یا روشنی آنے کا امکان ہو تو پردے ڈال کر اس کو روک دیا جاتا ہے۔ باہر دروازے پر دن رات آگ سلگتی رہتی ہے جس کا دھواں ہر وقت اس اندھیرے کونے میں جس میں زچہ کا پلنگ ہے گھٹتا رہتا ہے۔ یہ تو ہوا ہوا اور روشنی کا حال اب پانی کا حال سنئے جس سے صفائی ہو سکتی ہے تو معلوم ہوگا کہ ہفتوں بلکہ جاڑے کے موسم میں تو مہینوں بچے کے جسم پر پانی نہیں ڈالا جاتا کہ سردی لگ جائیگی۔ زچہ کو رسمی طور پر چھٹے روز پھر اس کے بعد دسویں بیسویں تیسویں اور چالیسویں دن نہلانے کا دستور ہے لیکن گرمی کے موسم میں تو ضرور یہ رسمیں ادا کی جاتی ہیں ورنہ جاڑے اور بارش کے موسم میں عام طور سے غسل سے پرہیز کیا جاتا ہے رسم کی پابندی کے لئے جسم پر اُبٹنہ مل کر اور منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل دینا کافی سمجھا جاتا ہے۔ ان جاہلانہ وہموں کی بدولت سینکڑوں ہزاروں ننھے بچے اور ان کی مائیں ضائع ہو جاتی ہیں اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سب ملکوں سے زیادہ بچے اور زچائیں موت کے گھاٹ اُترتی ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ جو زندہ رہتے ہیں ان پر تعجب ہونا چاہئے۔ زچہ بچوں کو چھوڑ کر تندرست بڑے آدمیوں کو لیجئے تو ان میں بھی مرض دق اس تیزی سے پھیل رہا ہے کہ دبائی امراض سے کہیں زیادہ موتیں اس میں ہو جاتی ہیں اگرچہ گورنمنٹ کی طرف سے اس موذی اور مہلک مرض کے انسداد کے لئے ہر طرح کی کوششیں برابر کی جا رہی ہیں لیکن مرض پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کچھ تو ہندوستان

کی مفلسی نے ہندوستانیوں کو بھوکوں مار کر کمزور کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کی بیماریوں کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور کچھ اپنی جہالت کے باعث ان نعمتوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے جو خداوند تعالیٰ نے بالکل مفت اور نہایت افراط کے ساتھ انھیں عطا فرمائی ہیں۔ شاید میری وہ بہنیں جو خدا کے فضل وکرم سے تعلیم یافتہ اور صاحب استطاعت ہیں سول لائن کے خوشنما اور ہوادار بنگلوں میں رہتی ہیں اور جن کے یہاں زچگی اور بیمار داری کے جملہ انتظامات ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق ہوتے ہیں میری تحریر کو مبالغہ سمجھیں گی لیکن اصلیت دیکھنی ہو تو شہر کا رُخ کیجئے جہاں تنگ و تاریک متعفن گلیوں کے اندر کبوتروں کی کابک یا مرغیوں کے ڈربہ نما مکانات کی کمی نہیں اور غلاظت سیل اور اندھیرے کی وجہ سے اندر قدم رکھتے ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔ معلوم نہیں کن کن بیماریوں کے جراثیم کتنی پشتوں سے ان قید خانوں میں پرورش پا رہے ہیں اور ان کے مکینوں کو یکے بعد دیگرے ہضم کرتے چلے جاتے ہیں۔ تندرستوں کو بھی دیکھئے تو زرد رنگ پژمردہ چہرے پر شگفتگی اور تازگی کا کہیں نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اور بیماروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحہ نہایت اندوہناک درد و کرب میں گزار کر آخر کار قبر کا کونہ جا بساتے ہیں لیکن اپنی جگہ انھیں زرد و تندرستوں میں سے کسی ایک کو دے جاتے ہیں جو ہر وقت بیماری کا اثر قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم رہتا ہے اور رہے گا جب تک کہ شہروں میں یہ تاریک اور گھناؤنے مکانات زمین دوز کر کے نئے سرے سے حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق کھلے ہوا دار اور روشن مکانات نہ بنائے جائیں گے اور ہندوستان کی پبلک ہوا، روشنی اور پانی کے استعمال کے فوائد سے بےخبر رہے گی۔

غبارِ رہگذر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جنکو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بےخبر نکلے

فیشن یا بربادی

(اظہر سلطان معظم صاحبہ بھوپالی)

اچھا ہوا نرگس تم آگئیں اس وقت دماغ بہت پریشان تھا۔

نرگس۔ آخر نکہت کچھ بھی کیا ہوا جو تم پریشان ہو پریشانی تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔

نکہت۔ ارے بھئی اپنی ہندوستانی بہنوں کی ناعاقبت اندیشی پر افسوس آتا ہے کہ ایسے مفلس ملک میں ہوتے ہوئے یہ لوگ فضول خرچیاں کرتے ہیں۔

نرگس۔ وہ ہیں کون جن کی وجہ سے تم اس وقت پریشان ہو اور نصیحت کر رہی ہو۔

نکہت۔ ابھی ابھی مسز پرکاش آئیں تھیں کہہ رہی تھیں کہ دس ہزار کا قرض ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیسے ہوا تو کہنے لگیں کہ ہر ماہ ساڑیوں کا فیشن بدلتا ہے اور بلاؤس کی تراش خراش میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اسلئے اِس میں ہی دس ہزار کا قرض ہو گیا اب درزیوں کا علیحدہ تقاضہ ہے بزاز علیحدہ پریشان کر رہا ہے ان بے فذ روزنہ کے تقاضوں سے میں گھبرا گئی ہوں کہ کیا کروں پرکاش کی جو آمدنی ہے وہ میری ہاتھ میں آتی ہے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان قرضخواہوں کو کہاں سے دوں۔ میں نے اس پر کہا کہ بہن یوں تو کام نہ چلے گا جب تک کہ آپ اپنا رویہ نہ بدلیں اور سادہ زندگی نہ گذاریں، تو فرمانے لگیں کونسا رویہ بدلوں۔ میں نے کہا کہ دیکھئے خفا نہ ہونا آپ کا وہ رویہ فیشن کے لئے فضولخرچی، ابھی تو خیر کچھ نہیں گیا ہے لیکن ذرا آگے چل کر تباہ کن ثابت ہوگا تو فرمانے لگیں کہ فیشن تو اب مجھ سے نہیں بدلا جاتا۔ دیکھو نکہت کلب بھر میں میرا لباس بہتر اور قیمتی ہوتا ہے۔ نرگس دور سے سلام ہے اس فیشن کو اور لباس کو جس میں انسان تباہ ہو جائے۔

نرگس۔ لیکن نکہت فیشن تو ہمیشہ سے بدلتا آیا ہے اور ہمیشہ بدلتا رہیگا جب مغلیہ خاندان میں ڈھیلے پائنچوں کے پاجامے رائج تھے آجکل ان کی جگہ ساڑیوں نے لے لی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ساڑیاں

ان سے کم قیمت اچھی مل جاتی ہیں اور وہ زیادہ قیمت میں تیار ہوتے تھے اور بھاری اس قدر کہ ہم جیسے لوگوں سے تو چلا بھی نہ جائے۔ پہلے دانتوں میں مسی لگائی جاتی تھی جس سے دانت بدنما ہو جاتے تھے اور ہونٹوں پر لاکھا جمایا جاتا تھا پھر وہ فضول خرچی نہ تھی۔

نکہت۔ ہاں اس کو میں بھی مانتی ہوں کہ زمانے کے ساتھ ہمیشہ چلنا چاہیے جو انسان زمانے کے ساتھ نہ چلے وہ گویا دیوانہ ہے۔ لیکن نرگس غور کرو میری آمدنی اس وقت آٹھ سو روپیہ ماہوار کی ہے اور میں نے ساڑیاں خریدیں بارہ سو کی اور دو ماہ بعد وہ فیشن بدلنے کی وجہ سے بیکار ہو گئیں اول تو یہ کہ چار سو روپیہ کا فضول قرضہ ہوا اور بیکار ہوئیں وہ الگ لیکن پھر بھی مجھ میں کچھ عقل ہے تو دو ساڑیوں کا اور اضافہ کرکے آمدنی بچا کر وہ قرض بھی ادا کر دیا اور آیندہ کو تائب ہو گئی بار بھی نہ بڑھا اور فیشن بھی برت لیا لیکن اگر میں پھر بارہ سو کی ساڑیاں ہی خرید لیتی تو کھانا وغیرہ الگ قرض کھاتے اور قرضخواہ آکر تنگ کرتے وہ علیحدہ رہا لاکھے اور مسی کا سوال تو اس کا جواب بھی سن لو پہلے زمانے میں جو مسی لگائی جاتی تھی اس سے دانتوں کی جڑیں مضبوط ہوتی تھیں اور دانت کئی قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہتے تھے لاکھے سے ہونٹ خوبصورت معلوم ہوتے تھے اور کوئی نقصان دہ چیز بھی نہ تھی تم کہو گی کہ بس تو آجکل بھی لپ سٹک سے ہونٹ خوبصورت بنائے جاتے ہیں لیکن کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا کہ اول تو لپ سٹک میں کئی قسم کی چربیاں ہوتی ہیں دوسرے سستے قسم کے لپ اسٹک استعمال کرنے سے اکثر ہونٹوں میں چھالے وغیرہ ہو جاتے ہیں جو دانتوں کے لئے بھی مضر ثابت ہوئے ہیں دوسرے پہلے جو کچھ خریدا جاتا تھا وہ ہمارے ملک کی بنی ہوئی چیزوں پر صرف ہوتا تھا اور وہ روپیہ ہمارے ہی ملک میں رہتا تھا نیز ہمارے بہت سے فاقہ کش بھائی بہنوں کے لئے گذر اوقات کا ذریعہ ہوتا تھا۔ کیوں کیا تمہیں اس سے انکار ہے۔

نرگس۔ (تیوریوں پر بل ڈال کر) ہاں یہ میں کسی حد تک ماننے کو تیار ہوں کہ یہ چیزیں فائدہ مند ضرور تھیں لیکن پہلے اس کا رواج تھا آج یہ رواج ہے۔ اب بھلا پہلے ناخنوں پر مہندی لگائی جاتی تھی جو کہ پیسی جاتی اور گوندھ کر کہیں لگائی جاتی تھی جب کہیں رنگ آتا تھا اب پینٹ کیا اور چھٹی ہوئی پہلے

زمانہ میں کیا غازہ استعمال نہیں ہوتا اور ابٹنہ ۔ موٹے موٹے زیورات پہنے جاتے تھے اور بھاری بھاری کپڑے
اب اسکی جگہ فینسی ساڑیوں اور ہلکے نازک خوبصورت زیورات نے لے لی ہے جواب دو کہ اس میں کیا حرج ہے
نکہت تم نے تو ایک دم اتنے سوال کر ڈالے خیر سب کے جوابات سن لو۔ مہندی جو لگائی جاتی تھی یا
اب لگائی جاتی ہے گو اس میں گوندھنے کی وقت ضرور ہوتی ہے لیکن تم نے اس کے فوائد پر بھی غور
کیا مہندی زیادہ تر گرمی کے موسم میں استعمال کرتے ہیں وہ خشکی کو دور کرتی ہے اور ٹھنڈک پہونچاتی
ہے۔ رہا اُبٹنہ تو پہلے صابن بہت کم استعمال ہوتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس زمانے میں صابن ہوتا
ہی نہ تھا۔ اس کی بجائے اُبٹنہ کام دیتا تھا اُبٹنہ اور کھلی جسم کی کھال کو نرم رکھتے تھے۔ غازے یا پوڈر کے
میں خلاف نہیں ہوں لیکن آجکل کتنے قسم کے پوڈر نکل آئے ہیں جن میں زیادہ تر چونا ملا ہوا ہوتا ہے
ہاں اگر قیمتی پوڈر برتے جائیں تو نقصان دہ ثابت نہ ہونگے پہلے زمانے میں ابٹنہ نارنگیوں کے چھلکوں کا
ہوتا تھا جس کا فائدہ یہ تھا کہ رنگت میں صفائی ہو اور منہ پر سے جھائیاں اور مہاسے دور ہو جاتے تھے
اور بہت کم قیمت میں تیار ہو جاتا تھا اس کو اگر کوئی غریب بھی برتنا چاہتا تھا تو آسانی سے برت سکتا تھا
لیکن آجکل غازے کی قیمت کتنی ہوتی ہے ویسے تو سستے غازوں کی بھی کمی نہیں ۔لیکن ان کے برتنے سے
سارے چہرے پر خشکی سی ہو جاتی ہے اور کھال کھردری ہو جاتی ہے۔ کیا تم نے خیال کیا ہے
کہ پرانے زمانے کے زیورات جو ہوتے تھے وہ پہننے کے کام بھی آتے تھے اور وقت پر اُن کو فروخت
کر کے اپنا کام بھی نکال سکتے تھے آجکل کے زیورات دیکھنے میں واقعی خوبصورت اور نازک ہوتے ہیں
لیکن اگر کسی پر وقت پڑے تو ایک ہزار کا زیور صرف ڈیڑھ سو میں چلا جائے گا جس کی وجہ یہ ہوتی ہے
کہ وہ بہت ہلکے ہوتے ہیں پہلے زمانہ کے زیورات مضبوط اور ٹھوس ہوتے تھے جو زیبائش کے کام
بھی آتے اور جائداد بھی تھی ۔کپڑے اس وقت میں بھاری یوں ہوتے تھے ایک تو رواج دوسرے
اگر وہ خراب یا پرانے ہو بھی جاتے تو اُن کا مسالہ فروخت ہونے پر پورے نہیں تو نصف دام ضرور
وصول ہو جاتے تھے اور ان ہی میں کچھ اور کا اضافہ کر کے نئی چیز تیار ہو جاتی تھی ۔اگر ساڑیاں نو اور
وہ خراب ہو جائیں تو آپ انھیں کیسے بدل سکتی ہیں۔ کہو تم کو ان میں کیا عذر ہے ۔میں یہ نہیں کہتی کہ

زمانے کے ساتھ نہ چلو ضرور چلو لیکن اپنی جیب سب سے پہلے دیکھو جو آمدنی ہو اس میں سے تھوڑا بہت اچھے برُے وقت کے لئے ضرور پس انداز کرو۔ خدا تعالیٰ مسز پرکاش کو بھی ہوش کے ناخن دے۔

نرگس۔ ہاں تمہاری باتوں میں سے سب سے مجھے اقرار ہے خدا کرے تمہاری یہ نصیحت سب کو فائدہ پہونچائے اور بہت کافی دیر ہوگئی میں پاربتی کے یہاں جارہی ہوں اچھا خدا حافظ۔

ان باتوں کو عرصہ گذر چکا تھا کلب میں پارٹی ہوئی لیکن میں مصروفیت کی وجہ سے نہ جاسکی۔

اس کے دوسرے دن نرگس کچھ بدحواس میرے پاس آئی۔

نکہت او نکہت سُنتی ہو بھئی کہاں تمہیں اپنی گھرداری سے فرصت نہیں تم نے سنا بھی کل شب کو مسز پرکاش اور مسٹر پرکاش نے خودکشی کرلی قرضہ سے تنگ آکر۔ ہاں نرگس سوائے افسوس کے اور کیا ہوسکتا ہے یہ ہی ہماری فضول خرچ بھائی بہنوں کا انجام ہے جو آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا کرے کہ ہم اپنی آمدنی دیکھکر خرچ کریں اور جتنی چادر دیکھیں اتنے پاؤں پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں کہ زیادہ خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اسلئے ہم کو چاہیئے کہ دوراندیشی اور کفایت شعاری سے کام لیں اور ہمارے فیشن پرست فضول خرچ بھائی بہن مسز پرکاش سے سبق حاصل کریں۔

اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مرکے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ!
کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ!
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لا یخلف المیعاد دار

اتحادِ اسلامی

(سیدہ خورشید بانو صاحبہ)

اگر آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ قرآن پاک احادیث اور احکام شریعت کا بغور مطالعہ فرمائیں تو ایک چیز آپ کو ہر جگہ نمایاں نظر آئے گی۔ وہ چیز یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے مفاد کے خاطر اپنا مفاد برضا و رغبت خلوص دل کے ساتھ قربان کرنا اپنا فرض اولین خیال کرو۔ یہ چیز کچھ اس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے دل پر نقش کر دی گئی تھی کہ وہ ہر چیز کے فائدہ مند یا نقصان دہ ہونے کا تصفیہ اس نقطۂ نگاہ سے کیا کرتے تھے کہ آیا یہ چیز تمام مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ہوگی یا نقصان دہ اگر ضرر رساں ہے تو بری ہے چاہے اپنا کتنا ہی فائدہ ہو ورنہ اچھی ہے چاہے ذاتی فائدہ نظر نہ آئے آپ اور تو اور عبادیات ہی کو لیجئے۔ روایت[1] ہے کہ حضرت عتبان بن مالک ایک نابینا صحابی تھے ان کا مکان مسجد قبا کے قریب ہی تھا مگر راستہ میں ایک وادی تھی۔ برسات کے زمانے میں پانی بھر جایا کرتا تھا اور مسجد آنے جانے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ راستہ خراب ہے اگر اجازت ہو تو گھر ہی پر نماز پڑھ لیا کروں۔ آنحضرت نے فرمایا کیا اذان کی آواز آتی ہے۔ عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا تب گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ وہ باقاعدہ مسجد میں حاضر ہوتے اور نماز باجماعت ادا کرتے۔

اسی طرح سعید بن یربوع نابینا تھے۔ ان کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک غلام کو مامور کر رکھا تھا جو انھیں گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر پہنچایا کرتا تھا۔

نماز کے لئے جماعت کی اتنی سخت تاکید اسی لئے ہو کہ ہر مسلمان یہ جان لے کہ ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۰

روزہ میں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ہر فرد مسلم علیحدہ علیحدہ روزہ رکھ کر اپنے آپ کو الگ الگ نہ تصور کرنے لگیں پس ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا کہ سب مل کر ایک ساتھ روزہ رکھیں اور ایک ہی رنگ میں رنگ جائیں۔ جدا جدا ملکوں میں رہنے اور ان میں بھی الگ شہروں میں بسنے اور محلہ محلہ مساجد ہونے سے یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ مسلمان الگ الگ اپنے وطن اور قوموں کے شیدائی بن کر ایک منظم قوم کی حیثیت کھو بیٹھیں گے۔ اسی لئے بیت اللہ شریف کا حج فرض کر کے یہ حکم دیدیا کہ تم کعبہ کے پاسبان ہو اور عرب کی وادیوں میں جو اللہ کی آواز گونجی تھی اس کو نشر کرنے کے ذمہ دار ہونے کی وجہ سے تمام جہان تمہارا وطن ہے۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا　　مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

پروردگار نے اپنے کلام پاک میں ارشاد کیا ہے

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْن

غور کیجئے جب تمام روئے زمین ہمارا وطن ہے تو تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ چینی ہوں خواہ ترکی خواہ مصری سب کُلُّ مُؤمِنٌ اخوۃ کے تحت ہمارے بھائی ہیں۔ جس طرح کسی عضو میں ہمارے درد یا تکلیف ہو تو تمام جسم بے کل ہو جاتا ہے اسی طرح اگر دنیا کے کسی گوشے میں کسی مسلمان پر مصیبت آئے تو بلا امتیاز ملک و قوم ہمیں بیکل ہو جانا چاہئے اور ہماری ہمدردی ان کے ساتھ ہونی چاہئے دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو ہندوستانی عربی ترکی مصری وغیرہ میں تقسیم کرنے کے درپے ہیں کہ یہ ایک منظم قوم نہ بن جائیں۔ ہماری رہی سہی طاقت بھی برباد کرنا چاہتے ہیں نااتفاقی کا بیج بو کر۔ اگر جغرافیائی حدود سے یا قوموں کے خیال سے مسلمان الگ الگ خیال کئے جاتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ برگزیدہ میں حضرت بلال حبشی ہرگز ہرگز سیدی کے لقب سے نہ پکارے جاتے۔ جب تک یہ بات مسلمانوں میں تھی وہ تمام جہان کے بادشاہ تھے اور جب سے یہ بات مسلمانوں میں مفقود ہوئی وہ دنیا کے ہر میدان میں سب سے پیچھے رہ گئے۔

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی　　ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی

یہ مرکز ہی سے جدا ہونے کا نتیجہ ہے کہ:۔

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو

نسل گر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی　　اُڑ گیا دنیا سے تو مانند خاکِ رہ گزر

مسلمانوں کی پستی کا راز ان کی بے زری اور فاقہ کشی نہیں بلکہ مذہب سے لاپرواہی اور نااتفاقی ہے۔ یہ بے زری فاقہ کشی اسی کا نتیجہ ہے۔

اگر اب بھی ہم سب متفق ہو جائیں اور اپنے ذاتی مفاد کو ملت اسلامیہ کے مفاد پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں تو پھر کسی کی مجال نہیں جو آنکھ اُٹھا کر ہمیں دیکھ سکے۔

علامہ اقبال نے کیا اچھا کہا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں　　اور جمعیت گر ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

جب مسلمان "قوم و وطن" کے یہ دونوں بُت توڑ ڈالیں گے اور ایک مرکز پر متفق ہو جائیں گے تو پھر ان کی وہی شان ہو جائے گی جس کے متعلق علامہ اقبال کہہ گئے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکے زور بازو کا　　نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب مسلمانوں میں اپنی پستی کا احساس ہو چلا ہے چنانچہ ہمیں اب یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم پھر قرون اولیٰ کی طرح منظم ہو جائیں پھر تمام دنیا ہمارے زیر نگیں ہو سکتی ہے اور پھر تمام عالم کی ہدایت کا فرض بھی تو ہمارے ہی ذمہ ہے بقول حضرت اقبال ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا　　لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر پائندہ تر تابندہ تر نکلے

آ

(مولوی حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ)

آ، مری خلوت میں آ، محفل میں آ　　جسم میں آ، جان میں آ، دل میں آ

یاس بن کر دعویِ باطل میں آ　　آس بن کر سعیِ بے حاصل میں آ

آ، گرہ بن کر کشودِ کار میں　　بن کے ناخن، عقدۂ مشکل میں آ

بن کے تاثیر آ، دوائے درد میں　　دردِ بے درماں کی صورت دل میں آ

حوصلہ بن، ولولہ بن، شوق بن　　آ دلِ واماندۂ منزل میں آ

قہر بن کر آ نظر طوفان میں　　لطف بن کر صورتِ ساحل میں آ

شوق بن کر آ دلِ عشاق میں　　زور بن کر بازوئے قاتل میں آ

عشق بن کر دشت میں آ نجد کے　　حسن بنکر پردۂ محمل میں آ

جا، سرمستِ مے دولت سے جا　　آ، دل خوں گشتۂ سائل میں آ

"بیکساں راکس توئی در ہر نفس"
حامدِ بیکس ہے کس مشکل میں آ

اسلامی رُوح

مسلمانوں کے لئے اسلامی تاریخ ایسی چیز ہے جس سے قدرتاً جوش اسلام پیدا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ عقائد مذہبی اور اسلام میں ضعف آ گیا ہے اس لئے وہ جوش بہت کم عملی صورت اختیار کرتا ہے اس خرابی کی وجہ مغربی تعلیم اور جدید فیشن کی تقلید ہے جس نے ہم کو اپنے آبا و اجداد کے پاکیزہ صفات اور اسلام کے مقدس جذبات سے محروم کر دیا ہے۔ جس سے ہم میں سچی اسلامی روح باقی نہیں رہی دنیا کی محبت اور لالچ نے ایسا پریشان کر رکھا ہے کہ اسلام کی محبت سے دل بالکل خالی ہے نہ خدا کا خوف باقی ہے نہ اسلام کی سچی محبت۔ بے دینی کی وبا عام طور پر پھیل رہی ہے۔ اسلام کے لئے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی گویا پہاڑ اُٹھانا ہے۔ یہی باتیں ضعف ایمان کا باعث ہیں۔ حضور رسول کریم و رحیم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم روح ما و دم فداہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے جس قدر تکلیفیں برداشت کی ہیں اُن سے ہر مسلمان کو سچا سبق ملتا ہے اور اُن کی نیک مثالیں سچے اور سچے مسلمانوں کا شیوہ بتاتی ہیں۔

میں اس وقت مردوں سے بحث نہیں کرتی کہ وہ کیا کر سکتے ہیں اور اُن کو کیا کرنا چاہئے۔ مجھے زیادہ افسوس خواتین کی حالت پر آتا ہے اگر دیکھا جائے تو ہماری بدولت اسلام کو کچھ کم نقصان نہیں پہونچا۔ مگر ہم نے نہ تو کبھی اس کو محسوس کیا نہ اپنے آپ کو اس کا جواب دہ سمجھا۔ اگر تھوڑی دیر کے واسطے اس بات کو سوچا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام جذبات اسلامی ہماری بدولت سرد ہو گئے ہیں۔ ہم کو اپنے دلوں میں اسلام کے جذبات پیدا کرنے چاہئیں گھروں میں اس قدر اسلام کا چرچا رکھنا چاہئے کہ بچے نوکر بلکہ ہمسایہ تک مستفید ہو سکیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عورتیں اگر چاہیں تو گھروں میں وہ کام کر سکتی ہیں جو باہر مرد برسوں کی کوششوں میں کر سکتے ہیں۔ ماں بچہ کو لوریوں میں ایسے سبق سکھا سکتی ہے جو اُن کو برسوں کی محنت کرنے

بد حاصل ہو سکتے ہیں مگر ماں جب ہی اس فرض کو انجام دے سکتی ہے جب وہ خود اس قابل ہو کہ بچوں میں اسلامی روح پیدا کر سکے۔ ہمارے یہاں ۹۰ فی صدی عورتیں ایسی نکلیں گی جن کو معمولی مسئلے بھی معلوم نہیں ہونگے۔ جب ماؤں کی یہ کیفیت ہے تو پھر بچوں کا خدا حافظ، اس پر طرہ یہ ہے کہ بچوں کو مذہبی تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے اور شروع سے انگریزی طرز کے مدرسوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ بچے تو کچی لکڑی ہوتے ہیں جس طرف چاہو موڑ لو۔ ان کی طبیعت جدید فیشن کی جدت میں ایسی پھنس جاتی ہے کہ وہ برائے نام مسلمان رہ جاتے ہیں۔ اور بعض وقت سوٹ بوٹ میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ تمام اچھے اخلاق کھو بیٹھتے ہیں روزہ نماز کی تکلیف تو ان نازک فیشن ایبل صاحبان سے واسطہ ہی کیا۔

پہلے تو یہ دردناک منظر مردوں ہی تک محدود تھا مگر خدا محفوظ رکھے یہ جراثیم اب عورتوں میں بھی پھیلنے لگے ہیں وہ بھی نماز سے غافل۔ قرآن مجید سے لاپرواہ ہوتی جاتی ہیں۔ بعض فیشن کی شیدا بی بیاں تو لڑکیوں کو بھی شروع سے ہی جدید طرز کے مدرسوں میں داخل کرنے لگتی ہیں جہاں مذہبی تعلیم عنقا ہے۔

لڑکیوں کو قرآن پاک کی تعلیم نہ دینا کس قدر رنج اور افسوس کی بات ہے نعوذ باللہ جب یہ کیفیت ماؤں کی ہوگی تو ان سے یہ اُمید رکھنا فضول ہے کہ وہ بچوں کی تربیت میں اسلامی جذبات کا لحاظ رکھیں گی ایسی ماؤں سے اس کی اُمید رکھنا ایسا ہی ہوگا جیسے کسان بغیر بوئے کھیت کاٹنے کی اُمید کرے۔ جب مائیں خود دین سے بے پرواہ ہوگئی ہیں اور برائے نام مسلمان ہیں تو پھر بچوں کی بیدینی کی شکایت فضول ہے ؎

کیا تعجب ہے جو بچوں نے بھلایا اس کو　　جبکہ مائیں بھی روشِ دین خدا بھول گئیں

قدیم زمانہ میں مسلمان خواتین اسلام میں سب سے زیادہ مستعد ہوتی تھیں۔ اور انہی کے آغوش میں جذبات اسلامی تربیت پاتے تھے۔ ذکر مبارک میں علیا حضرت میمونہ شاہ بانو بیگم صاحبہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اسلام میں سب سے اول جنھوں نے شہادت کا درجہ پایا وہ حضرت سُمیہ تھیں۔ اور ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں ایک وہ مبارک زمانہ تھا کہ عورتیں علوم مذہب کی تعلیم کی معلم ہوتی تھیں۔ لڑکیوں کے علاوہ وہ لڑکوں کو پڑھاتی تھیں

چنانچہ حضرت امام عسکری رحمۃ اللہ علیہ (جو علم حدیث کے بڑے عالم تھے۔) فرماتے تھے کہ جن اُستادوں سے میں نے علم حدیث حاصل کیا ہے ان میں اسّی سے زیادہ عورتیں ہیں۔

مگر خدا کی شان ہماری شامت اعمال سے اب یہ نوبت آ گئی ہے کہ ہم شاگردی کے بھی قابل نہیں رہے اور آج ہمارے لئے مسلمان اُستانیاں نہ ملنے کا ہر جگہ نوحہ پڑھا جاتا ہے۔

اب اگر اس کا کوئی علاج ہے تو یہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے۔ جدید و قدیم طرز تعلیم کو ملا کر اپنے حسب حال ایک مرکب تیار کیا جائے۔ امور خانہ داری اور ضروریاتِ زندگی کے علاوہ قرآن مجید۔ حدیث شریف بزرگوں کے حالات اور تاریخ اسلام اور تمام دینی باتوں کی اعلیٰ تعلیم دی جائے اور اُن میں ایسی قابلیت پیدا کی جائے کہ گھروں میں اسلامی روح پیدا کر سکیں۔ اور بچوں کے دلوں میں اسلام کے صحیح اصول اور سچے جذبات پیدا کرنے میں کامیاب ہوں۔ آج کل ہمارے یہاں عالموں کی بہت کمی ہوگئی ہے۔ جو عالم اِس دنیا سے اُٹھ جاتا ہے اُس کا جانشین ڈھونڈھے نہیں ملتا ہے۔ یہ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے کہ مردوں کی اس کمی کو عورتیں پورا کر دینگی پھر بھی یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ جب عام طور پر لڑکیوں کو دینی تعلیم دینے کی کوشش کی جائے گی سو میں نہ سہی ہزار میں اور ہزار میں نہ سہی لاکھ دو لاکھ میں ایک دو ایسی بھی نکلیں گی جو اچھی خاصی مذہبی عالم کا کام انجام دینگی اور اُن کی ذات سے بہت کچھ فائدہ پہونچے گا۔ عورتوں کو بھی خدا نے دل و دماغ دیئے ہیں اور اُن میں بھی اُس نے قابلیت کے جوہر پیدا کئے ہیں اُن کو بے کار چھوڑنے کی بجائے اُن سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے ورنہ ہماری غفلت سے وہ اسی طرح ضائع ہوتے رہیں گے ؎

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی		خبر کچھ نہ تم کو نہ ہم کو ہے جن کی
اگر جیتے جی کچھ نہ اُن کی خبر لی		تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی
یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی		مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی		(مولانا حالی)

مگر اس کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ تمام میں نہ سہی صرف چند ہی مقامات پر بطور نمونہ

کے اسلامی مدرسہ کھولے جائیں جن میں لڑکیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ ان مدرسوں کے لئے اگر اُستانیاں نہ ملیں تو پہلے ضعیف العمر بزرگ عالم لڑکیوں کو پڑھائیں جب وہ تعلیم سے فارغ ہو جائینگی تو وہی تعلیم دینے کی خدمت کو انجام دینگی اور خدا جن کو توفیق دے گا وہ اسلام کی اس مقدس خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرسکیں گی۔ اگر اس طرح کچھ عرصہ تک کوشش کی جائے اور ایسے مدرسے جاری کئے جائیں تو بہت سی خواتین ان بزرگ بی بیوں کی طرح نظر آنے لگیں گی جن کا نام تاریخ اسلام میں چاند کی طرح چمک رہا ہے اُن کی ذات سے ہماری قوم میں نئے سرے سے اسلامی روح پیدا ہو جائے گی وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اس وقت بھی ماشا اللہ ایسے بزرگ موجود ہیں جن کو تعلیم نسواں کے ساتھ تعصب نہیں ہے اگر وہ اپنے خانداں کی لڑکیوں کو محض عورتوں کی اصلاح اور اُن میں مذہبی روح پیدا و قائم رکھنے کے لئے محض مذہبی تعلیم دیں تو دس بارہ برس میں ہمارے سامنے عالمانہ عورتوں کے نمونہ آجائینگے۔

تو اے اسیرِ مکاں، لامکاں سے دور نہیں
وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دور نہیں
وہ مرغزار کہ بیمِ خزاں نہیں جس میں
غمیں نہ ہو کہ ترے آشیاں سے دور نہیں
یہ ہے خلاصۂ علمِ قلندری کہ حیات
خدنگ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں
فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے
قدم اُٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں
کہے نہ راہنما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو
یہ بات راہروِ نکتہ داں سے دور نہیں

حسن آرا بیگم صاحبہ اور نسوانی تعلیم

(از جناب حسن آرا بیگم صاحبہ)

محترمہ حسن آرا بیگم صاحبہ کلکتوی نے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس میں ایک ایسی اچھی تقریر تعلیم نسواں کے موضوع پر کی ہے کہ اس سے وہ سارے مرد اور وہ ساری عورتیں جو عورتوں اور مردوں کے وظائف فطری میں مغربی تمدن کی تقلید کی دیوانگی سے بے اختیار ہو کر کوئی فرق کرنا نہیں چاہتے سبق لے سکتے ہیں اور اپنے زاویہ نگاہ کو معقول بنا سکتے ہیں شکر ہے کہ ہمارے درمیان ابھی حسن آرا بیگم جیسی خواتین موجود ہیں جن پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ زمانہ کے حالات سے ناواقف ہیں یا مغربی تمدن کی خوبیوں کا کوئی تجربہ نہیں رکھتیں آپ نے اپنی تقریر میں سب سے پہلے اپنے سامعین پر یہی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی:۔

(۱) "میری پیدائش اور تعلیم امریکہ میں ہوئی ہے میں افغانی النسل ہوں۔ میں اپنے والدین کے ساتھ چونتیس سال قبل ہندوستان آئی اور کلکتہ میں میرے والد نے مستقل اقامت اختیار کر لی"۔

(۲) "میں نے یورپ اور امریکہ کی سیاحت کی ہے اور وہاں کی تعلیم اور طریقۂ تعلیم کا معائنہ بھی کیا ہے"۔

کہ یورپ میں بھی صرف ۱۵ فیصدی عورتیں جامعی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور باقی ۸۵ فیصدی ایسے اسکولوں میں جاتی ہیں جہاں وہ اپنے نسوانی فرائض انجام دینے کی قابلیت پیدا کر سکیں مثلاً سوزن کاری، لانڈری خانہ داری، کفایت شعاری، آرائش خانہ وغیرہ"۔

"تعلیم ہر کس و ناکس کے لئے لازمی ہے۔ مگر یونیورسٹی کی تعلیم خاص خاص لوگوں کے لئے ہے کہ یورپ میں بھی جہاں مردوں اور عورتوں کے فطری وظائف کی تفریق کا کوئی قولی اعتراف موجود نہیں ہے، عملاً آج بھی اس کا اقرار پایا جاتا ہے اور اب اہل ہند کو چاہئے کہ نسوانی تربیت و تعلیم کا نصاب اسی فطری فرق کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیں اور ابتدا ہی میں کسی ایسی غلطی کا ارتکاب نہ ہو جس سے معاشرہ کو مصائب برداشت کرنے

پڑ ئیں۔ یں مدرسہ ایم۔ اے او گرلز اسکول کے نام سے چلا رہی ہوں اور اس کا نصاب میں نے اسی فرق کو پیش نظر رکھ کر مقرر کیا ہے اور یورپ کے عمل کا ذکر کرنے کے بعد کہتی ہیں کہ :۔

" ہندوستان میں بھی لڑکیوں کے واسطے تعلیم کا ایسا ہی لحاظ رکھا جائے اور نسوانی ضروریات کو مدنظر رکھ کر نصاب مرتب کیا جائے جو لڑکوں کے نصاب تعلیم سے جداگانہ ہو"

" خدا نے جس طرح مردوں اور عورتوں کی بناوٹ اور فطرت میں فرق رکھا ہے اور جس طرح ان کے عمل کا دائرہ علیحدہ علیحدہ رکھا ہے اسی طرح ان دونوں جنسوں کی تعلیم اور ان کی تربیت کا فطری دائرہ بھی وہی ہوگا جو اُن کے مزاج اور وظیفہٗ حیات کو سامنے رکھ کر بنایا جائے گا"

اور پھر یورپ کے حالیہ اس رائجہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہ دونوں صنفوں کے فطری وظائف میں فرق نہیں ہے۔

" یورپ کا نظریہ جو میں نے اوپر بیان کیا اُس کی خامی اور لغویت کے متعلق آج کی دنیا میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظریہ فطرت کے بنائے قانون کے خلاف ہے"

ہندوستانی لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں ہنر، دستکاری، کفایت شعاری، امورِ خانہ داری، آرائش خانہ اور معاشرت کی تعلیم پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے اور لازمی قرار دیا جائے تاکہ وہ گھر میں اور سوسائٹی میں اپنی صحیح جگہ حاصل کر سکے اور باہنر، باسلیقہ بن کر ایک مددگار بیوی اور محبت کرنے والی تعلیم یافتہ زمانہ شناس اور سمجھ دار ماں ثابت ہو سکے جس پر آئندہ نسل کا دار و مدار ہے"

افسوس ہے کہ یہاں مساوات مرد و زن کا وہ مردود نظریۂ یورپ، ہمارے پاس کے بعض تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں پہ بہت بُری طرح مسلط ہو گیا ہے اور یہ سرکاری ملازمت میں بھی جن کے زیر اثر ہمارے پاس بسرعت خرابیاں پھیلتی جا رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہماری حکومت جرات کے ساتھ جداگانہ نسوانی مسئلہ کو اختیار کرے اور سارے ہندوستان کے لئے جامعہ عثمانیہ کی طرح ایک نظیر قائم کر دے۔ خدا یہ دن جلد لائے۔

بےخبر! تو جوہر آئینہ ایام ہے   تو زمانہ میں خدا کا آخری پیغام ہے

حسنِ تربیت

(از انیس عبدالحی صاحبہ)

دورِ حاضرہ ایک انقلابی جامہ زیب تن کئے ہوئے ہے اور ہر شخص بقدر ظرف وہمت کوشاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ خواتین بھی اس جد وجہد میں کسی قدر انہاک سے کام لے رہی ہیں۔ اپنی دیگر بہنوں کو بھی دعوتِ عمل دے رہی ہیں۔ مگر افسوس صرف اس بات کا ہے کہ انھیں اپنی ذمہ داری کا کچھ خیال نہیں بقولِ جگر؎

کیا قہر ہے کہ پاس ہی دل میں لگی تھی آگ　　افسوس ہے کہ دیدۂ تر دیکھتے رہے

آس پڑوس میں تو آگ بجھا رہی ہیں مگر افسوس اپنے گھر کی خبر نہیں۔ سن شعور کو پہنچی ہوئی جماعت کو آموختہ رٹایا جا رہا ہے مگر جو سبق کے لائق ہیں اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ خیر سے گھر گھر بچے ہیں اور والدین کو ان سے محبت بھی جس قدر ہے اس کا اظہار بے سود ہے۔

میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ فی زمانہ جہاں تک تعلیم کا امکان ہوسکتا ہے کوتاہی نہیں کی جاتی والدین اپنی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ مگر عموماً ناکامیاب رہتے ہیں جس کو وہ بچوں کی بدشوقی اور شومیٔ قسمت قرار دے کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس قرارداد کے بعد جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ کسی اظہار کے محتاج نہیں۔ اس مرض کی تشخیص میں تو ہر شخص دیوانہ وار اپنی اپنی رائے دیتا ہے مگر علاج کی زحمت کوئی گوارا نہیں کرتا۔

محترم خواتین! میں اس وقت آپ کی خدمت میں مندرجہ بالا کے متعلق کچھ عرض کرتی ہوں۔

تعلیم کی بنیاد تربیت پر ہوتی ہے اور تربیت کا دار و مدار والدین پر منحصر ہوتا ہے زمانہ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے عموماً ترقی حاصل کی ان کا راز ان کی تربیت میں مخفی تھا۔ جس کا استحکام ان کے عہدِ طفولیت میں ہوا۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں دیکھنے میں آیا ہے اور جو اس عمر کا تعلق ہے ہر شخص کو

مساوی طریق پر عطا فرمائے ہیں۔ چنانچہ اس طریق کار میں غریب و امیر کی کوئی قید نہیں۔ ارتقا کا مادہ انسان میں تبدریج جملہ حیوانات کے بدرجہ اتم پایا جاتا ہے جس کی بدولت اشرف المخلوقات کہلاتا ہے دولت ارتقا ایک ایسی نعمت ہے جس کا انکشاف ہوتا چلا آیا ہے اور تا قیامت ہوتا رہے گا۔

چنانچہ جب حضرت انسان اس دنیا میں وارد ہوتے ہیں تو ان کا وجود ایک بے زبان جانور یا متحرک کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ان کی ہر چیز پر ایک ایسی گہری نظر ہوتی ہے۔ جس کا احساس ہم لوگ نہیں کر سکتے اور جو زیادہ تر نظر انداز ہو جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بچہ آنکھ کھولتے ہی ہر چیز کا جائزہ لینا شروع کر دیتا ہے اپنی بساط کے مطابق ہر چیز کو جانچنے اور جاننے کی کوشش کرتا ہے جس کا اظہار ہم کو اس کی طاقت گویائی بحال ہونے پر ہوتا ہے اس کی ابتدا اس کے گرد و پیش سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ماں باپ کے امتیاز میں سب سے پہلے کامیاب ہوتا ہے۔ بعد ازاں انھیں ماں باپ کے توسل سے وہ دیگر چیزوں سے تعارف حاصل کرتا ہے۔ اس لئے ایسی دوران نشو ونما میں اس کی معلومات دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی جاتی ہے جو در حقیقت اسکی دماغی زرخیزی کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے ماں باپ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کاشت میں ذرا بھی عدم توجہی سے کام نہ لیں۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کی وسعت پر نظر رکھتے ہوئے۔ بچے کے ہر حرکات و سکنات پر ایک امتیازی نظر رکھ سکیں تاکہ اس کے مستقبل کے متعلق وہ غلطی نہ کر سکیں کیونکہ یہ ابتدائی مشاغل کی توسیع اس کو بذریعہ ارتقا ایک کامیاب انسان بنا سکے گی۔ اب یہ ماں باپ پر منحصر ہے کہ وہ اس وقت سے فائدہ اُٹھائیں اور اس کو محبت، مذہب، صفائی، تمیز، لیاقت وغیرہ کے زیور سے آراستہ کریں۔ اس کے بعد جب اس کی تعلیم ہوگی تو وہ ان تمام خوبیوں پر جلا کر دیگی۔ اور وہ ایک درخشندہ ستارہ ہو کر چمکے گا۔ دوسرے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ صحت جسمانی کا خیال بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ بچے کی تعلیمی طریق ایسا ہونا چاہئے کہ وہ تعلیم کو کھیل کود سمجھے اور اس کی گرانی نہ محسوس کر سکے۔ مار پیٹ سے ہرگز کام نہ لیا جائے جہاں تک ہو سکے نرمی برتی جائے تاکہ اس کی تیزی اور طراری کو ٹھیس نہ لگے۔

آجکل ایک بات جو اکثریت کا درجہ رکھتی ہے وہ نہایت ہی مذموم ہے۔ وہ یہ کہ ماں باپ اس کا قطعی نہیں خیال رکھتے کہ وہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے وہ کیا تھا اور اب کیا ہے۔ یا یہ کہ وہ جس زمانہ کے لئے پیدا ہوئے ہیں وہ کیا ہے اور اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ وہ اپنے والدین کی طرح اپنے بچوں پر بھی وہی قیود دیکھتے ہیں جن کا ارتکاب ان پر ہوا ہے ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بچے جس زمانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ ان کا دیکھا ہوا نہیں ہے قدرت جس چیز کو جس زمانے کے لئے پیدا کرتی ہو اس میں اس کی گنجایش رکھتی ہے، اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ والدین اس معاملہ میں بچوں کو کسی قدر آزادی بخشیں ورنہ وہ اس زمانے کے لائق نہیں ہو سکتے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی زندگی ناکامیاب رہے گی جس کے ذمہ دار ان کے والدین ہوں گے۔ معزز خواتین یہ مضمون بہت لمبا ہے میں کہاں تک آپ کی سمع خراشی کروں۔ جس قدر عرض کروں اسی قدر کم ہو۔ مگر ایک گزارش ہے، چھوٹا منہ بڑی بات۔ وہ یہ کہ ہم لوگ جس قدر زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہیں اتنا عمل نہیں کرتے۔ ہمارے یہ جلسے جس خیال سے ہوتے ہیں وہ کچھ اور ہوتا ہے مگر نتیجہ کچھ اور۔ معاف فرمائیں ہماری جدید انجمنیں اکثر کلب گھروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ہم لوگ تفریح طبع کے لئے یہاں یکجا ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمارا اپنی ملت اور قوم پر انتہائی ظلم ہے امید ہے کہ آپ لوگ اب آنکھیں کھولیں گی اور خاطر خواہ وقت سے فائدہ اٹھائیں گی۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں — یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر — چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم — مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا — ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمین و مکاں اور بھی ہیں

زُود پشیماں

(از جناب حمیدہ سلطانہ صاحبہ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

آج اتوار کا دن تھا۔ کالج کے سب لڑکے سیر و تفریح میں مشغول تھے مگر صرف شاہد تھا جو آج بھی ادبی مشاغل میں منہمک تھا دوپہر میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد۔ کل جو اس کو بحث کرنی تھی اسکے لئے نوٹ مرتب کرنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں؟ دو روز سے اُس کی طبیعت خلاف معمول کچھ اچاٹ سی تھی۔ کسی کام میں دل نہ لگتا تھا۔ اس وقت بھی زیادہ دیر تک وہ اس کام میں مشغول نہ رہ سکا اور جلد ہی اُکتا گیا۔ طبیعت بہت پریشان ہو رہی تھی۔ اس لئے نوٹوں کو ادھورا چھوڑا ٹوپی میز سے اُٹھا ہاتھ میں لی اور خراماں خراماں باہر چلا۔ ٹھنڈی ہوا اور سبزہ زار سے اپنی تھکی ہوئی طبیعت کو فرحت پہونچانے کے خیال سے وہ چلتا ہی رہا چونکہ اُس کا دماغ اس وقت عالم طفلی کی یاد اور ماضی کی خوشیوں کے خیال میں محو تھا اس لئے شہر سے بہت دور نکل گیا۔

ایک کار کے ہارن سے وہ چونکا اور سلسلۂ خیال ٹوٹا تو دیکھا کہ دھوپ کسی غمزدہ بیمار کی مانند زرد ہو چکی ہے۔ اور آفتاب ایک ناکام تمنا کی طرح آہستہ آہستہ اپنے آشیانے کی طرف واپس جا رہا ہے۔ وہ لوٹا اور تیز قدم اُٹھاتا ہوا کالج کی جانب واپس ہوا۔

کالج میں داخل ہوتے ہی چپراسی نے ایک خط اس کو دیا۔

شاہد نے کمرے میں داخل ہو کر کوٹ کو کھونٹی پر لٹکایا ٹوپی میز پر رکھی آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر ایک اطمینان کا لمبا سانس لیا اور خط کو کھولا۔ یہ اس کے چچا کا خط تھا اس میں اُنھوں نے نجمہ کی منگنی کی اطلاع دی تھی۔ اُنھوں نے لکھا تھا:۔

"شاہد خدا گواہ ہے۔ میرا دل ہر لمحے مجھے اس عہد شکنی پر ملامت کر رہا ہے لیکن نجمہ کی ماں

سے مجبور ہوں۔ وہ اس رشتے کی خواہش میں بالکل پاگل ہوگئیں اور اُنھوں نے تمام باتوں کو بھلا کر یہ رشتہ بالکل میری مرضی کے خلاف کیا میں بھابی جان سے نادم ہوں اور تمہارا قصوروار بھابی جان بہرتج سی چلی گئیں ہیں اور ان کا ناراض ہونا بجا ہے۔ نجمہ کی پیدائش کے لئے اُنھوں نے ہی ہزاروں منتیں مرادیں مانی تھیں اور پیدا ہوتے ہی اُس کو اُنھوں نے مانگ لیا تھا۔ لیکن نجمہ کی ماں کی حماقت کا علاج کیا؟ اس عورت نے مجھے تم سے اور بھابی جان سے شرمندہ کیا۔ بٹیا تم نیک طینت سعادت مند ہو اپنے بوڑھے چچا کا یہ قصور بخش دو اور مجھے اس معاملہ میں بالکل بے قصور خیال کرو۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن افسوس نجمہ کی ماں نے نہ مانا،،

خط کے مضمون اور نجمہ کی منگنی ہوجانے کی خبر نے شاہد غریب کے دل و دماغ پر بجلی گرادی شدت رنج سے خط اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اور تمام جسم بید کی مانند کانپنے لگا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بندھ گئیں۔ اور دل طائر مذبوح کے مانند سینے میں تڑپنے لگا۔ نجمہ کی موہنی صورت اُس کے آنکھوں کے سامنے تھی۔ اور وہ زمانہ پیش نظر جب وہ اور نجمہ ایک ساتھ اکٹھے بیٹھتے ہنستے کھیلتے تھے۔ کبھی نجمہ ہنستی ہوئی سامنے آتی کبھی روٹھی ہوئی نجمہ کی تصویر دکھائی دیتی۔ کبھی سو کر اُٹھنے کے بعد خمار آلود آنکھیں لئے ہوئے نجمہ کی صورت پیش نظر تھی۔ اور کبھی بال بکھرائے ہوئے نجمہ سامنے تھی غرضیکہ سینما پر دکھائے جانے والے فلم کی طرح واقعات شاہد کے سامنے آرہے تھے۔ لیکن یہ سب گذری ہوئی کہانی تھی اب تو اُس غم نصیب کو تنہا چھوڑ دیا گیا تھا اور کوئی قصور بھی تو ایسا نہ تھا جس کی سزا یہ ملی تھی۔ لیکن بیگناہی اور نیک طینتی بھی تو دنیا والوں کی نظر میں ایک گناہی ہے وہ مکار اور چالباز نہ تھا اور یہی اُس کا سب سے بڑا گناہ تھا۔

شام ہوئی اور شام سے رات ہوئی لیکن شاہد نیم مدہوشی کی حالت میں پڑا غم کے اتھاہ سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ ڈنر کی گھنٹی ہوئی لیکن شاہد کو خبر نہ ہوئی وہ تو خون دل پی رہا تھا اور لخت جگر کھا رہا تھا اس کو کھانے پینے کا ہوش ہی کہاں تھا۔ کھانے کے بعد اُس کا عزیز دوست سوشل کمار آیا اور شاہد کو اس قدر سراسیمہ و بدحواس پڑے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوگیا اُسکے

کندھے پر ہاتھ رکھکر بولا خیر ہے شاہد۔ یہ تم کیوں اتنے مضطرب ہو کیا کچھ تکلیف ہے؟

شاہد نے ایک آہ سرد لیکر کہا عزیز دوست میرے تمام جسم میں سخت درد ہے۔ میں اس وقت بہت بے چین ہوں۔

میں کالج کے ڈاکٹر کو لاتا ہوں، سوشل نے مہربانی و ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔

نہیں نہیں اس وقت رات کو ڈاکٹر کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں میں نے دوا کھالی ہے مجھے اطمینان اور آرام کی ضرورت ہے تمہاری ہمدردی کا شکریہ جاؤ آرام کرو۔ شاہد نے تھکے ہوئے لہجہ میں جواب دیا اور سوشل محبت سے اس کا ہاتھ دبا کر گڈ نائٹ کہہ کر کمرے سے نکل گیا، اور شاہد نے ایک طویل آہ کھینچکر کہا آہ نجمہ کر میں کیسے بھول سکتا ہوں جو میرے رگ وپے میں سمائی ہوئی ہے۔ لڑکپن کی ساتھی۔ اُس غریب پر بھی تو چچی جان نے ظلم کیا وہ بھی تو رو رہی ہوگی۔

خدا کرے وہ مجھے بھول جائے اور خوش رہے۔ بیشک میں غریب و مفلس ہوں نجمہ جیسی حسین باہوش بیوی مجھ کو کیسے مل سکتی تھی۔ حسن و دولت کا ساتھ ہے آہ مفلسی تیرا بُرا ہو کسی نے سچ کہا ہے "غربت محبت کے پر کاٹ دیتی ہے" اچھا اب نجمہ دوسرے کی امانت ہے۔ مجھے اُس کو بھول جانا چاہیئے خواہ اس کوشش میں اپنے کو بھی میں بھول جاؤں۔ یہ شرافت کے خلاف ہے کہ اب میں اس کا خیال دل میں لاؤں۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور بکس سے نجمہ کے خطوط کے بنڈل کے بنڈل نکال کر نذر آتش کر دیئے۔ لیکن ان محبت ناموں کو جلتا دیکھ کر جو کبھی اُس کے لئے حرز جان تھے اس کو سخت رنج ہوا اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔ بہت دیر تک وہ روتا رہا آخر جب دل کی کچھ بھڑاس نکل گئی تو وہ سنبھلا اور چچا کے خط کا جواب میز کے قریب کرسی گھسیٹ کر لکھنے لگا۔

قبلہ و کعبہ جناب چچا جان صاحب

فدوی کا آداب نیاز قبول فرمایئے۔

عرصے کے بعد آپ کا عنایت نامہ ملا آپ کے اس خط سے یہ اطلاع ملی کہ عزیزہ نجمہ کی منگنی ایک متمول گھرانے کے چشم و چراغ سے ہوگئی۔ یہ بات میرے لئے مسرت افزا ہے کہ نجمہ کی آئندہ

زندگی اچھی گذرےگی بیشک آپ کو مجھ بدنصیب کی ناکامی و مایوسی کا رنج ہوگا۔

لیکن چچا جان یہ کیا ضرور ہے کہ آپ میری محبت میں نجمہ کے مستقبل کو تاریک کردیں چچی جان مکرمہ بزرگ اور صائب الرائے ہیں نجمہ کی بہتری کے لئے جو کچھ اُنھوں نے کیا اُنکو اسکا پورا پورا حق ہے میں کون ہوں جو اس کے خلاف آواز بلند کروں ماں سے زیادہ اولاد کے لئے کون بہتری کا خواہاں ہوسکتا ہے میں غریب تہی دست نجمہ کے لئے بیش بہا زیورات زرین جوڑے سلیقہ مند خواصیں کیسے فراہم کرسکتا تھا اُس کی زندگی یقیناً میری معیت میں اس بے اُگی کی بدولت تلخ ہوجاتی اور اب اُمید ہے بہت اچھی گذرےگی اس منگنی کے بانی بھی آپ لوگ تھے اور منسوخ کرنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ جو حکم آپ نے فرمایا۔ بسر وچشم بجا لایا۔ آئندہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ آپ کی شفقت وعنایات کا بدلہ ادا کرنے کے قابل نہیں خدا مجھے ہمیشہ آپ کے سامنے سرخرو رکھے۔ نجمہ میری عزیز بہن ہے میری دعا ہے کہ خدا اس کی آئندہ زندگی مسرتوں سے لبریز کردے اماں جان کی ناراضی فضول ہے۔ ہر انسان اپنی بہتری چاہتا ہے۔ لیکن ان کو نجمہ سے بہت محبت ہے اور یہ زیادتی اُلفت ہی غالباً رنج کا باعث ہے خیر آپ جانیں اور وہ۔ میرے لئے تو آپ دونوں کا حکم یکساں ہے اور دونوں کا احترام مجھ پر واجب ہے۔ مجھے آپ پہلے کی طرح تابعدار خادم تصور فرمایئے مکرمہ چچی جان صاحبہ کی خدمت میں دست بستہ آداب اور نجمہ کی منگنی کی مبارکباد پیش کردیجئے اور دعا کیجئے کہ خدا مجھے سکون عطا فرمائے۔

آپ کا بدنصیب بھتیجہ شاہد

خط لکھتے پڑھتے صبح ہوگئی اور شاہد نے خط لفوف کرکے نماز پڑھی دل شکستہ اور بحالت ابتر سجدے میں پڑکر خدا جانے کتنی دیر تک رویا۔ آخر نسیم سحری کے جھونکوں کو اس غریب پر رحم آگیا۔ سجدے ہی میں تمام شب کے جاگے ہوئے غمزدہ شاہد کو تھپک تھپک کر سلادیا اور وہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا و مافیہا کے غم سے بے نیاز ہوگیا۔

نجمہ کی منگنی کو اب پورا ایک سال ہو چکا تھا اور اس ایک سال میں دونوں جانب سے ہر تیج تہوار پر خوب لین دین ہوتے تھے۔

بیگم صاحبہ تو اپنی امیری دکھانے کو بہت تکلف کرتیں۔ مگر سکینہ بیگم بھی چونکہ نوابی خاندان سے تھیں اس لئے خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کرتیں۔ غرضیکہ طرفین نے خوب خوب دل کھول کے ارمان نکالے۔ کرسمس کی تعطیلوں میں شادی ٹھہری تھی۔ دونوں طرف سے زور شور سے طیاریاں ہو رہی تھیں آخر خدا خدا کر کے دسمبر بھی آ گیا۔

سکینہ بیگم کا وسیع مکان بیاہ سے پندرہ روز قبل ہی مہمانوں سے بھر گیا اور نجمہ کو گیارہ دن پہلے سے مائیوں بٹھا دیا گیا۔ بلا وہ حامد حسین نے شاہد اور شہزادی بیگم کو بھی دیا تھا۔ شہزادی بیگم نے تو خط کا جواب ہی نہیں دیا۔ ہاں شاہد نے مبارکباد خط کے جواب میں لکھی اور شرکت کا وعدہ کیا تھا، لیکن ان دنوں میں ان کے ماموں علیل ہو گئے۔ اس لئے وہ فیض آباد چلا گیا۔ وہاں سے معذرت کے طول طویل خط کے ساتھ نجمہ کے لئے شادی کا تحفہ ایک خوبصورت سنگھار بکس بھیجا۔

بیگم صاحبہ نے بہت ٹھاٹ سے بارات چڑھائی بیش بہا مرصع زیورات مغرق جوڑے منوں میوہ اور نقل بہت تزک و احتشام باجوں جلوس و آرائش کے ساتھ لے کر آئیں۔ سکینہ بیگم دلہن کی ماں بن کر پھولوں نہ سماتی تھیں اور ہر ایک بیوی کو نجمہ کے مغرق جوڑے اور خوبصورت بیش بہا زیور فخریہ طور سے دکھا رہی تھیں۔

آخر کار ہزاروں آرزوؤں ارمانوں کے بعد وہ وقت بھی آ پہونچا کہ نجمہ اپنی عمر کی سترھویں بہار میں بیٹی سے بہو لڑکی سے دُلہن ہو گئی اور بیگم صاحبہ کی دلی مراد بر آئی۔

نجمہ کی زندگی سکینہ بیگم کے کہنے کے موافق بہت اچھی گذرنے لگی۔ ساس فدا نندیں شیدا اور شوہر تو اس کا عاشق زار تھا۔ اگر نجمہ کی تیوری پر بل آجاتا یا دشمنوں کا ذرا سا منہ بھی پھیکا ہو جاتا تو مقبول کی جان بر بن جاتی تھی۔ بیوی کی نظریں دیکھتا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ گھر بھر میں نجمہ کے خلاف ہوں بھی کر سکے۔

اچھے سے اچھا کھاتی بہتر سے بہتر پہنتی۔ لونڈیاں باندیاں دوا چھو چھو ہر وقت اللہ آمین کرتی رہتیں۔ جہاں وہ قدم رکھتی لوگ آنکھیں بچھاتے اکثر لڑکیاں ازدواجی زندگی میں داخل ہو کر کنوارپنے کی بے فکری کو یاد کرتی ہیں لیکن نجمہ کی یہ زندگی کنوارپنے کی زندگی سے کہیں زیادہ بہتر تھی پھر وہ اسی دور کو کیوں یاد کرتی۔ وہ ماضی سے بے خبر حال میں مگن اور مستقبل سے بے نیاز تھی۔ اس کا یہ دورِ زندگی بقول اس کی ماں کے پھولوں میں تلتے اور موتیوں میں رُلتے گزر رہا تھا۔

اس کو کبھی بھول کر بھی شاہد کا خیال نہ آتا تھا۔ زاہدہ اگر کبھی اس کا ذکر بھی کرتی تو وہ ایک مغرورانہ انداز سے منہ پھیر لیتی تھی۔

شاہد اب بفضلہ تعالیٰ ایم۔ اے کر چکے تھے یونیورسٹی میں اُن کا نمبر پہلا تھا۔ اب کوئی چھ ماہ سے وہ تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔

شادی کے نام سے بھی وہ اب بیزار تھے۔ شہزادہ بیگم ذکر بھی کرتیں تو وہ کہتے اماں اس ذکر سے میرے دل پر چوٹ لگتی ہے اور وہ بیچاری بھی بیٹے کو رنجیدہ دیکھ کر خاموش ہو جاتی تھیں۔

حامد حسین کو بھاوج کی ناراضگی اور یتیم بھتیجے کی خاطر شکنی کا دلی افسوس تھا لیکن بیوی کے ہاتھوں غریب مجبور تھے لیکن چاہتے تھے کہ کسی طرح شاہد کے ساتھ جو ناانصافی کی ہے اس کا بدل کر سکوں۔ دل ہی دل میں شاہد کے لئے کڑھتے رہتے تھے۔ نجمہ کی شادی کے ڈیڑھ سال بعد گونڈے گئے۔ اپنے سالے یعنی ڈاکٹر صاحب کے ہاں تو سُنا شاہد آجکل تبدیل ہو کر یہاں آگئے ہیں۔

بھتیجے سے جا کر ملے بھاوج کے قدموں میں ٹوپی ڈال کر معافی مانگی۔

شہزادہ بیگم نیکدل تھیں دیور کی معذرت پر دل صاف ہو گیا۔

آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔ بھیا تمہارا کیا قصور ہے۔ میری ہی قسمت بُری ہے۔ اگر قسمت اچھی ہوتی تو شاہد کا باپ ہی کیوں مرتا۔

جو ہونا تھا ہو گیا اب دل بھاری کرنے سے کیا ملے گا۔

خدا نجمہ کی کوکھ مانگ ٹھنڈی رکھے اپنی ہی بچی ہے۔ الٰہی دودھوں نہائے پوتوں پھلے۔

حامد حسین ندامت آمیز لہجہ میں بولے بھابی آپ نے قصور معاف کر دیا تو گھر بھی چلیئے۔ نجمہ کی ماں بھی اب بہت یاد کرتی ہیں نجمہ کے جانے سے گھر میں سناٹا ہو گیا ہے آپ سے بہت نادم ہیں کہتی ہیں بھابی جان سے کیونکر قصور معاف کراؤں۔ قسمت میں نجمہ کی یہ لکھا تھا۔ میری زبان چل گئی ایسا ان لوگوں نے مجبور کیا۔ مگر بھابی کے سامنے آنکھ نہ ہو گی۔

شہزادہ بیگم بولیں بھیا مجھے دُلہن یا تم سے ذرہ برابر گلہ نہیں قسمت کا لکھا اَن مٹ ہو۔ چلنے کو مجھے کیا انکار ہے لیکن شاہد کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں۔

شاہد کے گھر بسانے کا فکر بھی آپ نے کیا حامد حسین نے دبی زبان سے کہا۔

شہزادہ بیگم میری قسمت ایسی کہاں جو شاہد کی دلہن دیکھوں وہ یہ ذکر نہیں کرنے دیتا۔ اور میں بھی اس لئے نہیں کہتی کہ پہلے ہی ایک چرکا لگا ہے۔

حامد حسین۔ ہاں بھابی یہ تو ٹھیک ہے لیکن انسان کو واقعات کا مقابلہ کرنا ہی پڑتا ہو۔ شاہد جیسے لائق کو لڑکیوں کی کیا کمی آجکل اچھے لڑکے ملتے کہاں ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو میں ڈاکٹر صاحب کی لڑکی زاہدہ کے لئے کہوں۔ آپ کی تو دیکھی ہوئی ہے بڑی نیک اور عقلمند لڑکی ہے۔

شہزادہ بیگم ہاں لڑکی تو دسوں انگلیاں دسوں چراغ ہے۔ لیکن شاہد کرنے کا اقرار بھی کرے۔

حامد حسین۔ اب آپ اس کا فکر نہ کریں شاہد بڑا سعادتمند لڑکا ہو ضرور میرا کہنا مان لے گا۔

شہزادہ بیگم بولیں تو مجھے کب انکار ہے۔ بسم اللہ کرو۔

حامد حسین نے دوسرے ہی دن شاہد کو بھی رضامند کر لیا۔ جی تو شاہد کا نہ چاہتا تھا کہ اب شادی کرے۔ لیکن چچا کا پاسِ ادب ماں بھری ماں کے آرزو بھرے دل کا خیال کر کے جراٴت انکار نہ کر سکا اور سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔

(باقی آئندہ)

ہماری لڑکیوں کی اُستانیاں

(از جناب برجیس صاحبہ علیگڑھ)

تعلیم کو کوئی بُرا نہیں کہہ سکتا لیکن آج کل کی تعلیم کے جو نتائج نظر آرہے ہیں ان کو دیکھ کر لوگ تعلیم کو بُرا بھلا کہنے لگ جاتے ہیں بلکہ میں تو یہ کہونگی کہ یہ قصور لڑکیوں کا نہیں۔ مائیں اگر گھر پر لڑکیوں کی تربیت سے خود غافل ہوں تو اسکول کی اُستانیوں سے یہ توقع بیجا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تربیت کی طرف توجہ کرینگی۔

ہم کو پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ عام طور پر جو اُستانیاں سکولوں میں پڑھاتی ہیں وہ کس قسم کی ہوتی ہیں عام سکولوں میں تو عیسائی استانیاں ہوتی ہیں جن کے مذہب اور تربیت میں ہمارا اختلاف ہے گو مشن کے مدرسوں میں عیسائی مذہب کی تعلیم بھی ہوتی ہے اور دُعا بھی عیسائی مذہب والونکی تجویز کی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت اثر ضرور ہوتا ہے کم ازکم اپنے مذہب سے لاپروائی تو ضرور ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ناسمجھ بچیوں کے ساتھ عیسائی اُستانیاں بحث بھی کرنے لگ جاتی ہیں جس کا اثر ان کے خیالات پر ضرور پڑتا ہے۔

میں نے خود ایک لڑکی کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہماری اُستانی کہتی تھیں کہ روزہ رکھ کر اسکول میں نہ آیا کرو تم سے پڑھا نہیں جاتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ لڑکیاں اگر نماز پڑھنا چاہیں تو اسکول کے وقت میں ان کو اس غرض کے لئے چھٹی نہیں دی جاسکتی۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ لڑکیاں میٹرک کے امتحان تک مشن سکولوں میں پڑھتی ہیں۔ ان میں سے ایک آدھ لڑکی بالغ ہونے کے بعد عیسائی مذہب اختیار کرلیتی ہے۔

عیسائی اُستانیوں کی معاشرت عام طور پر مغربی طرز کی ہوتی ہے خواہ لباس ہندُستانی پہنیں ان کی بات بات میں مغربی معاشرت کا اثر ہوتا ہے۔ ان کی بات چیت ان کی حرکات سکنات میں مغربی انداز ہوتا ہے۔ کمسن لڑکیاں جو بالکل کچی سمجھ رکھتی ہیں ان کے زیر سایہ اگر

چھ گھنٹے تک ہر روز رہیں گی تو کیا کچھ اثر قبول نہ کرینگی۔

اب اگر ہم اپنے اسلامیہ سکولوں کو دیکھیں تو وہاں کیا نظر آتا ہے۔ اسلامیہ سکولوں میں بھی اُستانیاں عیسائی بھی ہوتی ہیں اور مسلمان بھی۔ مگر عیسائی اور مسلمان عیسائی میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہیٹ کی طرح ساڑھی ایک ایسی چیز ہے جس کے اندر مذہب چھپ جاتا ہے اس میں ہندو مسلمان اور عیسائی کی تمیز ہی نہیں ہوسکتی۔ جن بہنوں کو اپنی لڑکیوں کے دیکھنے کے لئے سکولوں میں جانا پڑتا ہے وہ میری اس بات کی تصدیق کرسکتی ہیں۔

عیسائی اُستانیوں کی معاشرت پر اگر اعتراض ہوسکتا ہے تو مسلمان اُستانیوں پر بھی وہی اعتراض وارد ہوسکتا ہے۔ مسلمان اُستانیاں خود اکثر مغربی معاشرت میں ڈوبی ہوئی ہوں تو وہ لڑکیاں کیسی اُٹھیں گی جن کو ہم برائے نام مسلمان استانیوں کے سپرد کرتے ہیں عیسائی اُستانیاں اسلامیہ مدرسوں میں تو عیسائی مذہب کی تعلیم نہیں دے سکتیں بلکہ اور باتوں میں بھی جھجکیں گی۔ مگر مسلم استانیاں ہر طرح سے آزاد ہیں جو چاہیں گی لڑکیوں کے کان میں ڈالیں گی۔

کچھ دن ہوئے میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ مصر میں اُستانیوں کو بناؤ سنگھار اور پوڈر، وغیرہ لگا کر مدرسوں میں آنے کی اجازت نہیں تاکہ جو لڑکیاں ان کے پاس پڑھتی ہیں ان پر ان کے بناؤ سنگھار کا اثر نہ ہو۔ ٹرکی میں بھی کچھ ایسی ہی ہدایات ہیں جن کی پابندی اُستانیوں پر لازمی ہے مگر ہندوستان میں کوئی پابندی نہیں۔ مسلمان استانیاں پوری طرح آزاد ہیں۔

اسلامیہ سکولوں کی موجودگی میں اگر لڑکیاں مشن سکولوں میں تعلیم پائیں تو مسلمانوں کے لئے شرم کا باعث ہے۔ مگر ایک مشن سکول اور مسلمان سکول میں کچھ امتیاز تو ہونا چاہیئے۔ منتظمین مدرسہ کا فرض ہے کہ جن مسلمان اُستانیوں کو وہ اپنے سکولوں میں جگہ دیں ان کی طرف سے ہر طرح سے اطمینان ہونا چاہیئے۔ ان کے مذہبی خیالات ان کی معاشرت اور ان کی نیک چلنی سب باتوں کو دیکھنا چاہیے۔

ہم کو ہرگز ایسی تعلیم کے لئے اپنی لڑکیوں کو اسلامی مدرسوں میں نہیں بھیجنا چاہیئے جہاں کتابی تعلیم تو دی جائے مگر مذہب کا کچھ پاس نہ رکھا جائے۔ اکثر اسلامیہ مدارس میں دینیات کی کوئی کتاب تک

پڑھائی نہیں جاتی۔ اسلامیہ سکول کی اُستانیاں صرف وہی رکھی جانی چاہیئے جو اسلام کی پابند ہوں اپنے اعلیٰ اخلاق کا اثر لڑکیوں پر ڈال سکیں اور مسلمان خواتین کو چاہیئے کہ وقتاً فوقتاً اسلامیہ مدارس میں جاکر اپنا کچھ وقت صرف کریں اور دیکھا کریں کہ مسلمان استانیاں کس رنگ ڈھنگ میں ہیں۔ مرد زنانہ مدرسوں میں نہیں جاسکتے اور جن مردوں کو خود مذہب سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی وہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا کیا انتظام کرسکتے ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مردوں کی لاپروائی کا نتیجہ ہم بھگت رہی ہیں ہم کو اپنی بہبودی کا خود خیال کرنا پڑے گا۔

لکھنؤ کے ایک بڑے رئیس کی صاحبزادیوں کے لئے ایک معلمہ کی ضرورت ہے۔ جو فارسی عربی کی معقول تعلیم دے سکے۔ انگریزی بھی جانتی ہو تو بہتر ہے۔ سن رسیدہ شیعہ مذہب ہونا ضروری ہے خط وکتابت حسب ذیل پتہ سے کریں

فخر جہاں۔ دفتر انیس نسواں دہلی

کچھ عرصہ سے جہاں اور مشکلات یعنی کاغذ کی گرانی ہے۔ چیز کی کمیابی سے دقت ہو رہی تھی۔ وہاں ایک سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر ہے کہ اڈیٹر صاحب کی طبیعت بہت علیل ہے ڈیڑھ مہینہ سے انہیں بخار آرہا ہے کسی طرح افاقہ نہیں ہوتا۔

ناظرین اور ناظرات انیس نسواں بارگاہ خداوندی میں ان کے لئے دعائے صحت فرمائیں۔

پریشان خاطر
جائنٹ اڈیٹر

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

آہ میرے سرتاج

اور انیس نسواں کی بیوگی

اکرام جو دہلی میں وہ اک کانِ ادب تھے	افسوس ہے دنیا سے گئے جانِ ادب تھے (زیر جہاں شجاع)

میں نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ ناظرات اور ناظرین انیس نسواں کو اطلاع دیتی ہوں کہ ۲۴ مئی کو میرے سرتاج شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹرایٹ لا ایڈیٹر رسالہ انیس نسواں رحلت فرما گئے۔

میں دنیا میں سہاگن آئی تھی اور میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ اس دنیا سے سہاگن ہی رخصت ہوں۔ مگر آہ میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان ختم کر کے مجھے رنڈ سالہ پہنا گئے اور میری بیوگی کے ساتھ انیس نسواں کا بھی سہاگ اُجڑ گیا

شیخ صاحب چار مہینے بیمار رہے اُٹھنے بیٹھنے اور لکھنے کی ان میں طاقت نہ رہی تھی۔ مگر اس مرض الموت میں بھی انیس نسواں کا برابر خیال رہا۔ اور ۱۰۱ اور ۱۰۲ بخار میں جب بیہوشی سے ہوشیار ہوتے تو انیس نسواں کی بابت ہی مجھ سے سوال کرتے۔ ہر وقت انیس نسواں کا ہی دھیان تھا اور اسی ذکر اور فکر میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی انا للہ و انا الیہ راجعون

اب کہ میرا دل و دماغ اس صدمہ جانکاہ نے بیکار کر دیا ہے مگر میری دلی آرزو یہ ہے کہ انیس نسواں جو انکی نشانی ہے انکی یادگار میں قائم رہے۔ مجھ سے جو کچھ خدمت ہو سکتی ہے اس کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے اب دنیا میں کرنا ہی کیا ہے خداوند کریم مجھے ہمت دے اور توفیق کہ میں اپنی بقیہ زندگی اسی رسالہ کی خدمت میں گزار دوں۔ اپنی اس آرزو اور تمنا کا اظہار انیس نسواں کے خریداروں کے سامنے پیش کرتی ہوں انیس نسواں کے خریدار اگر مسلمان عورتوں کیلئے اس رسالہ کی ضرورت کو محسوس کریں تو وہ اس پرچہ کی بقا کے لئے میری مدد فرمائیں۔ کیونکہ ان کی مدد کے بغیر میں اکیلی دُکھیا اور غمزدہ کچھ بھی نہیں کر سکتی ہوں۔ اس پرچہ کی مالی حالت پہلے ہی خراب تھی (مگر خود موجود تھے اور اس کا انتظام کر رہے تھے) اور اب میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں اس رسالہ کی مالی حالت کو آپ بہتر بنائیں اور اس کے لئے خریدار بھی مہیا کریں جو مضمون نگار ہیں وہ اس کی قلمی امداد فرما کر اس کی اعانت فرمائیں اور مجھ کو ممنون احسان کریں۔

اپریل مئی کا رسالہ ان کی شدید علالت اور پھر ان کے رخصت ہونے کی وجہ سے وقت پر شائع نہ ہو سکا۔ اس صورت میں سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا تھا کہ چند صفحے بڑھا کر اپریل اور مئی دو ماہ کا یہ پرچہ شائع کیا جاتا تاکہ آئندہ وقت پر اُسکی اشاعت ہو سکے۔

میں پھر عرض کرتی ہوں کہ میرے پاس کچھ اثاثہ تو نہیں ہے مگر خداوند کریم کے بھروسہ پر گو میں خود کسی قابل بھی نہیں ہوں اپنی بہنوں کی خدمت کو حاضر ہوں وہ مجھ سے خدمت لیں اور اس رسالہ کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔ انیس نسواں کا جاری رہنا اپنے معیار پر اسکی روش کا قائم رکھنا حقیقت یہ ہے کہ اس کے خریداروں اور مضمون نگار انیس نسواں پر منحصر ہے۔ میں تو اپنی بہنوں کی ادنیٰ کنیز ہوں۔

آئندہ پرچہ اکرام نمبر شائع ہوگا اسکے لئے مضمون نگاروں سے التماس ہے کہ وہ اسکے لئے نظمیں اور مضامین جہاں تک جلدی ہو سکے بھیجوا کر مجھے ممنون فرمائیں۔

خادمہ اسلام شمس النساء بیگم جائنٹ ایڈیٹر انیس نسواں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انیسِ نسواں

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دل آویز مخزن

جو

دہلی سے ماہانہ شائع ہوتا ہے

سالانہ چندہ معاونین سے دس روپے عام شائقین سے پانچ روپے فی پرچہ آٹھ آنہ ششماہی تین روپے محصول ڈاک قسم دوم سالانہ چندہ تین روپے

نمبر ۴ و ۵	فہرست مضامین بابتہ ماہ اپریل و مئی سنہ ۱۹۴۱ء	جلد ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ کے مطالب

(گزشتہ سے پیوستہ)

مسلمانو! خدا کی راہ میں جو کچھ محنت مزدوری یا تجارت سے کمایا ہو، تم اس میں سے خرچ کرو، یا جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین میں پیدا کر دیتے ہیں، اُس میں سے نکالو، کوئی صورت ہو، لیکن چاہئے کہ خدا کی راہ میں خیرات کرو تو اچھی چیز خیرات کرو۔ ایسا نہ کرو کہ پیداوار میں سے کسی چیز کو ردّی اور خراب سمجھ کر خیرات کر دو کہ بیکار کیوں جائے خدا کے نام پر نکال دیں حالانکہ اگر ویسی چیز تمہیں دی جائے تو تم کبھی اسے خوشدلی سے نہ لو مگر یہ کہ جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لو پھر جو چیز خود اپنے نفس کے لئے پسند نہیں کر سکتے، اپنے محتاج بھائیوں کو دینا کیونکر گوارا کر لیتے ہو۔ یاد رکھو اللہ کی ذات بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے۔

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اللہ اپنی طرف سے قصوروں کی معافی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے۔

پس شیطانی وسوسوں پر کاربند نہ ہو۔ خدا کی بتلائی ہوئی راہ اختیار کرو۔ اور یاد رکھو، اللہ بڑی وسعت رکھنے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

وہ جسے چاہتا ہے ہر بات کی سمجھ دیتا ہے، اور جس کو سمجھ دی گئی۔ تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی اور نصیحت بھی وہی مانتے ہیں جو سمجھ دار ہیں۔

اور دیکھو، خیرات کی قسم میں سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یا خدا کی نذر ماننے کے طور پر جو کچھ نذر مانو، تو یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے علم سے وہ پوشیدہ نہیں ہے وہ سب کچھ جانتا اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ پس جو کوئی اپنی نذر ادا نہ کریگا یا وہ جو خدا کے علاوہ غیر کی منت مان کر خدا کا حق مارتے ہیں قیامت کے دن کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

اگر تم بغیر اس کے کہ دل میں نام و نمود کی خواہش ہو۔ کھلے طور پر خیرات کرو، تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ اگر

پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے دو، تو اس میں تمہارے لئے بڑی ہی بہتری ہے اور یہ تمہارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گی اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔

اے پیغمبر تم پر کچھ اس بات کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ ہدایت قبول ہی کرلیں تمہارا کام صرف راہ دکھا دینا ہے یہ کام اللہ کا ہے کہ جسے چاہے راہ پر لگا دے (پس تم لوگوں سے کہہ دو) جو کچھ بھی تم خیرات کروگے تو اس کا فائدہ کچھ مجھے نہیں مل جائے گا، اور نہ کسی دوسرے پر اس کا احسان کروگے خود اپنے ہی فائدے کے لئے کروگے اور تمہارا خرچ کرنا اسی غرض کے لئے ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کی راہ میں خرچ کرو۔ سو اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو تو ممکن نہیں کہ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہاتھ رُک جائے اور پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو کچھ تم خیرات کروگے تو (خدا کا قانون یہ ہے کہ) اس کا بدلہ پوری طرح تمہیں دیدیگا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی تمہاری حق تلفی نہ ہوگی (مکافات الہیٰ کی بخشش اور ناپ تول میں کبھی کمی بیشی یا غفلت نہیں ہوسکتی۔

خیرات تو اُن حاجت مندوں کا حق ہے، جو دنیا کے کام دھندوں سے الگ ہوکر اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں۔ یعنی صرف اسی کام کے ہورہے ہیں۔ انھیں یہ طاقت نہیں کہ معاش کی جستجو میں نکلیں اور دوڑ دھوپ کریں پھر باوجود فقر و بے مایگی کے ان کی غیرت اور خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف آدمی دیکھے تو خیال کرے کہ انھیں کسی طرح ضرورت نہیں تم ان کے چہرہ دیکھ کر ان کی حالت جان سکتے ہو، لیکن وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے اور یاد رکھو تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کروگے تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے۔

جو لوگ رات کی تاریکی میں اور دن کی روشنی میں، پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو یقیناً اُن کے پروردگار کے حضور اُن کا اجر ہے نہ تو ان کے لئے عذاب کا ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جو لوگ حاجت مندوں کی مدد کرنے کی جگہ اُلٹا اُن سے سود لیتے اور اُس سے اپنا پیٹ پالتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے ظلم و ستم کا نتیجہ اُن کے آگے آنے والا ہے وہ کھڑے نہیں ہوسکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو اور جس کے حواس کھوئے ہوئے ہوں یہ اسلئے ہوگا کہ انھوں نے سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا اور کہا کہ خرید و فروخت یعنی سوداگری بھی ایسی ہی ہے۔ جیسے

قرض دیکر سود لینا حالانکہ خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھیرایا ہے اور سود کو حرام دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہوسکتی ہیں۔ سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی، اور وہ آئندہ سود لینے سے رُک گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہوچکا، اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہو وہ اپنے فضل و رحمت سے بخشدینے والا ہے لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے سود خواری کو مٹانا چاہتا ہے جس کا مقصد حاجتمندوں کو برباد کرکے خود فائدہ اُٹھانا ہے اور خیرات کے جذبہ کو بڑھانا چاہتا ہے جس کا مقصد حاجت مند کی حاجت روائی کرنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کی جگہ فائدہ پہنچانا ہے تمام ایسے لوگوں کو جو نعمت الہٰی کے ناشکرگزار اور نافرمان ہیں، اس کی خوشنودی حاصل نہیں ہوسکتی۔

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اُن کے کام بھی اچھے ہیں، نیز نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بلاشبہ ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو، تو اس سے ڈرو، اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ممانعت کے بعد بھی سود کے پیچھے پڑے رہے تو پھر اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ کیونکہ ممانعت کے صاف صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا اللہ اور رسول کے برخلاف جنگ آزما ہوجانا ہے، اور اگر اس مخالفانہ روش سے توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور بقیہ سود چھوڑ دو۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔

اور اگر ایسا ہو کہ ایک مقروض تنگ دست ہے اور فوراً قرض ادا نہیں کرسکتا تو چاہئے کہ اُسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ ایسے تنگ دست بھائی کو اُس کا قرض بطور خیرات کے بخشدو۔

اور دیکھو، اس دن کی پرسش سے ڈرو، جبکہ تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے، اور پھر ایسا ہوگا کہ ہر جان نے اپنے عمل سے جو کچھ کمایا ہے، اس کا بدلہ پورا پورا اسے مل جائیگا یہ نہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی ہو۔

مسلمانو! جب کبھی ایسا ہو کہ تم خاص میعاد کے لئے اُدھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو چاہئے کہ اسے قیدِ کتابت میں لے آؤ۔ اور تمہارے درمیان ایک کاتب ہو جو دیانت داری کے ساتھ دستاویز قلمبند کردے کاتب کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے کہ جس طرح اللہ نے اُسے دیانت داری کے ساتھ لکھنا تبلادیا ہے اُس کے مطابق لکھ دے۔ کاتب کا فرض ہے کہ اگر ایمانداری کے ساتھ اس کام کو انجام دے۔

لکھا پڑھی اس طرح ہو کہ جس کے ذمہ دینا ہے وہ مطلب بولتا جائے، اور کاتب لکھتا جائے۔ اور چاہئے کہ ایسا کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا دل میں خوف رکھے جو کچھ اس کے ذمہ آتا ہے اُس میں کسی طرح کی کمی نہ کرے۔ ٹھیک ٹھیک اعتراف کرے۔

اگر ایسا ہو کہ جس کے ذمے دینا آتا ہے وہ بےعقل ہو یا ناتوان ہو یعنی لین دین اور معاملہ کرنے کی سمجھ نہ رکھتا ہو یا اس کی لیاقت نہ رکھتا ہو کہ خود کہے اور لکھوائے، تو اس صورت میں چاہئے، اُس کی جانب سے اس کا سرپرست دیانت داری کے ساتھ مطلب بولتا جائے۔

اور جو دستاویز لکھی جائے۔ اس پر اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ کرلو۔

اگر دو مرد نہ ہوں، تو پھر ایک مرد کے بدلے دو عورتیں جنھیں تم گواہ کرنا پسند کرو۔ اگر گواہی دیتے ہوئے ایک عورت بھول جائے گی، دوسری یاد دلا دے گی۔

اور جب گواہ طلب کئے جائیں تو گواہی دینے سے گریز نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، جب تک میعاد باقی ہے دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک اس میں تمہارے لئے انصاف کی زیادہ مضبوطی ہے شہادت کو اچھی طرح قائم رکھنا ہے اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دینا ہے کہ آئندہ شک و شبہ میں نہ پڑو۔

ہاں اگر ایسا ہو کہ نقد لین دین کا کاروبار ہو جسے تم ہاتھوں ہاتھ لیا دیا کرتے ہو تو ایسی حالت میں

کوئی مضائقہ نہیں اگر لکھا پڑھی نہ کی جائے۔

لیکن تجارتی کاروبار میں بھی سودا کرتے ہوئے گواہ کر لیا کرو تاکہ خرید و فروخت کی نوعیت اور شرائط کے بارے میں بعد کو کوئی جھگڑا نہ ہو جائے۔

اور کاتب اور گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے یعنی اس کا موقعہ نہ دیا جائے کہ اہل غرض ان پر دباؤ ڈالیں، اور سچی بات کے اظہار سے مانع ہوں اگر تم نے ایسا کیا، تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہوگی۔

اور چاہئے کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو وہ تمہیں فلاح و سعادت کے طریقے سکھلاتا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اور اگر تم سفر میں ہو، اور ایسی حالت ہو کہ باقاعدہ لکھا پڑھی کرنے کے لئے کوئی کاتب نہ ملے تو اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز گرو رکھ کر اُس کا قبضہ قرض دینے والے کو دیدیا جائے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کا اعتبار کرے، تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے (یعنی جس کا اعتبار کر کے گرو کی چیز اُس کی امانت میں دیدی گئی ہے) وہ قرض کی رقم لے کر مقروض کی امانت واپس کر دے، اور اس بارے میں اپنے پروردگار کی پرسش سے بے خوف نہ ہو۔

اور دیکھو، ایسا نہ کرو کہ گواہی چھپاؤ اور کسی کے خوف یا طمع سے حقیقت کا اظہار نہ کرو جو کوئی گواہی چھپاوے گا وہ اپنے دل میں گنہ گار ہوگا۔ اگرچہ بظاہر لوگ اس کے جرم سے واقف نہ ہوں اور اُسے بے گناہ سمجھیں اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں۔

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے اس کے حکم اور علم سے کوئی گوشہ باہر نہیں۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اُسے ظاہر کرو، یا پوشیدہ رکھو، ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے، وہ تم سے ضرور اس کا حساب لے گا۔ تم اپنے دلوں کا گناہ دنیا کی نظروں سے چھپا سکتے ہو، لیکن خدا کے محاسبہ سے نہیں بچ سکتے اور پھر یہ اسی کے ہاتھ میں ہے کہ جسے چاہے بخشدے، جسے چاہے عذاب دے وہ ہر بات پر قادر ہے

اللہ کا رسول اس کلام پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر اسکی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ اس لئے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جُدا نہیں کرتے کہ اسے مانیں، دوسروں کو نہ مانیں۔ یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کر دیں۔ ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جب انھیں اللہ نے پکارا، تو انھوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے تیرا حکم سُنا اور ہم نے تیرے آگے اطاعت کا سر جھکا دیا۔ تیری مغفرت ہمیں نصیب ہو۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سب کو تیری طرف آخر لوٹنا اور تیرے حضور حاضر ہونا ہے۔

اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ ہر جان کے لئے وہی ہے۔ جیسی کچھ اس کی کمائی ہے جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے، اور جس کے لئے اسے جوابدہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو اس کے لئے مواخذہ نہیں کیجیو اور ہمیں بخش دیجیو اور اے ہمارے پروردگار ہم پر ویسی بندشوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا اُن لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں! اے پروردگار ایسا بوجھ ہم سے نہ اُٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم ناتوانوں میں سکت نہ ہو اور اے ہمارے پروردگار ہمارے قصوروں سے درگذر اور ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما۔ خدایا تو ہی ہمارا مالک و آقا ہے پس اُن ظالموں کے مقابلہ میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے ہماری مدد فرما۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

سورۃ البقرۃ ختم ہوتی ہے آیندہ پرچہ میں سورہ آل عمران کا ترجمہ شروع کیا جائے گا

جائنٹ ایڈیٹر

"سلام"

(از جناب آرزو صاحب سہارنپوری)

سلام اُس پر کہ جس نے دو جہاں کی پیشوائی کی
سلام اُس پر کہ جس نے کُل خُدائی پر خدائی کی

سلام اُس پر بتائی راہ جس نے کاروانوں کو
سلام اُس پر کہ ہر منزل کی جس نے رہنمائی کی

سلام اُس پر کہ جس نے حُسن کے اسرار سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے عشق کی عقدہ کشائی کی

سلام اُس پر لقب تھا رحمۃ اللعالمیں جس کا
سلام اُس پر قدم تھا زینتِ عرشِ بریں جس کا

سلام اُس پر جو طوفانوں سے بیڑے کو بچاتا تھا
سلام اُس پر جو غیروں کے لیے بھی دُکھ اُٹھاتا تھا

سلام اُس پر گذر کرتا تھا جو سوکھی کھجوروں پر
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اُس پر بسر کرتا تھا جو ٹوٹی چٹائی پر
سلام اُس پر مصیبت سہہ کے بھی جو مُسکراتا تھا

سلام اُس پر دلوں کو جس نے دامن کی ہوائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی دعائیں دیں

سلام اُس پر کہ جو تصویر تھا نورِ حقیقت کی
سلام اُس پر کہ جو تنویر تھا حسن و محبت کی

سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں غریبوں کی
سلام اُس پر کہ جس پر ختم تھی منزل سخاوت کی

سلام اُس پر نظر تھی جس کی مستقبل کے دامن پر
سلام اُس پر جسے آٹھوں پہر تھی فکر اُمت کی

سلام اُس پر بچائی زندگی کی آبرو جس نے
سلام اُس پر بتائے عقدہ ہائے رنگ و بو جس نے

سلام اُس پر مٹا دیں جس نے محکومی کی تاثیریں
سلام اُس پر بدل دیں جس نے انسانوں کی تقدیریں

سلام اُس پر کہ تھا قولِ خدا قولِ حسیں جس کا
سلام اُس پر کہ تھیں تفسیرِ قرآں جس کی تقریریں

سلام اُس پر کہ جس کی پہلی منزل لامکاں تک تھی
سلام اُس پر نہیں ممکن کسی سے جس کی تفسیریں

سلام اُس پر "مساواتِ عمل" کو جس نے سمجھایا
سلام اُس پر جو گمراہوں کو سیدھی راہ پر لایا

سلام اُس پر کہ جو بیکس نگاہوں کا مسیحا تھا
سلام اُس پر کہ جو ٹوٹی اُمیدوں کا سہارا تھا

سلام اُس پر کہ جس نے بینواؤں کو پناہیں دیں
سلام اُس پر کہ جو بحرِ مصیبت کا کنارا تھا

سلام اُس پر کہ جس پر جامۂ توحید موزوں تھا
سلام اُس پر کہ جو کونین کی آنکھوں کا تارا تھا

سلام اُس پر مہ و انجم نے بھی جس کی گواہی دی
سلام اُس پر غلاموں کو بھی جس نے بادشاہی دی

اے مسلماں ترا اللہ نگہبان رہے
نور ہے اور ترے ہاتھ میں قرآن رہے

عدل و انصاف کا گنجینہ بنے دل تیرا
جس سے مخلوق تری تابعِ فرمان رہے

تیری ملت کا نظارہ جہاں میں ہو ہمیشہ
رعب سطوت میں ہویدا تری شان رہے

اپنے مذہب کا بنائے تجھے خالق شیدا
قوم ملت کی ترقی کا بھی ارمان رہے

جامِ توحید سے دن رات تو سرشار رہے
عہد و پیماں پہ بھی قائم ترا ایمان رہے

دشمنِ دیں بھی ہو اللہ احد کہہ اُٹھے
پھر وہی رعب ترا اور وہی شان رہے

تیری ہر چال سے ہو شوقِ شہادت ظاہر
بزمِ عشاق میں تیری یہی پہچان رہے

چشم و ابرو کے اشاروں پہ ترا سر ہو خم
اور خدا حکمِ شریعت پہ تری جان رہے

اسلام میں عورت کی حیثیت

(از جناب مولوی ابن حسن صاحب شارق دہلوی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے

ادائیگی مہر متعدد مقامات پر کلام مجید میں تصریح کی گئی ہے کہ عورتوں کو اُن کے مہر کی رقم دے دو

والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان

اور اہل کتاب کی عورتیں بھی (تمہارے لئے حلال ہیں) بشرطیکہ اُن کے مہر اُن کے حوالے کر دو اور تمہارا ارادہ اُنکو نکاح میں لانے کا ہو نہ کھلم کھلا بدکاری کرنے کا نہ چوری چھپے یارانہ کرنے کا۔

لونڈیوں سے نکاح کرنے کی بھی اجازت دی ہے لیکن اُس میں بھی مہر کی شرط موجود ہے

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

لونڈیوں کے مالکوں کی اجازت سے اُن سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق اُن کے مہر اُن کے حوالہ کر دو۔

رسالتماب نے فرمایا ہے

احق ما اوفیتم به من الشروط ما استحللتم به الفروج

یعنی جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو اُن میں سب زیادہ ضروری اس شرط کا پورا کرنا ہے جس کی رو سے تم نے عورتوں کی ناموس اپنے لئے حلال کر لی ہے۔

ہندی مسلمان بالعموم مہر رسماً باندھتے ہیں اور شائد ایک ہزار آدمیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ ہو جس نے ناموس حلال کرنے سے پہلے بیوی کو اُس کا مہر ادا کر دیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں مہر اس لئے باندھے جاتے

ہیں کہ مرتے وقت معاف کرائے جائیں۔

پھر ادائگی مہر کے بعد اسلام نے بیویوں کے ساتھ زندگی میں روزانہ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔
(وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور معاشرت کرو عورتوں سے معقول طور پر) (وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً اور دو عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے)

اسلام نے روزانہ معاشرت میں عورتوں کے ساتھ لطف و محبت و یگانگت اور مساوات کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے۔

نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم تمہاری بیویاں گویا تمہاری کھیتی ہیں جس طرح چاہو جاؤ

جاہلیت میں دستور تھا کہ شوہر قسم کھالیتا تھا کہ میں اب اپنی بی بی کے پاس نہ جاؤں گا اور اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے اکثر ایسا ہوتا کہ فی الحقیقت مرد عورت کے پاس ہرگز نہ جاتا اگرچہ برائے نام وہ اُسی کی زوجہ سمجھی جاتی۔
چنانچہ فرمایا:۔

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ	ان لوگوں کو جو یہ قسم کھالیں کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس
اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ	نہ جائینگے اُن کو چار ماہ کا انتظار کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زوج مکان	اور اگر تم چاہو ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنی اور
زوج وآتیتم احدٰهن قنطارا فلا تاخذوا منه	دے چکے ایک کو (یعنی پہلی بیوی کو) خزانہ تو اب اُس سے
شیئا۔ اتاخذونه بهتانا واثما مبینا وکیف	کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم لینا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے
تاخذونه وقد افضیٰ بعضکم الیٰ بعض	اور کیونکر لے سکتے ہو حالانکہ ایک دوسرے تک پہنچ گیا
لا تخرجوهن من بیوتهن اسکنوهن من	(یعنی زناشوئی کے تعلقات وقوع میں آچکے)، اور
حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروا	عدت کے زمانہ میں عورتوں کو اُن کے گھروں میں سے
هن لتضیقوا علیهن وان اولات حمل	نہ نکالو اُن کو رہنے کا مکان دو جہاں تم خود رہتے ہو
فانفقوا علیهن حتیٰ یضعن حملهن فان ارضعن	اپنے مقدور کے موافق اور اُن کو نقصان نہ پہنچاؤ

لکم فاتوامن اجورھن واتمروا بینکم بالمعروف

دق کرنے کو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ جننے تک اُن کا نان نفقہ دو اور اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو ان کو اُجرت دو اور آپس میں نیکی کے ساتھ معاملہ کرو۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم ولا تنسوا الفضل بینکم ان اللہ بما تعملون بصیرہ

جب تک تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو (یعنی ہم بستر نہ ہوئے ہو) ایسی حالت میں اگر تم عورتوں کو طلاق دیدو تو اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور ان مطلقات کے ساتھ فارغ البال کو اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب کو اپنے مقدور کے مطابق سلوک کرنا لازم ہے اور اگر ہاتھ لگانے (یعنی ہم بستر ہونے) سے پہلے تم عورتوں کو طلاق دیدو اور اُن کے لئے مہر معین کر چکے ہو تو جو کچھ معین کر چکے ہو اُس کا آدھا دینا لازم ہے۔ اور آپس کے احسان کو مت بھولو۔ بیشک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے

حسن سلوک | حکیم بن معاویہ قشیری کا بیان ہے کہ

قلت یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمھا اذا طعمت وتکسوھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت

میں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص پر اُسکی بیوی کا کیا حق ہے فرمایا جس وقت تو کھائے اُسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے اُسے بھی پہنائے اور تو اس کے منہ پر نہ مارے اور نہ کہے کہ تیری شکل اچھی نہیں ہے اور (اگر آپس میں شکر رنجی ہو) تو گھر کے اندر ہی اپنے سے دور کرے

ایک اور حدیث ہے۔

استوصوا بالنساء خیرا فانھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک الا ان

عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ وہ صرف تمہارے عقد نکاح میں ہیں اس کے سوا تمہیں اُن پہ کچھ روا

یاتین بفاحشۃ	(ترمذی)	رکھنے کا کوئی اختیار نہیں ہے بجز اس صورت کے کہ وہ کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریں۔
والتی یاتین بفاحشۃ من نساءکم فاستشھدوا		اور تمہاری عورتوں میں سے جو فاحشہ ہو جائیں تو اُنکے
علیھن اربعۃ منکم فامسکوھن فی البیوت		خلاف چار گواہیاں اپنے لوگوں میں سے لو جب وہ
حتی یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن		گواہی دے دیں تو اُن کو مکانوں میں بند کر دو حتیٰ
سبیلا		کہ ان کو موت آجائے یا اللہ کوئی راستہ نکالدے

لفظ فاحشہ کے معنی مشکوٰۃ المصابیح میں۔ حد سے زیادہ بڑھ جانے والی عورت بے حیا بغیر اجازت خاوند باہر چلی جانے والی وغیرہ کے لکھے ہیں

خدا نے مکانوں میں بند کرنا اُن عورتوں کی سزا تجویز کی ہے جو خاوند کے بغیر اجازت باہر چلی جاتی تھیں اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں باہر آجا سکتی ہیں اور گھر میں قید کرنا گویا ان کو اُن کی نافرمانی پر سزا دینا ہے۔ افسوس! ہندوستان میں لاکھوں ناکردہ گناہ مُسلم عورتیں یہ سزا بھگت رہی ہیں۔ ایک اور موقع پر کہا ہے۔

والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم	اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تم کو خوف ہے اُن کو نصیحت کرو اور اُنکو چھوڑ دو۔ خوابگاہ میں اور اُنکو مارو
فلا تبغوا علیھن سبیلا	(خفیف طور پر) پھر اگر وہ کہنا مانیں تو حیلے نہ تلاش کرو

اس کی تفسیر میں لفظ نشزت کی تصریح ابو حیان نے بحر المحیط میں یہ کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مرد کے خلاف بغاوت کریں اور ایسی جگہ جائیں جہاں جانے سے اُن کو روکا جائے۔ صحاح۔ قاموس۔ اور تاج العروس میں بھی اس لفظ کی تصریح یہ ہے کہ وہ عورت جو مرد سے علیحدگی اختیار کرلے۔ ایسی عورت کے متعلق جو مرد کا کہنا نہ مانے اُس کے پاس نہ رہے خدا نے پہلے سمجھانے کا حکم دیا کہ نصیحت کرنا مستحب ہے پھر اس سے مفارقت کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد اگر عورت برگشتہ رہے تو اُسے مارنے کا حکم دیا گیا۔

وہ عورت جو مرد سے علیحدگی اختیار کرے صرف اسی عورت کو مارنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بھی اس صورت میں جب نصیحت بے کار ہو جائے ہندوستان میں صرف نمک تیز ہونے پر پھکنی اور دست پنے چلنے لگتے ہیں اور اگر

بیوی بغیر اجازت کسی رشتہ دار کے ہاں چلی گئی تو ناک چوٹی کی سلامتی نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کچھ عورتوں نے آکر آپ سے شکایت کی کہ انکے شوہر اُن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے آپ نے جملہ اصحاب حاضر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تم ان لوگوں کو اپنے بہترین آدمیوں میں سے نہ پاؤ گے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَآءِ کُمْ تم میں وہی لوگ اچھے ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہیں۔ اسلام وہ تہذیب بتاتا ہے جس پر اگر مسلمان کاربند ہو جائیں تو فی الحقیقت کوئی فتنہ برپا نہ ہو۔

اسلام ہم کو یہ تہذیب و معاشرت بتاتا ہے

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم	اے مسلمانو اپنے مکانوں کے علاوہ کسی مکان میں داخل
حتی تستانسوا و تسلموا	ہو مگر جب تک اجازت نہ طلب کر لو یا گھر والوں کو سلام نہ کر لو

پردہ

ایک حرہ مومنہ کا ستر اجنبی مرد کے سامنے یہ ہو کہ وہ چہرہ اور ہاتھوں کو چھوڑ کر اپنا سارا جسم چھپائے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم	اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نیچی نظریں رکھیں اور اپنی شرم
ذلك ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون ٥	گاہوں کی حفاظت کریں اس میں زیادہ صفائی ہے ان کیلئے جو
وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن	کچھ بھی وہ کرتے ہیں اللہ کو سب خبر ہے اور اے پیغمبر مسلمان
فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضر	عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم
بن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا	گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے زینت کے مقامات کو
لبعولتھن او ابائھن او اباء بعولتھن او ابنائھن	ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اسکے جو چارو ناچار کھلا رہتا ہو
او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی	اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کا بُکل مارے رہیں اور اپنے
اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن	زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں
او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او	پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے
طفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء و لا	بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی میل جول کی عورتوں
یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن الخ	پر یا اپنے ہاتھ کے مال یعنی لونڈی غلاموں پر یا گھر کے لگے

ہوئے ایسے خدمتگار [illegible]

پرَن

(محترمہ سعدیہ خاتون صاحبہ اثمہ)

اپنے ایک بزرگ کے نام سے جو لطیفوں اور چٹکلوں کے زور پر پردہ ترک کرانا چاہتے ہیں :۔۔۔۔

بتو اے باش وپنہاں شو ازیں عصر　　کہ در آغوش شبیرے بگیری

میرے ایک دوست یورپ گئے، چندے قیام کے بعد وہاں سے واپس ہوئے تو اُن کی سیرت، نفسیات، کردار اور انداز تفکر میں ایسا عجیب و شدید انقلاب و تغیر ہو چکا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔

سفر سے پہلے ان کے خدوخال میں وہ کیفیات تھیں جو کسی دوشیزہ کے چہرہ پر شب عروسی ہوتی ہیں، اور واپس ہوئے تو ان کا چہرہ اُس سخت اور چکنے پتھر کی مانند بے رونق تھا جو بارش کی تاریک رات میں بھیگتا رہا ہو۔

اُن کی معصومیت، فروتنی، خلوص، ہمدردی، چشم پوشی، عفو و درگذر، وسعت قلب، سلامت ذوق، بلند طبعی، سنجیدہ گفتاری اور تمام صفات حمیدہ و خصائل پسندیدہ تندخوئی، کبر و خود پسندی، عجب و نخوت، تنگ دلی، کم نگاہی، عیب جوئی، نکتہ چینی اور دوسرے باطنی و ظاہری معائب و مثالب بدل گئے تھے۔ اب وہ ایک مغلوب الغضب انسان تھے جن کا کوئی لمحہ خالق کائنات اور نظام قدرت پر نکتہ چینی سے خالی نہ گذرتا۔ اُن کا سر جو پہلے حکمت و دانش کا خزانہ تھا اب محض کھوکھلا ہو کر رہ گیا جس میں کبر و غرور کی بادتند کے سوا کسی چیز کا گذر نہ تھا۔ جب تشریف لے گئے تو دین و وطن انھیں ہر چیز سے زیادہ محبوب تھے اور لوٹے تو اُن کی نگاہ میں ان دونوں سے زیادہ ہیچ و بے حقیقت کوئی شے نہ تھی۔

پہلے میں یہ سمجھا کرتا تھا کہ یورپ سے واپس آنے والے نوجوانوں میں یہ تغیرات محض سطحی اور بے حقیقت ہوتے ہیں۔ یہ محض ان کا ظاہری رنگ ہے جو آفتاب مشرق کے طلوع ہوتے ہی ذروں کی طرح منتشر ہو کر فضا میں غائب ہو جاتا ہے۔ ان کے باطن کو ایک آئینہ سمجھنا چاہئے، جب تک تصویر سامنے ہوتی ہے عکس موجود

رہتاہے۔ تصویر ہٹی اور عکس غائب۔ اور یہی وہ خیال تھا جس نے مجھے اپنے دوست کے مستقبل سے ناامید نہ ہونے دیا۔ میں اُن سے دوستی نباہتا رہا اور اس سلسلہ میں اُن کے اوہام واباطیل، اُن کی کج فہمیاں، اُن کے فکر و نظر کی ہرزہ کاری اور اُن کی گوناگوں حماقتیں جھیلتا اور برداشت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ واقعہ پیش آیا جس نے صبر و ضبط کے ہر بند کو توڑ دیا۔ وہ دن میرے اور اُن کے تعلقات کا آخری دن تھا!!

میں اُن سے ملنے گیا، وہ کچھ کھوئے ساکت و صامت بیٹھے تھے۔ میرے سلام کا جواب بھی انہوں نے اشارے سے دیا۔ بیٹھنے کے بعد میں نے اُن سے دریافت کیا کہ اُن کی اس محویت اور بیخودی کے اسباب کیا ہیں۔ کہنے لگے

"اس عورت نے میرے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ خدا معلوم اس کے ساتھ میرا کیا انجام ہونے والا ہے"

"کون عورت کس نے آپ کا عیش مکدر کر رکھا ہے۔ کس کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ حضرت معلوم تو ہو"

"وہی، جسے لوگ میری بیوی کہتے ہیں اور جو میرے نزدیک میری تمناؤں اور آرزوؤں کی راہ میں سنگِ گراں سے کم نہیں"

"آپ کی آرزوئیں اور تمنائیں تو ایک سلسلۂ غیر متناہی ہیں۔ فرمائیے تو سہی وہ کیا آرزو ہے جس کی تکمیل کے لئے آپ اس درجہ مضطر ہیں؟"

"صرف ایک آرزو، اور وہ یہ کہ ایک بار بند کرنے کے بعد جب آنکھ کھولوں تو مجھے اس شہر میں کسی عورت کے چہرہ پر نقاب اور جسم پر برقعہ نظر نہ آئے"۔

"یہ تو آپ کے بس کی بات نہیں اور نہ اس قسم کی کسی آرزو کو اپنے دل میں جگہ دینے کا آپ کو کوئی حق ہے"

"یہ تنہا میری آرزو نہیں، شہر میں کتنے ذی علم اور روشن خیال لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ اُن کی عورتیں بے حجاب و بے نقاب منظرِ عام پر آئیں اور مردوں میں اسی طرح گھل مل کر رہیں جس طرح مرد آپس میں رہتے ہیں۔ لیکن اُن کے قلوب جرأت و ہمت سے خالی ہیں۔ ہم مشرقیوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب کسی اہم اقدام کا ارادہ کرتے ہیں تو حوصلے اور عزائم ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ قوم عاد کے زمانہ کی اس

بنیاد کو جو ہماری سعادت و فلاح کی راہ میں کھڑی ہے. ڈھا دینے کا فخر سب سے پہلے میں حاصل کروں گا اور ایک بار وہ کر کے دکھا دوں گا جس کے کرنے سے وہ لوگ بھی قاصر رہے ہیں جو پلیٹ فارم پر انتہائی بلند آہنگی کے ساتھ حریت و آزادی اور تہذیب و روشن خیالی کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب عمل کا ارادہ کرتے ہیں تو کرہ زمہریر کی طرح اُن کے پاؤں کانپنے لگتے ہیں!

آج میں نے اس خیال کو اپنی بیوی سے ظاہر کیا اور اس سے خواہش کی کہ وہ اس تحریک کی پیشوائی کی سعادت حاصل کرے، مجھے بڑی حیرت ہوئی جب اُس نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے میں نے اُسے کسی بلائے عظیم کے نزول کی اطلاع دی ہو۔ اُس کے ہوش و حواس مختل ہو رہے ہیں۔ مردوں میں بے نقاب ہونے سے وہ اتنا لرزہ براندام نہیں جتنا اس تصور سے کہ شرم و خجالت کے سبب اپنی ہمسر عورتوں کو کیا منہ دکھلائیگی: تنہا یہ خوف اس کے لئے وجہ اضطراب بنا ہوا ہے ——— یہ شرم و حیا نہیں موت اور بے حسی ہے: یہ جاہل عورتیں تمام عمر پردہ و نقاب اور چہار دیواروں کی قبریں گذار دیتی ہیں یہاں تک فرشتہ اجل آکر انھیں دنیا کی قبر سے آخرت کی گود میں منتقل کر دے!

میں نے اپنی اس تمنا کو عملی جامہ پہنانے کا عزم بالجزم کر لیا ہے کہ اس سر کا علاج ہوگا یا لوٹ کر رہیگا!

مجھے اس کی اس گفتگو سے روحانی اذیت ہوئی، میں نے اپنے غم و غصہ کو ضبط کرتے ہوئے اور اُسکی عقلی بیچارگی پر ترس کھاتے ہوئے اُس کی جانب ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔ میرے دوست کاش تمھیں معلوم ہوتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو"

"میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی واقعیت پر کامل اعتماد رکھتا ہوں آج آپ، اور آپ جیسے دوسرے حضرات اس کی واقعیت کا اعتراف نہ کریں لیکن ایک دن آئیگا کہ آپ اس حقیقت کو بچشم خود دیکھیں گے"

"میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کیا آپ پوری راستبازی اور دیانت سے اُس کا جواب دینگے؟"

"ضرور فرمائیے"

"آپ اتنے دن ایک ایسی فضا میں رہے جہاں عورتیں پردہ و حجاب کی قید سے یکسر آزاد ہیں اور

غیر مردوں میں اختلاط کے اُن تمام حقوق سے متمتع ہیں جن سے ایک مرد غیر عورتوں سے ملنے کے معاملہ میں ہوتا ہے کیا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی عورت کی جانب (جو کسی دوسرے کی بیوی ہو) آپ کا دست ہوس دراز ہوا ہو اور کامیاب لوٹا ہو؟"

"ایسا اکثر ہوا، اس سلسلہ میں مجھے کبھی ناکامی نہیں ہوئی"

"میرے عزیز میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ کل جس طرح دوسروں کی بیویاں اور ان کی عزت وآبرو آپ کے لئے سرمایہ تفریح رہی ہے مجھے خطرہ ہے کہ آپ کی عزت وآبرو اور آپ کی بیوی بھی دوسروں کے لئے تسکین نفس اور زینت آغوش بنے گی"

"ایک شریف عورت کی عفت و پاکبازی ہی وہ قلعہ ہے جس میں بوالہوسی اور حرص وآز کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ مردوں میں بے نقاب رہ کر بھی اپنی عصمت برقرار رکھ سکتی ہے"

اُسکے اس جواب سے میں بے قابو ہو گیا، میرا دماغ کھولنے لگا اور صبر وضبط کی تاب نہ رہی۔

"اے ضعیف العقل نوجوانو! یہی وہ فریب ہے جس میں شیطان نے تم کو مبتلا کر رکھا ہے، وہ اسی راہ سے تمہارے ذہن وقلب کے بعید ترین گوشوں اور تہ خانوں میں داخل ہوتا ہے اور اس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک کہ تمہارے فکر ونظر کی تمام صلاحیتوں کو قطعاً بیکار و فاسد نہ کر دے۔ شرافت کا وجود اب محض کتابوں میں ہے۔ مجمع انسانی میں اس کی جستجو عبث ہے"

نفس انسانی ایک ساکن وشفاف آبگینہ ہے، اس کے تمام صفات اس وقت تک ہیں کہ کوئی پتھر اس میں تموج پیدا کر کے اسے گدلا نہ کر دے۔ عفت و پاکبازی فطرت آدم کا ایک رنگ ہے، جو عرض ہوتا ہے جوہر نہیں، اور اعراض کا یہ عالم ہے کہ آفتاب کی تیز و تند کرنوں کے سامنے پادر ہوا ثابت ہوتے ہیں"

"تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ شرف و عزت کا حقیقتاً دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں"

"جی نہیں، مقصد یہ ہے کہ یہ جوہر نایاب اُن کم حیثیت اور کم مایہ لوگوں میں تو تلاش کیا جا سکتا ہے جنھیں نشاط و رنگ کی آسانیاں حاصل نہیں لیکن اُس مرد کے وجود سے اس صفت کو متعلق کرنا جس کے دست ہوس کے لئے کوئی مانع نہ ہو اور اس عورت میں جو حریر کی سی فطرت رکھتی ہو، نازک بدن، نرم خو

اور ساتھ ہی ساتھ فن عشوہ گری میں پختہ کار ہو، اس گوہر گراں مایہ کی جستجو ایک سعی رائیگاں سے زیادہ کچھ نہیں۔

آپ نے عورتوں کو بے نقاب دیکھنے کے لئے کس فضا کا انتخاب کیا ہے؟ کیا نام نہاد روشن خیال اور تعلیم یافتہ افراد کی سوسائٹی اس کے لئے موزوں ہے۔ حالانکہ ان ہی میں وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک سے کسی نے پوچھا قبلہ شادی کیوں نہیں کرتے تو جواب ملا۔ ضرورت؟ شہر کی تمام عورتیں میری بیویاں ہیں!

کالجوں، یونیورسٹیوں اور طالب علموں کے درمیان آپ عورت کو بے پردہ دیکھنا چاہتے ہیں؟ در آنحالیکہ اُنکا یہ عالم ہے کہ ہم چشموں سے مجوب ہوتے ہیں اگر مطلوب حسیناں ہونے کی سعادت اُنھیں حاصل نہیں یا اُن کا بکس، تصویر بتاں اور حسینوں کے خطوط سے خالی ہو۔

عوام اور کم حیثیت لوگوں کے احول کو آپ نے بے پردگی کے لئے موزوں سمجھ رکھا ہے، ان میں بھی آپ کو اکثر خوش قسمت ایسے ملیں گے جو ایک ذلیل خادم کی حیثیت سے گھر میں داخل ہوئے اور باعزت داماد بن کر نکلے؛

ان سب باتوں کو جانے بھی دیجئے لیکن آخر عورت کے مسئلہ سے آپ حضرات کو اس قدر شغف کیوں ہے، یہ چبا چبا کر اور چٹخارے لے لے کر اس کے تذکرے کیوں ہوا کرتے ہیں، اس کا پردہ اور اس کی بے پردگی، اسکی قید اور اس کی آزادی اور ایسے ہی اس سے متعلق دوسرے معاملات آپ کے لئے وجہ کاوش اور سبب اضطراب کیوں بنے ہوئے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک اس کے سوا کوئی اور عقدہ لاینحل نہیں رہا، آپ تمام ملی فرائض سے عہدہ برآ ہو چکے؟ آپ نے تمام قومی مصائب کا حل تلاش کر لیا، کیا آپ علم و حکمت اور تمدن و معاشرت کی تمام برکتوں سے بہرہ یاب ہیں کہ ان نعمتوں کو دوسری صنف میں بھی تقسیم کرنا چاہتے ہیں

عورت نے اپنی مظلومیت کا آپ سے کب شکوہ کیا، وہ آپ کی جانب کب آئی کہ آپ اُسکی بیڑیاں کاٹ کر اُسے آزاد کرا دیں؟ پھر آپ کیوں اس کے قلب اور اس کے وجود کے درمیان آنا چاہتے ہیں، آخر اس کے مسائل کا یہ مکرر تذکرہ کیا معنی رکھتا ہے۔

وہ تم سے صرف اس بات کی شاکی ہے کہ تم اپنی لایعنی اور بیکار باتیں ختم نہیں کرتے، جدھر جاتی ہے اس کی راہ میں آکھڑے ہوتے ہو، سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو، تمہارے سبب اس کے لئے

یہ دنیا اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہے۔ اس کے لئے چارہ کار اس کے سوا کیا ہے کہ اپنے وجود ہی کو اپنے لئے زندان بنالے یہ قید ان بندشوں پر اضافہ ہے جس میں سوسائٹی نے اُسے جکڑ رکھا ہے۔

اُس نے یہ دروازے بند کئے ہیں، ان پردوں میں چھپی ہے، تم سے بچنے کے لئے، تمہاری ہرزہ کاریوں سے پناہ لینے کے واسطے، اور تم ہو کہ اس کی بدبختی و محرومی کا ماتم کر رہے ہو اُس زندان کے دروازے پر کھڑے ہو کر جس کی آہنی دیواریں کل تمہارے ہی ہاتھوں بلند ہوئی تھیں۔ یہ سوگ اور یہ نوحہ وزاری اور یہ ماتم داری اس کی کم نصیبی کی نہیں اپنی ناکامی کی ہے، اس پر رحم نہیں آتا اپنے پر ترس کھا رہے ہو!

یہ بیقراری اور اشکباری ان دنوں کی یاد میں ہے جو ایسی دنیا میں گزرے جس کی فضا حسن و رنگ سے معمور تھی جہاں بے شرمی اور بیحیائی آزاد و بیباک پھرتی تھی۔ تم بوالہوسی اور بے اعتدالی کے وہی ہنگامے یہاں بھی چاہتے ہو، اسی عیش کی اب بھی جستجو ہے ناک کٹا کر ہی کیوں نہ ہاتھ آئے۔

عورت کو تہذیب و تمدن کے زیور سے آراستہ کرنے کا ارادہ بعد میں فرمائے گا، پہلے اپنی جنس کی اصلاح کیجئے، اپنی اصلاح پر قدرت نہیں تو عورت کی اصلاح کیا خاک کیجئے گا۔

عزت و فخر کے تمام دروازے آپ کے سامنے ہیں، جس پر چاہئے دستک دیجئے، جسے چاہئے کھٹکھٹایئے اس ایک دروازے کو بند ہی رہنے دیجئے، اسے کھولا تو سمجھ لیجئے کہ ایک بلائے عظیم اور شقائے طویل آپ کی منتظر ہے!

آپ مجھے ایک مرد دکھلا دیجئے جو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کا مدعی ہو خصوصاً ایسے ماحول میں کہ اس کی منظور نظر عورت خلوت اور کامرانی کی تمام آسانیوں کے ساتھ اس کے سامنے موجود ہو، میں باور کرلونگا کہ ایک عورت بھی اس نوع کی فضا میں عفیفہ اور پاکباز رہ سکتی ہے۔

آپ عورت سے ایک ایسا مطالبہ کرتے ہیں جس کے متعلق آپ واضح طور پر جانتے ہیں کہ اس کی تکمیل خود آپ کی قدرت سے باہر ہے، آپ اُسے زندگی کے ایک ایسے میدان میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں جس کی حدو انتہا سے آپ خود بے خبر ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس اندھے اقدام کا انجام نقصان و خسران کے سوا کچھ نہیں۔

ہماری سوسائٹی ایک مشکیزہ تھی اور عفت و پاکدامنی وہ آب صافی جو روایت و مذہب کے ہاتھوں اب تک محفوظ اور زمانہ کی دسترس سے دور تھا۔ تم نے مشکیزے میں سوراخ کرنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ وہ خالی ہوگیا۔ اب چاہتے ہو کہ اس کا منہ کھول کر وہ آخری قطرہ بھی نذر خاک کردو جو تمہاری دستبرد سے بچ گیا ہے۔

عورت کی زندگی اب تک سکون و مسرت سے معمور تھی، وہ اپنے حالات، اپنے احول اور اپنی خانگی زندگی سے بالکل مطمئن تھی، اس کے نزدیک سعادت کا مفہوم یہ تھا کہ اپنے بچہ سے محبت کرے، اپنی ہمسائی کا دل بہلائے، اپنی کہے، اُس کی سُنے، وہ شرف و عزت اُسے جانتی تھی کہ باپ کے سامنے ادب و فروتنی کا مجسمہ بن جائے، شوہر کے حضور اطاعت و انقیاد کی تصویر ہو۔

مغربی عورتوں کے نزدیک محبت نکاح کی بنیاد ہے لیکن اس کے نزدیک نکاح محبت کی تمہید تھا۔ وہ عشق کے مفہوم سے ناواقف اور محبت کے معنی سے آگاہ تھی، باپ کا ادب اس لئے کرتی تھی کہ باپ ہے اور شوہر کی فرمانبرداریوں تھی کہ وہ اس کا شوہر ہے، جس طرح وہ اپنے بچہ سے اس لئے محبت کرتی تھی کہ وہ اس کا بچہ ہے، تم نے اُسے عشق کے مفہوم سے آگاہ کیا، تم نے اُسے سمجھایا کہ تیرے بزرگ، تیرے والدین اور خاندان کے وہ تمام افراد جنھوں نے تیرے معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے عقل و دانش اور حزم و دوربینی میں تجھ پر فوقیت نہیں رکھتے، تو اپنے مفاد کو، اپنی ذات سے متعلق مسائل کو ان سب سے زیادہ سمجھ سکتی ہے اور تجھے حق ہے کہ ان سے اقتدار و اختیار کے تمام امتیازات خصوصی چھین لے۔ نتیجہ جو ہوا آنکھوں کے سامنے ہے، اُس نے باپ کے مرتبہ کو نہ پہچانا، اس کی تذلیل کی، شوہر کے حقوق کو نہ جانا، اس کے احترام سے باز رہی، کل جو گھر زندگی اور مسرت کے قہقہوں سے معمور تھے، آج جہنم کا نمونہ ہیں، تمہاری بھڑکائی ہوئی آتش تند کے شعلے افلاک تک بلند ہو رہے ہیں، کوئی انھیں بجھا نہیں سکتا۔

تم نے اُسے مشورہ دیا کہ شوہر کا انتخاب اُس کا قانونی و فطری حق ہے، تم نے اُسے باور کرایا کہ والدین کی ناعاقبت اندیشی، کم نگاہی اور نادانشی کا سدباب یونہی ہوسکتا ہے، مستقبل کی سعادت اور آئندہ

کامیاب زندگی کی ضمانت اسی طریق کار میں مضمر ہے ـــــ اس کا انتخاب والدین کے انتخاب سے بدتر ثابت ہوا ـــــ اس کی کامرانی کی عمر شب عروسی کے چند سرشار لمحوں سے نہ بڑھی، اسکے بعد بدبختی اور ناکامی، کشمکش اور عذاب کی ایک تاریک، دراز اور بھیانک رات شروع ہوئی جسکا دامن صبح قیامت سے بندھا تھا

تم نے اُسے بتایا کہ محبت شادی کی بنیاد ہے، اُس نے سرراہ مردوں کو سرتاپا گھورنا شروع کیا، ایک دن وہ آیا کہ محبت نے اُسے شادی سے بے نیاز کر دیا۔

تم نے اس کے ذہن میں راسخ کیا کہ خوش نصیب وہ عورت ہے جس کا شوہر اُس کا عاشق ہو، وہ اس سے پہلے جانتی ہی نہ تھی کہ شوہر عاشق سے جدا کوئی چیز ہوتا ہے۔ اب اُسے ہر صبح ایک نئے شوہر کی جستجو ہوئی کہ محبت کے اُس جذبہ آتشیں کو تسکین دے سکے جسے قدیم شوہر نے مردہ کر دیا ہے اُس نے قدیم بھی کھویا اور جدید بھی!!

تم نے تعلیم کو اس کے لئے ضروری قرار دیا، وجہ یہ بتائی کہ بچوں کی صحیح تربیت اور خانگی نظم ونسق بغیر اس کے ممکن نہیں لیکن وہ کالج سے نکلی تو سب کچھ سیکھ کر سوا اس علم کے جو تربیت اولاد اور تدبیر منزل سے متعلق تھا۔

اُس نے دیکھا کہ تم اُسی عورت سے شادی کرتے ہو، جو تمہاری نظر انتخاب کی حریف ہو سکے جس کے ذوق کو تمہارے ذوق سے مناسبت ہو، جس کا احساس وشعور تمہارے احساس وشعور سے متحد ہو فطرتاً اُسے جستجو ہوئی کہ تمہارے عواطف وامیال، تمہاری خواہشات اور رجحانات کا پتہ لگائے جانے اور سمجھے کہ تمہاری نگاہیں اُس کے وجود میں کس چیز کی متلاشی ہیں۔ تم اُسے کیا اور کس رنگ میں دیکھنا چاہتے ہو، وہ تمہارے سامنے کیا بن کر آئے کہ تمہارے انتخاب کی حقدار تمہاری پسند کی مستحق ہو سکے، اُس نے تمہاری فہرست حیات کے ایک ایک عنوان کا جائزہ لیا، ایک ایک مد کو جانچا، اس میں بے حیائی، بے باکی، بے پردگی، رامش و رنگ اور نغمہ وآہنگ کے سوا کچھ نہ تھا، تمہارے منہ سے اُس نے اُن عورتوں کی تعریفیں سنیں جو یکسر سپردگی ہیں تمھیں اُن دوشیزاؤں کی ثنا وصفت میں رطب اللسان پایا، جو اپنے جسم کی تمام رعنائیاں اپنے عشوہ وانداز کی تمام کیف آور لذتیں اور اپنے حسن و جمال کی ہر کیفیت مردوں کے لئے وقف رکھنے کو لازمہ تمدن وتہذیب جانتی ہیں، تمھیں اُن کی عقل و

دانش کا قصیدہ پڑھتے سُنا جو آرائش و زیبائش میں اپنی فہم و فراست کا بہترین جوہر تمہارے لئے صرف کرتی ہیں ـــــــ اُس نے وہی بیباکی پیدا کی، اپنے جذبات میں وہی رنگ اور اطوار میں وہی ترنگ اور اعمال میں وہی بے اعتدالی اور بے حیائی اختیار کی، تمہاری پسندیدگی حاصل کرنے کے لئے، تمہاری نگاہوں کا حریف بننے کی خاطر، اس لئے کہ وہ تمہاری محبت کے قابل ہوسکے اور اس واسطے کہ تمہاری نگاہ انتخاب اُس پر پڑے، اُس نے اپنی نسائیت کو مسخ کر ڈالا، بے حیائی کی پست ترین سطح پر آ گئی اور اپنے جسم کی تمام عریانیاں تمہارے لئے وقف کر کے، باریک لباس میں اپنی آبرو کا سودا کرنے کے لئے بالکل اسی انداز میں تمہارے سامنے آئی جیسے بازار میں فروخت ہونے کو لونڈیاں آتی ہیں ـــــــ اُس نے تمہارے واسطے یہ سب کیا، مگر تم نے اُس کی جانب سے آنکھیں پھیر لیں، تم نے اس کی سمت دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور چلا چلا کر، دہائی دیتے ہوئے کہنے لگے "ہم آوارہ عورتوں سے شادی نہیں کرتے" مطلب کیا اس کے سوا کچھ اور ہے کہ قوم کی تمام عورتیں، فاسقہ، بدکارہ اور بازاری ہو جائیں، تمہاری غیرت و حمیت کی کوئی رگ جنبش میں نہ آئیگی، اگر صرف تمہاری عورتیں محفوظ رہیں ـــــــ تم نے اُسے ٹھکرا دیا۔ وہ ناکام و دل شکستہ الٹے قدموں واپس ہوئی۔ بیباک مرد نے اُسے ذلیل جانا، عزت و جاہ والوں نے اسے اپنے رتبہ سے فروتر سمجھا، تمام در بند ہو چکے تھے، اب اُس کے سامنے صرف ایک راہ تھی، حسن فروشی اور بدکاری کی ـــــــ وہ اس پر چل دی!!

یوں تمہاری نادانی کے ہاتھوں، صاف، سادہ اور فطری اصول کے متعلق تمام قوم کے دل میں شک و شبہ نے گھر کیا، مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں غرضکہ ہر فرد کا ذہن و دماغ اوہام اور وسوسوں کی آماجگاہ بن گیا۔ سب کے لئے کائنات کی وسیع فضا، اپنی تمام نسائیوں اور تابشوں کے باوجود تاریک ہو گئی ـــــ اب ہمارے گھر راہبوں اور ننوں کے بھیانک بے نور اور بے رونق حجرے ہیں جن میں حیات و مسرت کی حرارت کی بجائے تشقف و ترک کی ٹھٹھرا دینے والی سردی ہے اور کچھ نہیں!

تمہارے یہی وہ الطاف و عنایات ہیں جن میں تم رحم سے تعبیر کرتے ہو اور یہی کرم نمائیاں ہیں جنھیں اصلاح و غمخواری کے نام پر بے حد و بے کراں بنا رہے ہو!

عورت کی تعلیم ضروری ہے لیکن اس کی تہذیب اور مناسبت تربیت کا نمبر پہلے ہے، والدین کا فرض ہے کہ اس کے لئے عادل اور نیک نفس شوہر کا انتخاب کریں اور شوہر پر واجب ہے کہ اُس کے حقوق کی ادائیگی میں دستِ طلب اور توجہ خاص سے کام لے، روشنی، ہوا، اور قدرت کی عام و شامل نعمتوں سے اُسے بہرہ اندوز کرنا بھی اُس کے متعلقین پر لازم ہے اور صبح و شام کی سیر اور زندگی کی دوسری نعمتوں سے متمتع کرنا بھی۔ ہوا خوری کا بھی اُسے حق ہے اور تفریح کا بھی، لیکن تنہا نہیں، باپ، بھائی یا شوہر کے ساتھ۔ گلہ کی بھیڑوں سے حفاظت کے لئے چرواہے کا ساتھ رہنا ضروری ہے۔ (باقی آئندہ)

درودِ رسولؐ

سکوں کی نعمتیں محدود تھیں تاروں کی دنیا تک
زمیں پر ظلم ہوتا تھا بہ عنوانِ جہاں بانی

اخوت نقطۂ مہمل تھا زبانِ آدمیت میں
غمِ دنیا سے ہوتا تھا ابھی خونِ جگر پانی

محبت کے چلن میں تھی ہوس کی کار فرمائی
ابھی جاگی ہوئی تھی آدمی میں خوئے حیوانی

"خدا" اک واہمہ تھا فکر و تخیلِ پریشاں کا
اثر ناآشنا تھی بیکسوں کی نالہ افشانی

ابھی دولت کے در پہ سجدۂ افلاس جائز تھا
ابھی اصنام کے ہاتھوں میں تھی تقدیرِ انسانی

انھیں گمراہیوں میں اک نیا رہبر نظر آیا
حریمِ کہنہ فطرت میں پیامِ سحر آیا

سلام اُس پر نئی تابندگی دیکر ستاروں کو
بقدرِ رنگ و جلوہ جس نے ہر ظرفِ چمن بدلا

سلام اُس پر خودی کے آئینے جس نے کچل ڈالے
سکون بیخودی سے عشرِ دار و رسن بدلا

سلام اُس پر پیامی بن کے جو آیا محبت کا
چمن میں جس نے ربطِ لالۂ و سرو و سمن بدلا

سلام اُس پر نویدِ تازہ دیکر عقل کو جس نے
نئے نغمات سے ہنگامۂ سازِ کہن بدلا

سلام اُس پر جگا کر جس نے غفلت کیش انساں کو
حدیثِ زندگی بدلی، نظامِ انجمن بدلا

پریشاں ہو کے جب دنیا کوئی کروٹ نئی لیگی
تو یہ دستور، یہ قانون، یہ آئین سمجھے گی

صبحِ خنداں

۱

(از جناب چوہدری بدر الدین صاحب قیصری ایڈووکیٹ)

یہ نظم انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں بہت مقبول ہوئی اور اسکی ایک ایک کاپی دس دس روپے تک فروخت ہوئی

مسلماں! آنے والا ہے زمانہ پھر مسلماں کا — ہماری شامِ غم پر ن ہے روئے صبحِ خنداں کا

عروج آخر اسی افتاد سے ہوگا ہمیں حاصل — کہ بن جاتا ہے موتی گر کے قطرہ ابرِ نیساں کا

سکندر کی طرح آبِ بقا کے ہم نہیں پیاسے — ہمیں تو آبرو اپنی ہے چشمہ آبِ حیواں کا

فلک نے خوب خدمت لی ہماری مضطرب دل سے — اسے جھولا بنایا شاہدِ تہذیبِ انساں کا

دلِ پُر حوصلہ کیسا ملا؟ ایسا ملا ہم کو — کہ وقتِ امتحاں منہ چومتا ہے تیغ عریاں کا

جو ہم کو جانتے ہیں اس حقیقت کو سمجھتے ہیں — لڑا ہے شیر سے اکثر غزال اپنے بیاباں کا

جفا و جور کے بادل سے چھائی تیرگی ایسی — کہ دھوکا مہر گردوں پر ہے شمع زیرداماں کا

اگر گلشن کو گلچیں سے بچانے کی تمنا ہو — تو نیزہ بن کے آمادہ رہے سبزہ گلستاں کا

زمانہ بعد مدت لے رہا ہے پھر نئی کروٹ — کہ تھا مشتاق جنبش پتہ پتہ باغِ امکاں کا

صدائے قم باذن اللہ از دیوار و در خیزد

عجب نبود کہ از کاشانۂ ما حشر بر خیزد

۲

سنائیں کیا الم اپنا کہیں کیا سوز غم اپنا — زیادہ شمع محفل سے ہے جلنا کم سے کم اپنا

جہاں کی شادمانی ہم کو خوشدل کر نہیں سکتی — مہ نو نے نشاط عید میں چھوڑا نہ خم اپنا

صراطِ مستقیم عشق اک سیدھا سا رستہ ہے — مگر ڈالا ہوا ہے اس میں ناحق پیچ و خم اپنا

بیابانِ طلب میں گرم رَو ہم سا نہیں کوئی　　تڑپتا ہے زمیں پر آج تک نقشِ قدم اپنا
نئے ضحاک پیدا ہو گئے ہیں پھر زمانے میں　　درفش کاویانی سا بنائیں پھر علم اپنا
ہوئے مجبور ہم ایسے جہاں کی سرد مہری سے　　مثالِ ژالہ آنسو آنکھ میں جاتا ہے جم اپنا
ہوائے تند کے جھونکے مبارک باد دیتے ہیں　　کہ ہوگا خواب سے بیدار پھر شیرِ علم اپنا
سیاہی میں سفیدی کی جھلک یہ صاف کہتی ہے　　اُفق پر پھر چمکنے کو ہے مہرِ صبحدم اپنا

ہزاراں گل بہ گلشن ہر بہارے می شود پیدا
پس از مدت بمیداں شہسوارے می شود پیدا

وصال و ہجر سے آزاد ہے اُلفت کا دیوانہ　　گئے ایامِ گُل لیکن وہی ہے شورِ مستانہ
خدا رکھے سلامت نالۂ پرسوزِ اُلفت کو　　اسی کے فیض سے آتشکدہ ہے اپنا کاشانہ
شعارِ حسن تمکیں شیوۂ اُلفت ہے بیتابی　　کھڑی ہے شمعِ محفل لوٹتا پھرتا ہے پروانہ
اسیرِ رنج و غم ہوتی ہیں تو میں عیش و عشرت سے　　کہ ہے اک حلقۂ طوقِ غلامی دورِ پیمانہ
ہماری داستانِ غم عجب تاثیر رکھتی ہے!　　سُنا جاتا نہیں ہر سُننے والے سے یہ افسانہ
نہ وصلِ گُل میسر ہے نہ قربِ شمع حاصل ہے　　عجب ہے دل کی محرومی نہ بلبل ہے نہ پروانہ
نئے پیرِ مغاں خمخانۂ عالم میں آئے ہیں!　　شرابِ آبِ خنجر سے جو پُر رکھتے ہیں پیمانہ
نہیں یہ جورِ تازہ دیکھنے والوں نے دیکھا ہے　　بنا سو بار کشکولِ گدائی تاجِ شاہانہ
ابھی تھا میکدہ آباد ابھی مڑ کر جو پھر دیکھا　　تو ساقی ہے نہ بادہ ہے نہ مینا ہے نہ پیمانہ

صدائے قتل و غارت می دہد چوں انقلاب آید
برائے خونِ شبنم در گلستاں آفتاب آید

(باقی آئندہ)

شادی شدہ زندگیوں کا تقابل

(از خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی)

بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں کہ شادی بیاہ کا معاملہ بُور کے لڈو ہیں۔ کھائے تو پچھتائے نہ کھائے تو پچھتائے۔ بزرگوں کے خلاف کہنا تو ہم کو سجتا نہیں۔ ہاں اتنی بات تو ہم بھی کہیں گے کہ ابتدائے آفرینش سے بابا آدم کے سپوت اور اماں حوا کی سپوتنیاں پچھتاتے جاتے ہیں اور یہ لڈو نوشجان فرماتے جاتے ہیں۔ سوان میں کچھ نہ کچھ تو بات ہے ورنہ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے یہ ہمارے آبا و اجداد ایسے ڈھیٹ تھے کہ جلتے رہے اور پھر بھی اس آگ سے کھیلنا نہ چھوڑا۔ خود جل چکے تھے تو اولاد کو تو بچا تے فرماجاتے کہ صاحبزادہ ہمارے تجربہ سے فائدہ اُٹھانا۔ اس رسم کے قریب نہ جانا ع

من نہ کردم شما حذر بکنید

برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ نوجوان کنّی بچاتے ہیں اور بڑے بوڑھے از لت توڑتے ہیں ارادہ لئے بیٹھے ہیں کہ ہونی نہیں جو اپنے بس کسی کو بھی بن بیاہا چھوڑ دیں۔ ہندوؤں میں سہاگ آئے اور پھیروں کا پھیر پڑا مسلمانوں میں عشرۂ محرم۔ تیرہ تیزی۔ بارہ وفات تو کچھ خیریت سے گذر جاتے ہیں باقی تو منڈھے چڑھتے رہتے ہیں بیاہ رچتے ہی رہتے ہیں اور عیسائیوں میں تو جہاں تک ہم جانتے ہیں بارہ ماسی ہوتی ہیں۔

پھر طرّہ یہ کہ کوئی مذہب وملت اس علت سے خالی نہیں۔ کہیں ہار بدلتے ہیں کہیں ایجاب وقبول کے پھندے ہیں تو کہیں رجسٹر پر دستخط۔ غرضکہ ع

ہر کجا کہ می رویم آسماں پیدا است

رواج از دواج قاضی عدو کی طرح جان کے ساتھ ساتھ ہے۔

بزرگوں کی بات رد کرنا ہمارا کام نہیں۔ خاکم بدہن۔ صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ کسی کو بنگن بیاو اور کسی کو بنگن نوج۔ مطلب یہ کہ کسی کو شادی راس آتی ہے اور کسی کو کراس۔ حقیقت یہ ہے کہ ع

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ بعض اللہ کے بندے ہیرا ہوتے ہیں تخلیق ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ میاں بنیں۔ باپ کہلائیں۔ سسرے ہوں داماد لائیں سمدھی کہلائیں۔ چاروں طرف سے بال بچوں میں گھرے بیٹھے رہیں۔ چھگن مگن کے باپ بنیں۔

بیوی اگر کہیں شادی بیاہ میں جاتی ہیں تو حضرت گھر پر بچوں کو مرغی کی طرح لئے بیٹھے رہتے ہیں اور اس انتظار میں گھڑیاں گھڑی دیکھ دیکھ کر گزارتے ہیں کہ بیوی آئیں تو ذرا شادی کی باتیں سنیں۔

ایک کو کھچڑی چٹا رہے ہیں تو ایک کے آگے جھنجھنا بجا رہے ہیں۔ سب سے چھوٹے نے ٹیں ٹیں شروع کی اور انھوں نے ملازم لڑکے کو بانگ دی: اور کہا: لائیو ذرا منے کے لئے ایک پیسہ کی نان ختائی" کلو اتو بازار سدھارا اور صاحبزادہ نے الاپنا شروع کیا۔ اب یہ گود میں لے کر کھڑے ہو گئے۔ صاحبزادہ گا رہے ہیں اور باوا جان ناچ رہے ہیں۔ سبحان اللہ کیا کہنے منہ سے بھی کچھ فرماتے جاتے ہیں۔ ذرا سنئے۔ میرا منّا کیا کھائے گا۔ لڈو۔ پیڑا۔ برفی۔ سب کے منّے کالے پیلے میرا منّا چاندسا۔ میرا منّا چاندسا۔ جب یہ عمل کارگر نہ ہوا تو منہ کا ہارمونیم بجانا شروع کیا واللہ اس وقت تو سرکس کے ہاتھی کو بھی مات کر دیا۔ کیا عرض کروں۔ معاف کیجئے گا بن کہے رہا نہیں جاتا۔ واللہ اگر عورت ہوتے تو کسی بھلے مانس کا گھر بستا۔

بیگم صاحبہ شادی میں سے ترمال اڑا کر واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ میاں جیاؤں میاؤں میں گھرے بیٹھے ہیں۔ بولیں۔ اے ہے تمھیں بڑی تکلیف ہوئی۔ اللہ جانے میرا دہاں ذرا جی نہ لگا۔ دل نگوڑا یہیں پڑا تھا۔ کیا بتاؤں سرے سے دسترخوان ہی بارہ بجے بچھا اور پھر تم جانو کھانا کھاتے ہی اٹھ آنا بھی برا معلوم ہوتا تھا۔ کسی بچہ نے ستایا تو نہیں :اب میاں نے چونچ کھولی فرمایا بچے تم سے زیادہ مجھ سے ہلے ہوئے ہیں۔ منے نے تو ذرا اُدھر کا کیا تھا۔ اصل میں اسے بھوک لگی تھی سو میں نے نان ختائی پانی میں بھگا کر چٹا دی بس پھر سو گیا۔ دیکھو اب تمہاری آواز سنکر اٹھا ہے۔ اور اب بھی مجھ ہی کو دیکھ رہا ہے۔

اب بیگم صاحب ذرا بچہ کی طرف متوجہ ہوئیں، اے میرا لال امی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ میرا بچہ۔ سچ کہتی ہوں یہ ابھی سے تم کو چاہتا ہے تم نہیں ہوتے تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا رہتا ہے

میاں بولے، اللہ کا مال ہے۔ ہمارا کیا ہے۔ اُس کی نعمتیں ہیں۔ خدا جیتا رکھے پروان چڑھائے۔ تم یہ بتاؤ شادی میں کیا کیا ہوا؟

اب جناب سارے عورتوں کے قصہ اُنھوں نے سُن ڈالے۔ فلاں بیوی خفا تھیں آئیں نہیں۔ ردد گردوں والی کو لینے جب بڑے ماموں خود گئے جب آئیں نوج بھی کسی کا ایسا پائنچہ بھاری ہو۔ ایک بیوی کا پیر کا لچھا کھو گیا۔ غرضکہ ان مرد خدا نے شادی کی تمام واردتیں اس غور سے سُنیں کہ ہم ہٹلر اور چیمبرلین کی گفتگو بھی اس توجہ سے نہیں سنتے۔

سو بندہ نواز یہ ازدواجی زندگی کے لئے ہیں اور ازدواجی زندگی ان کے لئے ع

جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود

زیب دیتا ہے اگر ان کو ابوالاولاد کہا جائے۔ بات یہ ہے کہ قدرت نے بعض جانور کام کے پیدا کئے ہیں اور بعض بیکار۔ بعض جانور لدّو پیدا کئے ہیں اور بعض اس کے خلاف۔ اب گھوڑا ہے۔ ہاتھی ہے۔ بیل ہے گدھا ہے۔ اُن پر آپ جو چاہیے لاد دیجئے اپنی گردن جھکائے چلے جائیں گے۔ ذرا خیال کیجئے اگر گھاس کا گٹھا ہرن پر لاد دیا جائے تو اُس کا کیا حال ہوگا۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ گٹھا ہاتھ سے جائے گا اور ہرن جان سے۔ بعینہ یہی کیفیت پرندوں کی ہے۔ مثال کے طور پر کبوتر کو لے لیجئے۔ پالئے دانہ ڈالئے تھوڑے عرصہ میں گردان ہو جائے گا۔ چھیپی ہلائی اُڑ گیا پھر اپنی چھتری پر آن بیٹھا۔ شام ہوئی کابک کی راہ لی۔ اب ذرا کوّے کو تو پنجرے میں بند کیجئے۔ یا پنجرہ توڑ دیگا یا اپنا سر پھوڑ لے گا۔ مدتوں بند رکھئے جب بھی موقع پائے گا اُڑ جائیگا اور گردان ہونا تو کجا جیتی زندگی اس گھر کے پڑوس میں بھی نہیں آئے گا۔ سو اس سب سے مدعا ہمارا یہ ہے کہ خلقت اور طبیعت جُدا جُدا ہوتی ہے۔

بعض تو اللہ کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں کہ کبھی تھیٹر بائیسکوپ بغیر بال بچوں کے جاتے ہی نہیں۔ عورتوں کو زنانہ میں بٹھا دیا خود مردانہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اب جو ہوا اندھیرا تو بچہ نے رونا شروع کیا۔ تماشائی کھنسار رہے ہیں اور یہ حضرت نہایت بے تعلق بیٹھے ہیں۔ اگر موقعہ پایا تو خود بھی فرما دیا لاحول ولا قوۃ بچہ کو لانے کی ایسی کیا آ پڑی تھی۔ گویا ان حضرت کو اس بچہ اور اس بچہ کے یہاں آنے سے کوئی واسطہ ہی نہیں

جب بچے نے اور زور باندھا۔ ڈرائیور تیز لگانے شروع کئے اور دگن کی چلت پھرت دکھائی۔ ادھر زنانہ درجہ میں چرغم چرغم شروع ہوئی تو سرکار والد بزرگوار اپنی سیٹ سے سرکے چپکے سے زنانہ درجہ پر جانے کو گود میں لے سڑک پر ٹہلنے لگے۔ جب وہ چپ ہوگیا اسے اس کی ماں کو دیا اور خود اپنی جگہ جا بیٹھے۔ کوئی تھیٹر کوئی بائیسکوپ اس قسم کے حادثات اور واقعات سے خالی نہیں ہوتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں ماشاءاللہ بڑی تعداد میں ایسے شریف النفس کنبہ پرور نیک مرد موجود ہیں۔ یہ بھلے لوگ کبھی کوچہ و بازار میں بغیر ضمیمہ کے نظر نہیں آتے۔ جب بھی گھر سے نکلتے ہیں بڑھاپے کا سہارا اللہ کی عنایت سے گود میں ہوتا ہے۔ اور جب بھی گھر میں گھستے ہیں تو ہاتھ میں جھنجھنا یا کوئی اور کھلونا لئے ہوئے۔ اب واللہ اعلم یہ بچہ کی محبت کے سبب یا بچہ کی ماں کے ڈر سے تو ہم کہیں گے نہیں دلداری کے سبب۔ یہ اچھے میاں ہیں۔ اچھے باپ ہیں اچھے گھر والے ہیں غنیمت ہیں یہ ہستیاں ملک و قوم کے واسطے۔

لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ تمام مرد اس طبیعت کے نہیں ہوتے۔ اکثر ایسے بھی ہیں جو بائیسکوپ تن تنہا جانا پسند کرتے ہیں بچہ تو درکنار بیوی کو بھی ساتھ لے جانا ان کو گراں گزرتا ہے ان میں سے بعض نامعقول ایسے ہوتے ہیں جو بیوی بچوں کی پرواہی نہیں کرتے۔ اینٹھتے ہوئے گھر میں گھسے حکم لگا دیا کہ کھانا گرم رکھنا ہم بائیسکوپ سے ذرا دیر کرکے آئیں گے۔ یہ طبقہ عام طور پر غیر تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے ان میں ہمدردی۔ قدر شناسی۔ انسانیت۔ آدمیت اور شرافت کے جذبات تعلیم کے ذریعہ پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ سو ان کا علاج مستقبل بعید یا مستقبل قریب میں ممکن ہے لیکن ان مردم بیزاروں کی ایک اور قسم ہے جو زیور تعلیم سے مزین ہیں۔ اب ذرا ان کا حال سنئے۔

میاں صاحب نے شیو کرنا شروع کیا۔ بیوی پاس بیٹھی بچہ کو کھلا رہی ہے۔ بولے۔ دیکھنا بیوی آج ہم بائیسکوپ چلے جائیں، بیوی نے کہا، اے اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا بات ہے جاؤ۔ پھر ذرا جلدی کرو۔ اب وقت ہی کونسا رہا ہے چھ بجنے کو آئے۔ بتاؤ ٹائی کونسی لگاؤ گے میں نکال لاؤں۔ اب ذرا ان کے ضمیر نے چٹکی لی اور کہا۔ بیہودہ بیوی کو ساتھ لے کر جا۔ ذرا سی کشمکش کے بعد بولے، ہم کہتے ہیں تم بھی لپک کر تیار ہو جاؤ، نہیں آج تم ہی ہو آؤ مجھے تیار ہونے میں دیر لگے گی، ضمیر کی چٹکی کا اثر ابھی باقی

ما بولے، چلو بھی تمہارے بغیر مزا نہیں آئے گا، وحشت کہہ رہی ہے کہ اکیلا چل۔ شرافت کہتی ہے کہ
ازیبا حرکت ہے۔ شکر کی جگہ ہے کہ اکثر شرافت کی فتح ہوتی ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ شخص اپنی خلقت
کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس بحث کو جانے دیجئے کہ یہ خلقت اچھی ہے یا بری صرف اتنا کہنا
چاہتے ہیں کہ خلقت خلقت ہی ہوتی ہے۔

اس سے ہم کو انکار نہیں کہ ازدواجی زندگی انسان کے بہت سے ناخوشگوار کونوں کو گھس گھسا
کر اسے گول بنا دیتی ہے جس طرح دریا میں بہتی ہوئی ٹبیا۔ لیکن اس ٹبیا کے دل سے پوچھئے کہ موجوں کی
کشاکش میں اس پر کیا بیتی، آیا اس کو وہ ناگوار کونے گوارا تھے یا یہ کشمکش ؎

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

یہ اک طرفہ کہانی تھی۔ وہ ماں باپ کی بیٹیاں جوان جیسے وحشیوں کو بھگتتی ہیں ان کے کیا جذبات
ہوتے ہیں۔ کاش کوئی بہن اس پر روشنی ڈالیں ورنہ انشاء اللہ بشرط زندگی ہم ہی کوشش کریں گے۔

خدا حافظ (با جازت آل انڈیا ریڈیو دہلی)

کہاں یہ بند محکومی کہاں وہ شانِ سلطانی کہاں تعلیم آزاداں کہاں توفیقِ زندانی
کہاں یہ سینہ کوبی اور کہاں وہ تیغ کے جوہر کہاں تکبیر کے نعرے کہاں یہ مرثیہ خوانی
یہ سچ ہے سیکڑوں احساں کئے تو نے غلاموں پر مگر ڈالے گا ان چکنے گھڑوں پہ تا کجا پانی
رہے گا تا کجا آنکھوں پہ تیری پردۂ غفلت نہ ہوگا تجھ کو آخر تا کجے احساسِ نادانی
فریبِ التفاتِ غیر پر او بھولنے والے "چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"
خبر لے آشیاں کی سونے والے آشیانے میں چمن کا ذرہ ذرہ بن رہا ہے دشمنِ جانی
چمک خورشید بنکر آسمانِ حبِ قومی پہ نکل ظلمت سے اب مثلِ شعاعِ نورِ ایمانی
مئے حبِ وطن پی توڑ کر مینائے محکومی عیاں ہو جائیں تجھ تا کہ سب اسرارِ پنہانی
چمن کی جان۔ روحِ گل مسرت درکنار آئی ترے اُجڑے گلستاں میں بہاروں پر بہار آئے

"ماہِ رسالتؐ"

(از حکیم ابوالاحرار شہاب علوی امروہوی)

عجب کچھ ابتدائی دور میں دُنیا کی حالت تھی　　کہ تھا مستور نامِ حق تباہی تھی جہالت تھی

مکیں اس بزمِ ہست و بود کے محروم رحمت تھے　　خدا کو بھول کر یکسر اسیر جہل و بدعت تھے

قدم ایسا نہ تھا کوئی جو سوئے حق رواں ہوتا　　نہ تھا مخلوق میں کوئی جو اس کا نغمہ خواں ہوتا

ضمیر انسانیت کا سربسر مرجھا رہا تھا جب　　گہن میں معصیت کے مہرِ فطرت آ رہا تھا جب

اگر کوئی جواری تھا تو کوئی مست مے نوشی　　کوئی تھا خود سر و سرکش کوئی محوِ جفا کوشی

کوئی سمجھے ہوئے تھا لات و عزیٰ کو خدا اپنا　　کوئی تھا معتقد بس ہے ہبل مشکل کشا اپنا

کہیں شمس و قمر کی اور تاروں کی پرستش تھی　　کہیں تثلیث کی بہنائے دل میں ایک جوشش تھی

غضب تھا لڑکیوں کی زندگی دشوار ہوتی تھی　　پئے آبا ولادت اُن کی وجہ عار ہوتی تھی

خدا کی بیٹیاں کہتا تھا کوئی ان فرشتوں کو　　غرض خوفِ خدا ہرگز نہ تھا ان بُت پرستوں کو

نہ کچھ بیٹے کے دل میں باپ کی شرم و محبت تھی　　نہ بھائی بھائی کے آپس میں کچھ مہر و رفاقت تھی

نہ واقف دین سے کوئی نہ پابند عبادت تھا　　نہاں تاریکیوں میں مہرِ عالمتاب وحدت تھا

ہر اک سو جوش پر تھیں مجلسیں ظلم و عداوت کی
گھٹائیں چھا رہی تھیں چرخِ عالم پر ضلالت کی

ہوا ناگاہ مہر جلوۂ پیغمبرِ اطہر
عرب کے خطۂ تاریک میں ہر سو ضیا گستر

یکایک بجھ گئے آتشکدے جلتے تھے دنیا میں
ہوئے بت سرنگوں لرزا پڑا ایوانِ کسریٰ میں

قیامت آگئی ناگاہ دنیائے ضلالت پر
ہوا فضلِ خدا سے علم کا غلبہ جہالت پر

عرب کا ذرہ ذرہ بن گیا رشکِ مہ و اختر
نظر اس وادیٔ ظلمت میں آیا نور کا منظر

مبدل ہوگیا اکدم میں دورِ چرخِ مینائی
خزاں دیدہ ریاضِ دہر میں تازہ بہار آئی

فضائے دہر میں چھیڑا ربابِ معرفت اُس نے
کیا اہلِ جہاں کو کامیابِ معرفت اُس نے

بساطِ دہر پر پھیلی ہر ایک سو حق پرستاری
ہر اک ذرہ پہ چھائی بادۂ وحدت کی سرشاری

مٹایا پردۂ ہستی سے ہر آئینِ باطل کو
منور نورِ ایماں سے کیا ہر ایک کے دل کو

ہوئیں اس بزمِ کفر آغوش پر پھر رحمتیں نازل
جو تھا تخلیقِ انسانی کا مقصد ہوگیا حاصل

ہوئے پابندِ الفت جبر و استبداد کے بانی
نمایاں ہوگئی ہر ایک جانب صلح سامانی

بتائے اہلِ عالم کو رموزِ زندگی اُس نے
مٹائی بینواؤں بیکسوں کی بیکسی اُس نے

خلوص و بندگی کی پھر زمانہ میں بنا ڈالی
جو رسمِ بے وفائی تھی جہاں سے سب مٹا ڈالی

چلایا جادۂ توحید پر خضرِ ہدایت نے
اُجالا کر دیا عالم میں اس ماہِ رسالت نے

بہارِ گلشنِ دنیا ہے آدمی کے لئے
مگر بنا نہیں انسان محض اسی کے لئے

ضیائے شمعِ شبستاں ہے رات بھر کے لئے
فضائے منظرِ بستاں ہے اک نظر کے لئے

محکومیّتِ نسواں

(محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وہ صفات جو ایک خود دار آزاد انسان میں ہونی چاہئیں، ہندوستانی عورتوں میں مفقود ہیں۔ سالہا سال کی محکومیت نے ان کی اخلاقی خوبیوں کو گھن لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان خالدہ ادیب خانم جیسی باہمت دلیر خواتین پیدا نہ کر سکا یہاں کی مائیں افسوس کہ مصطفےٰ کمال جیسے اولوالعزم بچے کی ماں کہلانے کا فخر حاصل نہ کر سکیں نہ ان حالات میں آیندہ اس کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

پورا ملک غلامی کی لعنت میں گرفتار ہے قدم قدم پر رواج نفس نفس پر پھندے خدا کی پناہ سانس لینا دشوار ہے۔

عورتوں کے گھروں میں بند ہو جانے کے باعث ہماری سوسائٹی انگڑا ہو کر رہ گئی ہے۔ مردوں میں پاکیزگی اخلاق کا پتہ نہیں اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تمام مرد اپنی ماں بہنوں بیویوں پر بیجا حکومت کرنے کے بجائے اپنی نظروں کو تقویٰ نہ سکھائیں۔ موجودہ اخلاقی برائیوں کا سدِباب خود مردوں کے اپنے اخلاق سدھارنے پر منحصر ہے اور یہ جب ممکن ہے جب عورت کو بھی وہ برابر کا اس میں شریک ٹھہرائیں۔ معلم اخلاق ماں ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جب معلم کا علم ناقص ہوگا تو اس کے شاگرد کیونکر لائق ہو سکتے ہیں۔ جاہل مائیں ہی لڑکا لڑکی میں شروع سے تفریق کر کے لڑکوں کو مطلق العنانی اور نخوت کے سبق دے کر دین و دنیا سے اُن کو گیا گزرا کر دیتی ہیں۔ اور لڑکیوں کو ڈرپوک بزدل اور جا و بیجا اطاعت کا عادی بنا دیتی ہیں۔ یہ وہ سم قاتل ہے جو نسلوں کو تباہ کر رہا ہے۔

ہمیں دوسری قوموں کی تہذیب اور ترقی پر رشک کرنے کے بجائے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے اُن کو سر بلند کیا۔ پھر خود یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس خرابی کی جڑ

محکومیت نسواں ہے۔

یورپ کی برائیاں کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ ہر قوم کے اخلاق و اعمال رسم و رواج بہت کچھ اپنے ماحول سے وابستہ ہیں پھر فاضل مضمون نگار نے وہاں کی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ نظر انداز کر دیا کہ یہ تعیش جس کا ذکر انھوں نے اس وضاحت سے کیا ہے اعلیٰ طبقہ میں ہے متوسط طبقہ وہاں بھی زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس طبقہ کو وہاں بھی محنت سے اتنی فرصت نہیں کہ ان خیالات کو دل میں جگہ دے سکے۔ وہاں بالکل نچلا طبقہ اپنی ذہانت اور قابلیت کو ایسے جرائم میں صرف کر رہا ہے جو واقعی لرزا دینے والے ہیں۔ لیکن یہ چیز تو ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ بھوک اور افلاس نے قوموں کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔

ہندوستانی غریب جہالت کے باعث جو جرم بھونڈے پن سے کرتے ہیں یورپین اقوام ان جرائم کو حیرت انگیز طریقے سے کرتی ہیں۔

شریف بہو بیٹیاں وہاں کی بھی ایک خاص کلچر رکھتی ہیں۔ یہاں پر ایک گوری چٹی عورت کو خواہ وہ چماری ہی کیوں نہ ہو، حکمراں قوم کا فرد سمجھ کر تمغائے شرافت عطا کر دینا مردوں کی عقلمندی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

یورپین عورت ایسی بری نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔

ہمارے علما زیادہ تر دور ہی دور سے عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ بچشم خود دیکھئے اور پھر اس کا اندازہ کیجئے کہ آپ لوگ کس قدر غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

جنگ عظیم کے زمانے میں جب ہزاروں ماؤں کے سپوت جنگ میں نذر اجل ہو گئے تو ایسے پیشے جو صرف مردوں کے لئے مخصوص تھے عورتوں کو لینے پڑے۔ تمام سرکار محکموں میں عورتیں بھر گئیں۔ عورتیں ہی سول و پولس اور فوجی محکموں میں سوائے دشمن سے دو بدو ہونے کے ہر قسم کے کام انجام دینے لگیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ معاشری حیثیت سے عورتوں کے مساوی حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ لیکن عورت کا سماجی حیثیت سے ہم پلہ ہونے سے اخلاق نہیں بگڑا یہ سن کر ہمارے فاضل مضمون نگار متعجب ہونگے کہ انگلستان

یں دوسرے ممالک کی طرح کوئی عورت اپنے حسن و جمال کو کھلم کھلا ذریعۂ آمدنی نہیں بنا سکتی انگلستان کا قانون اس ذلیل "پیشہ" کو قطعاً ممنوع قرار دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہاں نہ صرف عورتوں کے لئے بلکہ مردوں کے لئے بھی اخلاق کا معیار بہت بلند ہے۔ یہاں کی طرح نہیں کہ ایک بدنصیب عورت کی ذراسی لغزش معاف نہ کرکے دوزخ میں تمام عمر کے لئے جھونک دیا جائے اور پھر اس کو تمام سوسائٹی حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشی کشمکش ہر جگہ بالخصوص عورت کی اخلاقی خرابی کا باعث ثابت ہوئی ہے اور مصلحانِ مغرب نے جب اس نکتے کو سمجھا تو انھوں نے معاشی حالت کی درستی کو مضبوط ترین ذریعۂ اصلاح اور استحکام اخلاق گردانا۔ یہ خیال کہ عورت کی آزادی مخرب اخلاق ہوتی ہے بالکل لغو ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خود آزادی بڑی ذمہ داریاں عائد کردیتی ہے۔ انگلستان کی عورت جتنی آزاد ہے اتنی ہی عصمت و عفت کی زبردست پاسبان بھی ہے۔ جنگ عظیم میں جس طرح یورپ کا قوموں نے خون بہایا اور عورتوں نے سخت ترین مصائب جھیلے اور زبردست مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اور موجودہ جنگ میں جن تکالیف کو وہ بخندہ پیشانی برداشت کررہی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اخلاقی معیار کتنا بلند ہے۔

ان اولوالعزم خواتین کے مقابلے میں ہندوستان کی ڈرپوک بزدل اور کمزور عورت کیسے آسکتی ہے؟ اگر یہی چیز قابل تعریف ہے تو بسم اللہ جو چند خواتین کچھ کام کررہی ہیں۔ ان کے اختیارات بھی سلب کرلیجئے اور پھر ملک کی رسوائی کا تماشا دیکھئے۔

یورپ کو چھوڑ کر بھی کسی اسلامی ملک کا کونہ کونہ چھان مارنے پر بھی وہ "پردہ" نظر نہ آئے گا جو ہندوستان میں مسلمان عورت کی زندگی کا جزو اعظم بنا دیا گیا ہے۔ ترکی میں حرم سرا کی زندگی نے عورتوں کے عادات واخلاق خراب کردیئے تھے ان کے قویٰ کمزور ہوگئے تھے ان میں ذہنی انحطاط ہوگیا تھا اور خودداری مفقود تھی ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ عورت کا ذریعۂ معاش صرف ایک ہی ہے یعنی صرف اپنی صنف کا استحصال ظاہر ہے ان حالات اور ایسے تاریک ماحول میں کس قسم کے بچے پیدا ہوں گے اور ان کی نشو ونما کا نازک زمانہ کس فضا میں بسر ہوگا۔ یہی وہ اسباب ہیں کہ ترک کے محبانِ قوم

نے حرم سرا کی مصنوعی زندگی کو یک لخت مسمار کر دیا اور ترکی عورت کو صدیوں کی غلامی و بیچارگی سے نجات دلائی۔ ہندوستان کی سم آلودہ فضا میں نحیف مریض غمگین اور تنگ خیال عورت کے بچے صحت ور خوش مزاج اور روشن خیال کیسے ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک اخلاقی کمزوریوں کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سارے ممالک کا یہی حال ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آزاد ممالک میں یہ باتیں منظر عام پر آ جاتی ہیں اور ہندوستان میں پس پردہ رہتی ہیں مصنوعی شرم اور بزدلی ہندوستانیوں کا شیوہ ہے۔ بڑے بڑے زاہد و عابد جن کے تقدس کا رعب تمام قوم کے دل پر چھایا ہوا ہے پردے ہی پردے وہ کچھ کر گذرتے ہیں جس سے شیطان بھی پناہ مانگے۔ یہی اعمال و اخلاق ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے۔ ہندوستانی شرم و حیا کی ایک اور تعریف بھی سن لیجئے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا جب لکھنؤ اور دلی کے امرا کی اولاد تہذیب و شائستگی سیکھنے ان عورتوں کے پاس جاتی تھی جنکو سوسائٹی نے ذلیل کر دیا تھا۔ اور ایسی تباہ شدہ عورتوں کے پاس جا کر ان بھلے مانسوں کے اخلاق درست رہنا معلوم۔

اور ہر نواب و امیر شان امارت دکھانے کے لئے ایسی عورتوں کو ضرور رکھتا تھا۔ اور یہ سب کھلم کھلا ہوتا تھا واہ کیا شان شرافت ہے۔

کم از کم موجودہ زمانے میں اس تہذیبی اور بے حیائی کو تو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور میں دعوے سے کہتی ہوں کہ موجودہ دور کے نوجوان اس معاملہ میں ان شریف باحیا بزرگوں سے بڑھ کر شرمیلے ہیں۔

ان برائیوں کی جڑ میں حکومیت نسواں تھی۔ جب بھی موقعہ ملتا تھا تو یہ شریف مرد بھولی بھالی لڑکیوں کے اخلاق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ غریب عورتیں پردہ میں تھیں پھر یہ کیوں ہوتا تھا۔ ذرا شوق کی مثنویاں اور اسی زمانے کے شعرا کا کلام دیکھئے شرم و حیا کونے میں بیٹھی الامان پکار رہی ہے۔ خیالات میں اس قدر گندگی ہے کہ خدا کی پناہ۔ مسلمان شریف عورت کے جذبات کی تصویر ان شعرا کے کلام میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔ کسی قوم کے اخلاق کا نمونہ اس کا ادب ہوتا ہے۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کا ادب کس قدر پست ہے دیکھئے اور شرمائیے۔

چار دیواری میں مقید رہ کر عصمت مآب کہلانا کوئی بڑا کارنامہ نہیں۔ اگر کوئی قیدی اپنے پاسبانوں اور زنجیروں کے باعث چوری نہ کرسکے تو یقیناً وہ قابل تعریف نہیں ہے۔ تعریف تو اُس انسان کی ہے جو آزاد خود مختار ہے۔ اور اُس کو سوائے خدا کے کسی کا خوف نہیں اور بہت سے موقعوں پر ضرورت ہونے کے باوجود بھی وہ امانت میں خیانت نہیں کرتا اور ایک اولوالعزم انسان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔

یہ نقطہ فلسفیانہ ہو یا نہ ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ محض اتفاق سے مرد کی برتری دلوں میں بیٹھ گئی "اتفاق وہ بلا ہے"، کہ بڑے سے بڑے انسان کا سر جھکا دیتا ہے۔ نپولین کی فتوحات یقیناً محض اتفاق کی رہین منت تھیں۔ ہٹلر کا عروج بھی اتفاقات کے زیر تحت ہے۔ آناً فاناً میں فرانس جیسی طاقتور حکومت کو زیر کر لینے کو آپ اتفاق نہیں تو کیا کہیں گے؟

اگر اتفاق سے فرانسیسی عیش و عشرت کے متوالے نہ ہوتے، مصائب جھیل لیتے تو پھر جرمن یوں شکست فاش اُن کو نہ دے سکتا۔ لیکن اُن کے عیش و عشرت اور جرمن کی جفاکشی سب میں اتفاق کی کارفرمائی ہے آپ نہ مانیں تو بات دوسری ہے لیکن حقیقت یونہی ہے۔

اچھا اپنے محترم بھائی کے فرمان کو سر آنکھوں پر رکھ کر ہم نے مان لیا کہ عورت بزدل ہے۔ بغیر مرد کے اسکی زندگی ناکارہ ہے۔ لیکن پھر مجھے یہ گزارش اُن کی خدمت میں کرنی پڑیگی کہ ایشیا کی بہادر عورتوں کو بھی وہ مردوں کی صف میں جگہ دیدیں جن کی بہادری کے کارناموں نے مردانِ عالم کے دل دہلا دیئے تھے۔ ترکی کی مشہور بہادر اور ادیب خاتون انقلاب ترکی کا اہم جز و خالدہ ادیب خانم بھی اور صبیحہ خانم مشہور ترکی ہوا باز خاتون خدا جانے کس طبقے میں شمار کی جائیں؟

"بے سر و پا مثالوں سے مجھے چڑ ہو گئی ہے" اصول کی بات کیجئے نا! اسلام نے عورت مرد کے حقوق میں ذرہ برابر فرق نہیں کیا پھر میں یہ کیسے مان لوں کہ عورت مرد سے کم ہے۔ شرعی اصولوں میں کہیں عورت مرد کے لئے کوئی خاص امتیاز نہیں ہے۔ خوں بہا اور قصاص عورت مرد کا یکساں ہے گناہوں کا کفارہ بھی دونوں کے لئے یکساں ہے۔ شرع نے نوع انساں کے دونوں صنفوں کے لئے کمی بیشی کے مرتبہ کا کوئی جواز نہیں رکھا۔ نکاح و طلاق وغیرہ ہر معاملہ میں عورت کی شہادت مرد کی طرح معتبر ہے۔

فاضل مضمون نگار رضیہ سلطانہ، چاند بی بی، اہلیا بائی کا ذکر کر کے خوش ہو لینا چاہتے ہیں۔ لیکن میں ان نامور خواتین کی زندہ مثال اب دیکھنا چاہتی ہوں۔ موجودہ ہندوستانی خواتین میں سے خصوصاً مسلمان خواتین میں سے کوئی چاند بی بی جیسی اولوالعزم ہے نہ نورجہاں، زیب النسا جیسی عالم وفاضل عقلمند مدبر جب عورت کے ناخن تدبیر سیاسی گتھیوں کے سلجھانے کی اہلیت رکھتے تھے تو ہندوستان آزاد تھا لیکن اب کہ عورت ناخنوں کو مہندی اور کیوٹکس سے رنگنا ہی جانتی ہے ہندوستان غلام ہے۔ "ل" کے ملک کے حالات پر غور کرنے سے زیادہ ہمیں اپنے ملک کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

ہندوستان کی طرح رسم و رواج کے بندھن میں گرفتار اور تعصب زدہ کوئی ملک نہیں ہے۔ اور یہی اس کی ذلت کا اصلی سبب ہے۔ ہمیں اوروں کے عیبوں پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے اپنی خامیوں پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

رونا تو یہ ہے کہ زمانہ انقلابات پیہم سے کچھ کا کچھ رنگ بدل رہا ہے لیکن ہندوستانی مسلمان عورت گردش عالم سے بےخبر چار دیواری میں بند زینت و تزئین میں مصروف ہے۔

فاضل مضمون نگار نے میرے لکھے ہوئے اہم مسائل پر غور کرنے کے بجائے تعصب کی عینک لگا کر مجھے جھٹلانے کی ایک ناکام کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت پر رنگ آمیزی کرنی بیکار ہے۔ ان کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ خطبۂ نکاح کا مطلب کتنے مسلمان سمجھتے ہیں اور اُن الفاظ پر کہاں تک عمل کیا جاتا ہے۔ کوئی کام جب تک عملی طور پر نہ کیا جائے کیسے اثر پذیر ہو سکتا ہے۔ اگر مجھے کوئی پھانسی پر بھی لٹکا دیگا تو میں یہی کہونگی کہ ہندوستانی عورت مقید ہے بے بس ہے مظلوم ہے اور ہندوستانی شادیوں کا مقصد پچھتر فیصدی عورت پر ظلم و جبر کرنا ہے اور اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ غضب خدا کا جانتے بوجھتے ماں باپ روپے کے لالچ یا اپنی کسی اور غرض کی بنا پر اپنی بھولی بھالی لڑکیوں کو سوکن پر دیدیتے ہیں اور ایک مرد کے نفس کی خاطر دو معصوموں کو تمام عمر دوزخ میں جلنا پڑتا ہے اور مر کر ہی اس عذاب سے وہ چھوٹتی ہیں۔ لیکن کسی اللہ کے بندے کو اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرے۔ خطبۂ نکاح یا اسلامی اصولوں پر اگر علمائے دین کا دھیان ہو۔ یا مرد اس کے پیرو کار ہوں تو پھر بیچاری عورتیں اس قدر دردناک مصائب کا

کا شکار ہی کیوں ہوں؟ گھر میں بیوی کو تنہا قسمت پر روتے رہنے کے لئے چھوڑ کر شوہر صاحب کا آدھی آدھی رات تک سیر تماشوں میں مشغول رہنا ہماری معاشرت کا جزو اعظم ہے۔ گو یا عورت تو انسان ہی نہیں اس میں تو جذبات ہی نہیں ہیں اُس پر تو مردوں کی یہی عنایت بہت کافی ہے کہ سونے کے زیوروں سے لاد کر مرغ زریں کے مانند اُس کو گھر کے قفس میں ڈال دیں۔ مقررہ اوقات پر اُس کو دانہ پانی دیدینا اور اوقات فرصت میں اُس سے دل بہلا لینا اُسکے ایثار و قربانی اور صدق و خلوص کا کافی سے زیادہ معاوضہ ہے۔ مرد کی یہ مطلق العنانی اور عورت کی بیچارگی ملک کی غلامی کا اصلی سبب ہے۔ اس صورت میں کہ کوئی عورت سماج و رواج کے خلاف زبان و قلم کو بھی حرکت نہیں دے سکتی۔ ہمارے پنپنے کی صورت ممکن نہیں۔

ل کا دعویٰ بالکل صحیح ہے جو نہ سمجھے اُس کی عقل کا قصور ہے۔ عورت محض بچے پالنے اور خاوند کی جا و بیجا اطاعت کرنے اور چولہا جھونکنے کے لئے ہی پیدا نہیں ہوئی۔

اسلام نے کب یہ کہا ہے کہ عورت کو جاہل مطلق رکھا جائے اور مرد سات سمندر پار جا کر تعلیم حاصل کریں۔ یہ تقسیم بیجا محض مردوں کی عنایت ہے۔

بڑے مزے کی بات ہے ہمارے مولوی اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کے لئے مذہب کی آڑ پکڑ لیتے ہیں سمجھتے ہیں نا! کہ عورتیں بیچاری تو کچھ جانتی نہیں ڈرانے دھمکانے کے لئے خدا کا نام لے دینا کافی ہوگا۔

"تو بہ تو بہ مذہب کو کیوں بدنام کیا جائے"۔ اسلام دین فطرت ہے اُس نے عورت کے حقوق غصب نہیں کئے، حضور سرور کائنات کے عہد بابرکت میں اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بڑی بڑی عالمہ فاضلہ بہادر خواتین گذری ہیں خولہ کی بہادری اسما کا ایثار، بی بی عائشہ کا علم و فضل خنسا کی آتش زبانی آج بھی تاریخ پر ثبت ہے مسلمان عورت جج وکیل ڈاکٹر معلم ادیب شاعر سب کچھ بن سکتی ہے۔ امریکہ و یورپ اپنے تعیش کی بدولت خانگی زندگی کا سکھ کھو بیٹھے غریب عورت کی آزادی تو محض بدنام ہی ہے۔ وہاں کی عورتیں تو اور بھی قابل رحم ہیں جنکو ہوس پرست مرد کے بیباک مطالبوں نے نیم عریاں لباس پہننے اور نت نئے فیشن بنانے کے لئے مجبور کر دیا۔ اور پھر بھی عورت ہی کو مجرم سمجھا جاتا ہے۔ اگر یورپ کی عریانی اور فیشن ہمارے محترم بھائیوں کی طبع متین پر گراں گذرتا ہے تو بجائے بیچاری عورتوں کو نصیحت کرنے کے اپنے ان مغرب زدہ بھائیوں کو تلقین کریں۔ جو شریف

اور پردہ نشین اور نیک طینت ہندوستانی لڑکیوں کو چھوڑ کر مغربی پریوں کی نیم عریانی پر اُلجھ جاتے ہیں اور اس طرح اسلام کی بنیادیں ہلاتے ہیں "عورت ناقص العقل ہے" یہ قول تھکے ہوئے بزرگوں کا ہے۔ آجکل کی فضا میں سانس لینے والوں کے منہ سے یہ فقرہ سُنکر باسی روٹی کا مزا آتا ہے۔ کوئی عقلمند عورت بھی اس پر اعتبار نہیں کرسکتی تحمل زیرک ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ عورت جو سسرال کی باتوں کا میکے میں اور میکے کے حالات کا سسرال میں ذکر نہیں کرتی کیسے ناقص العقل ہوسکتی ہے۔ وہ عورت جو اپنے شوہر کے عیوب کی پردہ پوش ہے اور اُس کے مظالم کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتی، کیا اُس کو ناقص العقل کہا جاسکتا ہے ؟

ہاں اُس کا انتہائی ایثار اور خلوص اگر ہمارے محترم بھائی کے خیال میں ناقص العقل ہونے کی دلیل ہو تو میں مان لونگی کہ وہ ٹھیک فرماتے ہیں۔ بیوفا مرد کے ساتھ تمام عمر نباہتے رہنا اور اپنی زندگی کی ہر خوشی مرد کے خاطر بھینٹ چڑھا دینا عورت کی فطرت میں ہے اور یہ اُس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ کاش کہ نیکی کا نقص اس میں نہ ہوتا۔

لائق تعظیم ہے یہ ناقص العقل عورت جس کی گود میں پیغمبروں عالموں اور شاعروں اور فلاسفروں نے پرورش پائی اُن کا علم وفضل تدبر و فلسفہ و شعر عورت کی دودھ کی چھاتوں میں پروان چڑھا۔ عورت کی گود کو دانایان راز نے بچے کا اولین مکتب لکھا ہے لیکن جب اس مکتب کا معلم ہی ناقص العقل عقلمند مرد کی رائے میں ہوا تو حیرت ہے اس معلم کے شاگرد کیسے عقلمند ہوگئے ؟ ظاہر ہے کہ اگر عورت ناقص العقل ہے تو مرد اُس سے بدتر۔

مشاہیر روزگار نے ہمیشہ اپنی ماؤں کی عظمت و تعریف کی اور کہا کہ ہماری برتری کا راز ہماری ماؤں کے حسن تربیت میں پوشیدہ ہے۔

ملک کے مشہور فلسفی شاعر علامہ اقبالؒ سے اس ناقص العقل عورت کی تعریف سُنئے۔ فرماتے ہیں ؎

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا — اور گھر میرے اجداد کا مجھ سے ہی روشن ہوا

نپولین نے بھی اپنی غیر معمولی جرارت و بہادری کا سبب اپنی ماں کی تربیت کو ہی قرار دیا۔

عورت کی اس ناقص العقلی پر عقلمند مرد کی سو عقلیں قربان کہ اُس نے اپنی گود سے ایسے ایسے لعل بے بہا نکالے جن کی قلم و تلوار کی دھاک اہل عالم کے دل پر بیٹھی ہوئی ہے۔

(باقی آئندہ)

مغربی دلہن

(مولوی ابن حسن صاحب شارق دھلوی)

ایک فارسی شاعر کا مقولہ ہے جب آسمان سے مصیبتیں نازل ہونے لگتی ہیں تو وہ نازل ہونے سے پہلے میرا گھر دریافت کر لیتی ہیں ٹھیک یہی حالت آجکل مسلمانوں کی ہو گئی ہے۔ جب کوئی بداخلاقی یا برائی دنیا کے کسی گوشہ میں پیدا ہوتی ہے تو وہ مسلمانان ہند کا پتہ ڈھونڈھ لیتی ہے۔ پھر اس کے بعد ان ہی کے یہاں ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ مغربی تہذیب میں ہزار کیڑے ہوں پر کچھ خوبیاں بھی ضرور ہیں لیکن ہماری شامت اعمال ملاحظہ کہ ہم نے چن چن کر اس کے حیاسوز اور مخرب الاخلاق پہلوؤں کو اپنا لیا اور ہمارے نوجوانوں کی نظروں سے اس کے محاسن پوشیدہ رہے۔

میاں امتیاز حسین ہی کے معاملہ کو لیجئے اچھے خاصے متشرع مسلمان زادے تھے علی گڑھ کی جو ہوا لگی تو پورے کرسٹان ہو گئے اب نہ وہ شرعی لباس رہا اور نہ اردو زبان میں بات چیت رہی سر سید ہال کے لاٹ صاحب کی زبان اور لباس دونوں انگریزی ہو کر رہ گئے۔

میں بیٹھا عارف سلمہ کو سبق پڑھا رہا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں امتیاز صاحب کوٹ پتلون ڈاٹے چرٹ منہ میں لگائے چلے آرہے ہیں۔ ارے بھئی تم یہاں کیسے ٹپک پڑے کہاں علی گڑھ کہاں گوالیار؟ بولے اس وقت تفصیلات سب نہ دریافت کیجئے۔ میں بہت پریشانی کے عالم میں وارد ہوا ہوں۔ امّاں نے میری شادی کا انتظام کر لیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں بغیر لڑکی کو دیکھے اور اس سے بات چیت کئے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوں۔

میں بولا۔ نسبت کہاں قرار پائی۔ بولے خان بہادر میر ولایت حسین شملہ والوں کے یہاں لڑکی لکھنؤ کے تھوبرن کالج کی گریجویٹ ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا پھر کیا قباحت ہے آپ بھی تعلیم یافتہ اور وہ بھی تعلیم یافتہ میں خان بہادر سے مل کر طے کرا دوں گا آپ بر دکھوے کے بہانے جایئے اور اپنی ہونے والی بیگم صاحبہ سے

شرف ملاقات بھی حاصل کرتے آیئے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔

مگر یار ہے بڑی معیوب بات۔ دنیا کیا جنم میں تھوکے گی۔

بہر حال آپ مطمئن رہئے جس قدر میرے امکان میں ہے کوشش کر دوں گا۔ ابھی چندے قیام کیجئے۔ ٹھہرنے کے لئے امتیاز صاحب آمادہ نہیں ہوئے چنانچہ ہم دونوں دہلی آئے۔ لڑکی والوں کو جب نوشہ میاں کا یہ انوکھا اور دنیا جہاں سے نرالا خیال معلوم ہوا تو وہ بچارے سناٹے میں آگئے مگر تھے وہ بھی مغرب زدہ بالآخر طے پایا کہ میاں امتیاز بڑی خوشی کے ساتھ اپنی منسوبہ سے تنہائی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

میں تو واپس چلا آیا لیکن بعد میں مجھ کو معلوم ہوا کہ جب امتیاز صاحب دلہن کو پسند کر کے آگئے تو دلہن والوں نے تقاضہ کیا کہ ہماری لڑکی بھی اللہ رکھو نادان نہیں ہے وہ بھی تعلیم یافتہ لڑکی ہے اُس کی خواہش ہے کہ وہ بنفس نفیس دولہا کو دیکھنے دولہا والوں کے یہاں مع چند سہیلیوں کے آئے اور دیکھنے کے بعد اپنی پسند یا ناپسندیدگی کا اظہار کرے جب ہم میاں بیوی کو یہ مضحکہ انگیز خبر ملی تو مارے ہنسی کے ہمارا بُرا حال ہو ہو گیا۔

سوء اتفاق یہ کہ شادی کے موقعہ پر میرا جانا دہلی کسی عنوان نہیں ہوا لیکن دوسرے لوگوں کی زبانی مجھے اس انوکھی شادی کی خبریں لگتی رہیں۔ کس طرح دلہن موٹر میں فراٹے بھرتی آئی اور کس بیباکی سے اُس نے شرم و حیا کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ الغرض حاشیہ لگانے والوں نے وہ وہ نون مرچ لگا کر حالات بیان کئے کہ میرے تعجب کی انتہا نہ رہی سب سے زیادہ تعجب تو مجھے اس بات پر تھا کہ آخر یہ امتیاز صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا وہ لڑکی کی شکل صورت پر ایک چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گئے ہیں۔ وہ تو سرے سے شادی ہی کو ایک لایعنی رسم سمجھتے تھے یا یہ چٹ منگنی پٹ بیاہ والا مضمون ہو گیا۔ آخر ماجرا ہے تو کیا۔ ممکن ہے لَومیرج ہوئی ہو لیکن اگر لَومیرج ہوئی ہوتی تو وہ لڑکی کو دیکھنے پر یوں اصرار کیوں کرتے اور مجھے بیچ میں کیوں ڈلواتے؛ پھر یہ بھی خیال آیا کہ شاید خان بہادر نے گھر دامادی کی عزت بخشی ہو لیکن ان میں سے کوئی بات دل کو نہ لگتی ——

میں اسی شش و پنج میں تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ میاں امتیاز صاحب بھرے چلے آ رہے ہیں۔ آتے ہی بات نہ چیت "یار ایک مضمون لکھ دو، تمہاری مضمون نگاری کی بڑی دھوم ہے "تہذیب مغرب کا خارزار" کے عنوان سے مضمون ہو: مضمون میں سینما دیکھنے کی بُرائیاں ہوں) میں نے دریافت کیا کیوں بھائی امتیاز یہ سینما کی بُرائیاں کیوں نکلوائی جا رہی

ہیں۔ بولے آپ کی بھاوج نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ سینما دیکھنے کا تو آپ جانیں میں بھی شوقین ہوں پر نہ اتنا کہ ہر وقت سینما۔ اُٹھتے سینما۔ بیٹھتے سینما۔ ہر وقت ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی اداکاری اور حسن صورت کا تذکرہ۔ تین چار ہفتہ میں میرا تو کلیجہ پک گیا۔ گھر کیا ہے اچھا خاصہ نیو تھیٹرز کا سٹوڈیو ہے۔ اوپر تصویر نیچے تصویر اغل تصویر بغل تصویر شمال تصویر جنوب تصویر غرض ہر طرف تصویر ہی تصویر ہے۔ میں تو سمجھا کر تھک گیا اب آپ ہی سوچیئے کہ کیا کیا جاوے۔

میں نے کہا بھائی! شادی آپ نے خود دیکھ بھال کر کی ہے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں آپ کا خادم ہوں ابھی مضمون لکھے دیتا ہوں لیکن اس بات کی کون ضمانت لیتا ہے کہ وہ میرا مضمون پڑھ بھی لیں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اُردو رسائل میں لکھتا ہوں اور غالباً ان کو اُردو کے جرائد سے نفرت ہو گی ان کو تو "فیشن" اور "ٹرو سٹوری" "میگزین" بھاتا ہو گا اور بفرض محال اگر انھوں نے آپ کی کوششوں سے اُسے ایک بار پڑھ بھی لیا تو اس بات کی کون گارنٹی لیتا ہے کہ وہ اس پر عامل بھی ہو جائیں گی۔

لیکن وہ میری مخلص گذارش کو عذر لنگ سمجھے اور مضمون لکھنے پر مجھے مجبور کرنے لگے۔ اسی بحث ا بحثی میں عارف کی والدہ آ گئیں بولیں آپ لڑیں نہیں مضمون میں لکھ دوں گی اور تہذیب نسواں میں شائع کرا کے وہ رسالہ آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں گی آپ اُسے اپنی میم صاحبہ کی میز پر رکھ دیجیے اللہ ان کے دل میں نیکی ڈالے گا تو وہ اُسے پڑھنے کی تکلیف گوارا کر لیں گی اور اگر اللہ چاہے گا تو ان پر اس کا اثر بھی ہو گا وہ مقلب القلوب ہے اُس سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

چنانچہ جیسا طے پایا تھا مضمون چھپا اور مطالعہ کرایا گیا لیکن مسز امتیاز پر اُس کا مطلق اثر نہ ہوا۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے انھیں لکھا کہ بھائی یہ نشہ وہ نشہ نہیں ہے جو معمولی معمولی نسخوں سے اُترے اس کے لئے تو غالباً انجکشنوں کی ضرورت ہو گی بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ ہی مغرب کی جھوٹی نقالی سے توبہ کیجئے پھر اپنی بیوی کو نصیحت کیجئے۔ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت۔ ان کا کلب جانا اور رات کے گیارہ گیارہ بجے گھر واپس آنا اُس وقت تک بند نہیں ہو گا جب تک تم اپنی روش ٹھیٹھ اسلامی نہ کرو گے۔

خدا کا کرنا کیا ہوا امتیاز کا دل میرے ایک ہی خط سے پلٹ گیا اور یا تو وہ فرنگیوں کے سے لباس میں رہتا

اور گٹ پٹ کرتا تھا یا ایک دم صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو گیا۔

اس عرصہ میں میرا کئی بار دلی جانے کا اتفاق ہوا لیکن مسز امتیاز کے چال چلن میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ خود امتیاز بھی پریشان اور سارا گھر بھی پریشان۔

آخر کار مجبور ہو کر میں نے امتیاز کو رائے دی کہ وہ اپنی بیگم سے بناوٹی بے رُخی کا اظہار کریں اور کچھ ایسی افواہیں اُڑا دیئے جس سے اُس کے عقد ثانی کا راز ظاہر ہو جائے۔ یہ گویا آخری تیر ہے۔ اگر کامیاب ہو گیا تو وارے نیارے ہیں ورنہ تم جانو یہ وہی دُلہن ہیں جن کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ بجلی کا چراغ لے کر بھی ڈھونڈھو گے تو ایسی لڑکی نہ ملے گی۔

امتیاز صاحب کی دوسری شادی کی سُن گُن پاتے ہی مسز امتیاز تو گویا بیہوشی سے اچانک ہوش میں آگئیں۔ اب چوبیس گھنٹہ وہ اپنے نکھٹو میاں کی چوکیداری کرتی ہیں اور زیادہ سینما نہیں دیکھتیں۔ امتیاز صاحب کی اس تبدیلی کو نہایت خندہ پیشانی سے دیکھتی ہیں

میاں کی طرح بیوی نے بھی نماز پڑھنی شروع کر دی ہے اور انھیں اُردو رسائل سے بھی بیر نہیں رہا ہے سُنا گیا ہے کہ انیس نسواں بھی جاری کرا لیا ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر کچھ دن بھی اس رسالہ کا مطالعہ کر لیا تو دونوں میاں بیوی پکے مُسلمان ہو جائینگے اور مغرب کی کورانہ تقلید سے نجات پائینگے۔ قارئین بھی دُعا کریں کہ خدا ان دونوں کو جلد راہ راست پر لائے آمین ثم آمین۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی　　اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج　　موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے　　اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود　　مر کے پھر ہوتا ہی پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں میرے آئینۂ گفتار میں　　آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس　　سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

مناجات بحضور سرورِ کائنات

خان بہادر چودہری خوشی محمد صاحب ناظر بی۔اے

پھر اے فخرِ رُسل اُمت کی کھیتی کو ہرا کر دے　　ہماری مشکلیں آساں پھر اے مشکل کُشا کر دے

ہے ظلمت یاس کی چھائی ہوئی واللیل کی صورت　　اُسے پھر رُوئے روشن کی ضیا سے والضحیٰ کر دے

پھر اے مدفونِ یثرب۔ اے مقیم گنبدِ خضرا　　تو اپنے گنبدِ خضرا کو خضرِ رہنما کر دے

ترے عاشق مسلماں ہیں ترے دیدار کے پیاسے　　ذرا بُردیمانی کا نقاب اُس رُخ سے وا کر دے

یہ ذلت اُمتِ مرحوم کی دیکھی نہیں جاتی　　اسے پھر زندہ کر دے یا محمدؐ! یا فنا کر دے

نہ آگے غیر کے تیرے فدائی ہاتھ پھیلائیں　　تو اس خیلِ گدایاں کو خودی کا بادشا کر دے

حمیت فقر میں ہو اور غنا میں خاکساری ہو　　انہیں فقر و غنا میں رنگِ یک رنگی عطا کر دے

عطا کر دے وہ سیرت کی بلندی پھر مسلماں کو　　وہ اپنا انتم الاعلون کا وعدہ وفا کر دے

بہت خودساختہ لیڈر ہیں پیٹے نوجوانوں سے　　نہالانِ چمن کو عشقِ ہمیاں سے رہا کر دے

کوئی مخلص مسلماں قائدِ اسلام پیدا کر　　اور اُس کو کاروانِ قوم کی بانگِ درا کر دے

خدا غارت کرے اُس واعظِ اسلام دشمن کو　　کہ جو مسلم سے مسلم بھائی سے بھائی جدا کر دے

ترے عہدِ مبارک میں نہ سُنی تھا نہ شیعی تھا　　تو اِن اخوانِ یوسف کو پھر اخوان الصفا کر دے

ہے سلطانِ دکن کے نام سے یہ انجمن زندہ　　جہاں پر دیر پا یہ سایۂ بالِ ہما کر دے

مسلمانوں کی کشتی کا یہی اک کھینے والا ہے　　تو عمرِ نوح اس سلطانِ خوباں کو عطا کر دے

جہاں کے سب خزائن کی عطا کر کنجیاں اس کو　　کہ عثمانِ غنی فقرِ مسلماں کو غنا کر دے

دکھا دے بزمِ اخواں کو اخوت کا سماں ناظرؔ
نمایاں کاروانِ رفتہ کے پھر نقشِ پا کر دے

پیامِ اسلام

یعنی وہ تقریر جو ایمان و اسلام کے اصل مقصد اور حقیقی مفہوم کے متعلق نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علی گڑھ نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ کے موقع پر باہ ربیع الاخیر ۱۳۶۰ھ ۱۰ اپریل ۱۹۴۱ء بمقام لاہور کی۔

حلقہ بگوشی میرے بھائیو! آپ کا ایک مخلص آپ کی خدمت میں آج پھر حاضر ہے۔ سب سے پہلے آج سے چالیس برس اُدھر حاضر ہوا تھا۔ درمیان میں بھی حاضر ہوا۔ نہ صرف ظاہری جسم سے بلکہ دل سے بھی ہمیشہ حاضر رہا۔ جب موقع ملا الحمدللہ خدمت بھی کرتا رہا۔

وہی قدیم نیازمندی آج بھی رشتہ گردن بنکر آپ کی خدمت میں کھینچ لائی ہے۔ سکرٹری صاحب جن کے جبیں نہوں اُن کی یاد فرمائی پہ دل حاضری پر مائل نہ ہوا۔ اسی عرصہ میں ایک پرانے حریف میرے دیرینہ مخلص اور آپ کے جدید صدرنشین سر شیخ عبدالقادر نے سازِ نیاز چھیڑکر پیام محبت پہنچایا۔ اب سر تسلیم تھا۔ انکار ناممکن حاضر ہوں۔ اور الحمدللہ پرانے اخلاص کی گرمی دل میں لے کر آیا ہوں ؎

حلقہ پیر مغانم ز ازل در گوش ست — ما ہمانیم کہ بودیم ہماں خواہم بود

سکرٹری صاحب نے خبر آمد سے خوش ہو کر عنوان گفتگو پوچھا جواب لکھا کہ جو پیام اسلام الحمدللہ یاد ہے وہی سُنا دوں گا۔

پیامِ حیات میرے بزرگو! پریسیڈنٹ کا یہ اڈریس نہیں۔ خوش کلامی کا مظاہرہ نہیں۔ آپ کا ایک مخلص بھائی نیاز مندانہ لہجے میں وہ پیامِ زندگی آپ کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ جو آج سے چودہ صدی پہلے سرزمین عرب میں اللہ کے بندوں کو اللہ کے پیارے رسول صلعم نے پہنچایا تھا۔ روحی فداہ۔ کیوں پہنچایا تھا؟ اس لئے کہ بندے اُس کو سنیں، اسکی سچائی کا زبان سے اقرار کریں دل سے سچا مانیں۔ اور اس وقت سے اس کی سچائی پر یقین لائیں کہ اس کا اثر اُن کی گفتار میں، رفتار میں، عمل میں، سیرت میں پورا انقلاب پیدا کردے۔ خلاصہ یہ کہ ایمان اُنکی زندگی کا دستور العمل بن جائے

دیکھنے والے اور سمجھنے والے ان کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کو مان جائیں اور خود اسی رنگ میں رنگ جائیں۔ دیکھو صحابہ کرام (ان پر اللہ کی رحمت) جس ملک میں جا بیٹھے (حالانکہ وہاں کی زبان بھی نہ جانتے تھے) اس ملک کی کایا پلٹ دی۔ کفر کا نشان بھی نہ چھوڑا۔ ان کی برکت سے وہاں اللہ کے وہ بندے پیدا ہوئے کہ دوسروں کے لئے شمع ہدایت بنے۔ عرب شام، مصر، عراق، ایران، خراسان ماوراء النہران سب ملکوں نے یہی فیض پایا اور پورا پایا۔ افسوس ہندوستان اس فیض سے محروم رہا۔ کھچڑی ہو کر دو رنگا بن کر رہ گیا۔

پیام کیا تھا؟ وہ تھا جس کو سب جانتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مانتے نہیں۔ اس پیام کی سادگی اور ہمہ گیری پر مخالف بھی سر دھنتے ہیں وہ کیا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ختم شد۔ یہی کلمہ حضرت رسول کریم نے پڑھا۔ یہی حضرت صدیق و فاروق و غنی و مرتضیٰ اور تمام آل و اصحاب نے پڑھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین بڑے سے بڑے اولیا و صلحا نے پڑھا۔ نہ ایک حرف زیادہ نہ کم۔ یہی وہ پیام تھا جس کا ماننے والا اُن تمام حقوق اور نعمتوں کا مالک ہو جاتا تھا۔ جو اسلام نے صلائے عام دے کر سارے اللہ کے ماننے والوں کے واسطے عام کر دیے تھے۔ نہ صرف اس عالم میں دوسرے عالم میں بھی ابد الآباد تک اور بالآخر آج بھی الحمد للہ اسی کلمہ کو ہم سب مسلمان روئے زمین پر پڑھ رہے ہیں۔

مشکل سوال یہاں سوال عظیم یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سب نے ایک ہی کلمہ پڑھا تو حالات کے تفاوت کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اگلے پڑھنے والے کامیاب تھے۔ فرماں روا تھے، روشن ضمیر تھے۔ ولی تھے، عالم تھے، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں کامیاب و ممتاز اور اُن تمام نعمتوں سے مالا مال جو ایک انسان کے حصے میں دنیا و آخرت میں آسکتی ہیں ہم اس کے بالکل برعکس ناکامیاب ہیں۔

سوال بہت بڑا ہے مگر جواب بہت سہل رکھتا ہے جس کو میں اوپر عرض کر چکا ہوں۔ معلوم نہیں کتنے سننے والوں نے اُس کو غور سے سُنا اور دل میں رکھا۔

آسان جواب میں نے اوپر کہا تھا۔ کہا اور مانا، ہم افسوس ہے۔ کہتے ہیں، مانتے نہیں۔ حاشا میرا یہ مطلب نہیں کہ زبان سے کہتے ہیں اور دل سے انکار کرتے ہیں۔ یہ مسلمان کا کام نہیں، پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ مانتے نہیں۔ کلام پاک میں کثرت سے اہل دین کی صفت آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ارشاد ہوئی ہے اور اتنی بار ارشاد ہوئی ہے کہ تاکید کا حق ادا ہو گیا۔ یہی شرح ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آمنوا شرح ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی ــــ

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کی حکم ہے کہ تمہارے لئے نمونہ عمل ہمارے رسول کی ذات ہے ۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے معنی جو ایمان لائے اور اُنھوں نے شائستہ عمل کیا ۔

ایمان کے معنی ایمان کے کیا معنی ؛ لغوی معنی سیدھے ہاتھ سے مضبوط پکڑنا ۔ شرعی معنی دل کی مضبوطی سے یقین کرنا جس نے جس مضبوطی سے یقین کیا اُسی قدر کامیاب ہوا ۔ اسی یقین سے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق ، حضرت عثمان غنی ، حضرت علی مرتضیٰ ہے اللہ اُن سے راضی ہو ۔

مضبوطی سے یقین کرنے کی شرح ارشاد ہوئی ہے وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں کوئی مومن اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کے باپ سے اولاد سے اور سارے آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں ۔ محبوب ہونے کے کیا معنی ۔ یہ معنی کہ آپ کی محبت پر سب قربان ۔ زندگی کی شان اور قوت ہے مقصد کی بلندی میں ۔ مقصد کی بلندی کا ثبوت ہے قربانی ، جس مقصد پر قربانی نہ ہو وہ مقصد بلند نہیں بلکہ مقصد نہیں جس زندگی میں مقصد بلند نہ ہو وہ زندگی نہیں ۔ یہی سعادت انسانی اس قول مبارک میں ہے ۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی محبت سب کی محبت پر غالب پاتا ہوں سوائے اپنے نفس کی محبت کے آپ نے فرمایا اے عمرؓ پھر ایمان کہاں ۔ یہ فرما کر دونوں دست مبارک اُن کے سینے پر مارے سینہ گرما گیا ۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کی محبت اپنے جان کی محبت پر بھی غالب پاتا ہوں فرمایا اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ اے عمرؓ اب مومن ہوئے یعنی کامل ۔

ایک اور مثال ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ نے ایک معرکہ میں ایک حریف مقابل کو مغلوب کرکے پچھاڑا سینہ پر بیٹھے کہ کام تمام کردیں ۔ اس نے چہرہ پر تھوک دیا ۔ چھوڑ کر الگ ہو گئے کافر محو حیرت ہو کر رہ گیا اور کہا کہ تھوکنے کا یہ اثر ہوتا کہ ہاتھ زیادہ کاری پڑتا ۔ نتیجہ برعکس ہوا ۔ فرمایا تھوک سے پہلے صرف حق کے لئے کام کر رہا تھا ۔ تیرے تھوکنے سے غصہ آگیا ۔ اپنے نفس کی غرض شامل ہوگئی ۔ خالص حق کی پیروی نہ رہی لہذا چھوڑ دیا ۔ سنو اور غور سے سنو کافر نے کلمہ پڑھا اور مسلمان تھا ۔ ابھی اور سُنئے ابن ملجم ناری نے جب حضرت شیر خدا کو محراب مسجد میں زخمی کیا اور حضرت امام حسنؓ نے یہ واقعہ سُنا تو آئے ۔ تشنگی کا خیال کرکے شربت پیش کیا ۔ فرمایا جان پدر ! مقتول سے زیادہ قاتل

کو پیاس ہوتی ہو جاؤ ابن ملجم کو ہماری طرف سے یہ شربت پلاؤ حضرت امام حسنؑ کی شان حکم کی تعمیل میں باپ کے قاتل کو شربت پلانے قید خانے میں گئے۔ بدبخت ابن ملجم کی شامت دیکھو۔ کہا حسنؑ میں بہت ہوشیار ہوں۔ تمہارے باپ اس بہانے سے مجھ کو زہر پلانا چاہتے ہیں چنانچہ شربت نہ پیا واپس لاکر کیفیت بیان کی۔ غور سے سنو۔ فرمایا واللہ اگر میرا بھیجا ہوا شربت پی لیتا تو کل قیامت میں علی اسوقت جنت میں جاتا جب ابن ملجم کو ساتھ لے لیتا۔ یہ تھی نفس کی قربانی۔

اولاد کی قربانی۔ حضرت بی بی خنسا نے قادسیہ کے میدان میں اس وقت جبکہ ایران پوری قوت دکھارہا تھا اور مسلمانوں کا پلہ غالب نہیں ہو رہا تھا میدان کے کنارے پر کھڑی ہو کر یکے بعد دیگرے اپنے چار جوانمرد بیٹوں کو بلا کر کفار کے مقابلہ پر بھیجا اور جب چاروں جانبازوں کو جانبازی کے بعد اپنی آنکھوں سے شہید ہوتا دیکھ لیا تو میدان سے شکر ادا کر کے چلی گئیں۔

مال کی قربانی۔ غزوۂ تبوک میں تیس ہزار لشکر کے سروسامان کی ضرورت تھی۔ انفاق (چندہ) کی تحریک فرمائی حضرت صدیق اکبرؓ اپنا چندہ لائے۔ دریافت فرمایا "ابوبکر بال بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے" جواب عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول۔ مطلب یہ کہ اللہ رسول کے سوا کچھ نہیں چھوڑا، سب حاضر ہے۔ اللہ اکبر کتنا بڑا سرمایہ چھوڑا۔

عزیزوں کی قربانی۔ حضرت عمرؓ نے شہادت کے وقت اپنے جانشین کا انتخاب چھ ممتاز صحابیوں کی سپرد فرمایا جو اُن دس میں سے تھے جن کو جنت کی بشارت زندگی میں مل گئی تھی۔ یعنی عشرہ مبشرہ اُن کی ہمشیرہ کے شوہر حضرت سعیدؓ بھی اسی گروہ میں تھے۔ اُنکو شامل نہیں کیا اور یہ بھی شرط کر دی کہ اگر انتخاب کرنے والے خلافت کے لئے میرے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو انتخاب کریں تو وہ خلیفہ نہ ہوگا۔ اسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی اولاد میں کبھی کسی نے خلافت یا سلطنت کا خیال نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت عبداللہؓ صاحبزادہ اور حضرت سالم پوتے کا تو کیا ذکر اُن کے غلام حضرت نافع کا یہ مرتبہ تھا کہ اگر جھنڈا بلند کر دیتے تو ہزاروں ایماندار جمع ہو جاتے۔

میرے بھائیو! اور کئی سو برس نیچے اُترو۔ ملک شاہ سلجوقی کا ایک واقعہ سن لو۔ ایمان کا ایک جز قیامت پر ایمان لانا بھی ہے ملک شاہ کا سکہ سلطنت اس کے دارالسلطنت اصفہان سے ایران، خراسان، شام و عراق طے کرکے مصر تک چل رہا تھا۔ بیس برس تک اُس وقت سے حکومت کی تاریخ کو اُس کی عظمت کا اقرار ہے۔ ایک بار ایک مہم پر لشکر لیکر خود گیا۔ راستہ میں ایک موقع پر گائیں چر رہی تھیں اُس کے غلام وہاں سے گزرے۔ ایک پر ہاتھ صاف کر کے لطف طعام

حاصل کیا۔ وہ ایک بیکس بیوہ کی تھی۔ اس کے یتیم بچّوں کی پرورش اور زندگی کا سہارا۔ سمجھ لو اس پر کیا گزری ہوگی مگر مسلمان تھی۔ جانتی تھی کہ ایمان کا جزو قیامت پر ایمان بھی ہے۔ بے تکلف ایک پُل پر جا کھڑی ہوئی۔ جہاں سے ملک شاہ گزرنے والا تھا۔ دیکھو! ملک شاہ جس وقت پہنچا۔ جواں ہمت بیوہ نے بے دھڑک کہا "الپ ارسلان کے بیٹے! میرا انصاف اس پل پر ہوگا۔ یا پُل صراط" پر ؟ ملک شاہ اللہ کا بندہ کانپ گیا۔ گھوڑے سے اُتر پڑا اور کہا میا اسی پُل پر انصاف ہوگا۔ پُل صراط کے انصاف کی طاقت نہیں ہے " واقعہ پوچھا۔ سنا۔ تحقیق کی۔ غلام کو سزا دی۔ بڑھیا کو بہت سی گائیں دیں۔ اُس کی خوشنودی حاصل کرکے گھوڑے پر سوار ہوا۔ چلا گیا۔ مہم سر تھی۔

اپنے ایمان کا مقابلہ صاحبو! یہ چند واقعات کلمہ طیبہ کا مطلب سمجھنے میں مدد دینے کے واسطے کافی ہیں۔ جب ان کے مقابلے میں ہم اپنے اقرار کی قوت کو جانچیں۔ ہم اپنے ایمان کی قوت سے کس کس کی محبت پر خدا اور اُس کے رسول کی محبت کو غالب پاتے ہیں اور اُس پر کیا کیا قربان کرتے ہیں، اپنا نفس عیش و آرام، مال، اولاد، سارے عزیز! صاف جواب ہے کہ ایک بھی نہیں کچھ نہیں۔ معلوم ہوا ایمان میں مضبوطی نہیں، ایمان میں مضبوطی نہیں تو عزم مضبوط نہیں۔ عزم مضبوط نہیں تو سیرت کس طرح مضبوط ہوگی ؟ اور اس کو سب کہیں گے خواہ کسی ملت و ملک کے ہوں کہ جس انسان کی سیرت مضبوط نہیں وہ خود مضبوط نہیں۔ جب خود مضبوط نہیں تو زندگی کی ہر منزل میں ناکامی کی ٹھوکریں کھائیگا۔ چنانچہ یہی ہمارا حال ہے۔

مجرّب نسخہ ایمان کی مضبوطی کا ایک مجرب نسخہ! اپنے پیشواؤں اُمت کی برگزیدہ ہستیوں کے سچے حالات غور سے دب سے محبت سے پڑھو سنو۔ بار بار پڑھو اور سنو۔ اس پر غور کرو، دل لگاؤ، دھیان دو۔ اس سے تمہارے دلوں کو اُن سے لگاؤ پیدا ہوگا۔ لگاؤ سے دل گرمائیں گے۔ گرمی کی تاثیر رگ و ریشہ میں دوڑے گی اور ان کو مضبوط کرکے فولادی بنا دے گی۔

زندگی کا میدان اس قوت کے سامنے سر جھکا دے گا جس طرح صدہا برس سر جھکائے رہا۔ کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہوگا۔ یہ ہماری سعادت ہے کہ اُردو زبان ہمارے اسلاف کے سچے کارناموں کے بیان سے اُن کتابوں کے ذریعے مالا مال ہو رہی ہے۔ جو ملک میں شائع ہو رہی ہیں۔ آخر میں یہ سن لو کہ سچے حالات پڑھو اور سنو۔ رطب و یابس سے بچو!

طرزِ میلاد

(از جناب ڈاکٹر شائستہ اختر صاحبہ سہروردی پی - ایچ - ڈی)

فاتحہ دوازدہم - رجب - گیارہویں اور اس کے علاوہ ہر ایک خوشی و غمی کی تقریب میں مسلمانوں میں میلاد کرانے کا دستور چلا آتا ہے - میلاد میں پڑھنے کی کتابیں تو ہزاروں ہی تھیں اور ہر ایک محفل میلاد میں میلاد خواں اپنے پسند اور انتخاب کی نعتیں پڑھا کرتے تھے لیکن میلاد کے پڑھنے کا ایک عام طریقہ تھا اور ہر شہر اور ہر گھر میں اسی ایک طریقہ سے میلاد پڑھی جاتی تھی - میرے بچپن میں جس طریقہ سے میلاد پڑھی جاتی تھی وہ یہ تھا کہ پہلے قرآن شریف کی چند آیتیں درود تاج سے افتتاح کیا جاتا اس کے بعد حمد پڑھی جاتی اس کے بعد فضائل میلاد نثر اور نظم میں بیان کئے جاتے جس کے بیچ بیچ میں مرحبا - درود شریف وغیرہ تمام حاضرین مل کر پڑھتے - اس کے بعد پیدائش نبوی کا ذکر آتا جس کے سلسلہ میں غیر معتبر روایتیں بھی ہوتی تھیں لیکن جس خلوص اور عقیدت کے ساتھ وہ پڑھی جاتی تھیں اس سے دل پر خاص اثر ہوتا تھا - پھر ولادت باسعادت کا ذکر آتا جس کے بعد سلام پڑھا جاتا - سلام ہمیشہ وہ ہوتا تھا جس سے کہ سب واقف ہوتے تھے یعنی

یا حبیب سلام علیکَ یا رسول سلام علیکَ
صلوٰۃ اللہ علیکَ

سلام سارے حاضرین جلسہ مل کر با آواز بلند پڑھا کرتے تھے کہ در و دیوار گونج جاتے اور راہ چلنے والوں کو معلوم ہو جاتا کہ میلاد ہو رہی ہے - سلام کے بعد حاضرین بیٹھ جاتے اور آنحضرت کے سیرت اور معجزات کا ذکر ہوتا جس کے بیچ بیچ میں درود و سلام اور عام طور سے ایسے مصرعے و اشعار جن سے کہ سارے حاضرین واقف ہوتے اور ساتھ پڑھ سکتے پڑھا جاتا جیسے کہ

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یا

سلمہ دقوم وبل صفوا الصدر الیمین مصطفےٰ اجیٰ الہ رحمۃ العالمین

یا

بلغ الہ بکمالہ۔ کشف الدجےٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلو علیہ وآلہ

اورمناجات پر اختتام ہوتا۔

میلاد کے طریقہ کا اس طرح مقرر ہونے میں یہ فائدہ تھا کہ حاضرین شریک ہو سکتے تھے اور میلاد کے آداب بھی ہر مسلمان بچے کو نماز کے طریقہ کے طور پر سکھائے جاتے تھے اور مذہبی تعلیم کا ایک حصہ ہوتے تھے لیکن آج کل فاتحہ دوازدہم کے موقعوں پر جو میلاد زنانہ انجمنوں کی طرف سے ہوا کرتے ہیں انکا کوئی خاص طریقہ نہیں۔ عام طور پر سیرت نبوی پر تقریریں ہوا کرتی ہیں نعت پڑھے جاتے ہیں پھر کسی قومی ترانہ پر جلسہ ختم ہوجاتا ہے۔ تقریریں ایسے جلسوں پر عموماً بہت اچھی ہوتی ہیں اور جو روایت بیان کی جاتی ہیں وہ صحیح اور معتبر ہوئی ہیں لیکن اس قسم کے جلسوں کا نقص یہ ہے کہ ان کی کوئی مقررہ صورت نہیں یعنی ہر جلسہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے کوئی خاص صورت اب تک ان کی قائم نہیں کی گئی ہے تاکہ اس میں حاضرین بھی حصہ لے سکیں مثلاً کبھی تو سلام پڑھا نہیں جاتا اور کبھی شاہنامہ اسلام کا سلام پڑھا جاتا ہے تو کبھی رسول بیتی کا تو کبھی آمنہ کے لال کا۔ اسی طرح درود اور سلام نثر اور نظم کے بیچ میں بھی باوجود تاکید کے حاضرین میں سے کوئی نہیں پڑھتا کیونکہ کوئی ایک میلاد پڑھنے والی نہیں ہوتیں جن کے ساتھ مل کر پڑھا جائے۔ دوسرا نقص اس طرح بے ترتیبی سے میلاد پڑھنے کا یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا جذباتی اپیل نہیں ہوتا۔ مذہب میری ناچیز رائے میں تو کم سے کم زیادہ تر ایک جذباتی چیز ہے۔ دنیا کی اعلیٰ ترین چیزیں جذباتی ہی ہیں دماغی نہیں اور اسی لئے مذہب کا بھی جذبات سے زیادہ تعلق ہے بہ نسبت دماغ کے۔ اور پرانے طریقہ کے میلاد میں جذباتی کشش زیادہ ہوتی تھی۔ پھول لوبان اور عطر کی خوشبو۔ گلاب کا چھڑکنا۔ سب کا مل مل کر پڑھنا۔ قیام اور اخیر میں رنگ برنگی کاغذوں یا بلوری تشتریوں میں شیرینی یہ سب چیزیں ایک خاص حسن اپنے اندر رکھتی تھیں جو کہ ایک میٹنگ کے طرز پر محفل میلاد میں نہیں ہوتا کوئی وجہ نہیں کہ محفل میلاد اس طرز سے نہ ہو جیسے کہ ہوتی آئی ہے۔ صرف

یہ تبدیلی کر دی جائے کہ بے بنیاد روایتوں کے بدلے مستند اور صحیح روایتیں پڑھی جائیں اور آج کل کتنی ہی کتابیں میلاد کی ایسی لکھی گئی ہیں جن میں کہ ولادت باسعادت کا ذکر اور سیرت نبی کا تذکرہ نہایت موثر پیرایہ میں ہے انھیں میں سے اسی طرح چیدہ چیدہ روایتیں لے کر ایک مقررہ طور سے ترتیب دے لینی چاہئیں۔ اور ہمیشہ میلاد شریف کی مجلسوں میں اسی ترتیب سے درود و سلام کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے۔ ہر ایک پڑھنے والی نئی نعتوں اور اشعار کا اضافہ کر سکتی ہیں لیکن میلاد کا ایک مقررہ طرز ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے ہوتا تھا تاکہ ہر کوئی اس میں حصّہ لے سکے اور روحانی سرور اور حظ حاصل کر سکے۔

سرور کائنات کی محفل جتنی بھی شاندار معطر اور منور ہو بہتر ہے۔ اس لئے محفل میلاد کا انتظام حتی المقدور تزک اور احتشام کے ساتھ کرنا چاہئے اور ایک کاروباری میٹنگ کی طرح بے رونق نہیں ہونا چاہئے۔

الٰہی خیر ظلمت کی گھٹا یہ کیسی چھائی ہے
کہ دشمن اس سے اسلام کی ساری خدائی ہے
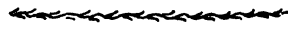
نسیم ابر افشاں آج آندھی بن کے آئی ہے
مٹا جاتا ہے باغ دیں دہائی ہر دہائی ہے

نمازیں ہیں نہ روزے ہیں محبت ہے نہ طاعت ہے
اندھیرا ہے حسد ہے بغض و کینہ ہے لڑائی ہے

مسلماں خوابِ غفلت ہو چکا بیدار ہو اب تو
ارے اے سونے والے اُٹھ کہاں کی نیند چھائی ہے

تری دولت گئی عزت گئی راحت گئی غافل
الم ہے مفلسی ہے بیکسی ہے بے حیائی ہے

دُعائیں ہیں تری بے روپ رونا ہے ترا مہمل
فغاں میں ہے اثر باقی نہ آہوں میں رسائی ہے

بہارِ دولت اسلام تیری لٹ گئی ساری
بس اب تیرے لئے ہیں ذلتیں یا جگ ہنسائی ہے

خدارا اب تو آنکھیں کھول اے غفلت کے متوالے
عمل بگڑے ہوئے ہیں اپنے غیروں کی بن آئی ہے

نہ دنیا تیری اچھی ہے نہ عقبیٰ تیری اچھی ہے
اُدھر صبح قیامت ہے ادھر شام جدائی ہے

تو اب بھی ہمتوں سے کام لے تو کچھ نہیں بگڑا
وہی تیرا خدا ہے اور وہی تیری خدائی ہے

عمل کی ابتدا کرنا نعرۂ اللہ اکبر سے
یہی نعرہ ہے جس نعرہ نے کل دنیا ہلائی ہے

کرم کر اے مرے اللہ اس ناچیز عفت پر
الم کے بادلوں اور غم کے طوفاں کی چڑھائی ہے

وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ

(از جناب ثریّا جبین صاحبہ بھوپالی)

ماہ جنوری کے پرچہ میں بہن سیدہ آسیہ بیگم صاحبہ کا مضمون بعنوان حفاظت قرآن پڑھا تو آج سے دو سال قبل کا واقعہ آنکھوں میں پھر گیا جس میں خدا نے دہکتی ہوئی آگ میں سے قرآن پاک کو بچا کر اپنے وعدہ وانا لہٗ لحافظون کو پورا فرما کر سبکو حیرت میں کر دیا۔ آج میں اسکا مختصر حال لکھتی ہوں مجھے اُمید ہے کہ بہنیں اس کو شوق سے ملاحظہ فرمائیں گی۔

حاجی نور محمد شروع سے ہمارے ہاں ملازم تھا جب بڑھاپے نے اسکو کام سے بالکل معذور کر دیا۔ تو والد صاحب نے اسکی پنشن مقرر کر دی وہ دن بھر خدا کی یاد میں مصروف رہتا قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور یا پھر ہمکو دینوی مسئلہ مسائل سمجھایا کرتا اسکے جوانی اور بچپن کے گزرے ہوئے حالات ہم کو سُننے کا بڑا شوق تھا اس کا قرآن شریف جو جلد سے بہت پُرانا معلوم ہوتا تھا اسکے لئے ایک متبرک اور الہامی کتاب ہونے کے علاوہ کسی ماضی کی یاد تازہ کرتا وہ اکثر اپنے قصّے کے آخر میں سرد آہ بھر کر کہتا۔ ” دیکھو صاحب میرے مرنے کے بعد میرا قرآن شریف کون پڑھتا ہے “

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی آج پورے دو سال ہو گئے جبکہ اُسکے گھر میں آگ لگی اور ہماری لاکھ کوشش کے باوجود ہم اسکو زندہ باہر نہ لا سکے۔ خدا ایسا خوفناک وقت کسی کو نہ دکھائے۔ تین گھنٹہ کی سخت کوشش کے بعد آگ پر قابو پایا تو خاک کے سوائے اور کچھ نہ پایا وہاں کی تھوڑی سی صفائی کرنے کے بعد عجیب منظر دیکھا نور محمد کی لاش کے پاس خاک کے چھوٹے سے ڈھیر پر قرآن پاک رکھا ہے مگر بالکل خشک ایک قطرہ پانی اس پر نہیں پڑا۔ سبحان اللہ..... جلد جلی جز دان جلا آس پاس کا حاشیہ جلا مگر قسم ہے اپنے پیدا کرنے والے کی کہ عبارت کے پاس آکر آگ خود بخود سرنگوں ہو گئی آگ کو مجال نہ تھی کہ آگے بڑھے پانی میں ہمت نہ تھی کہ الفاظ کو چھو سکے اللہ اللہ اس آگ میں جس میں لوہا تانبا شیشہ اور پتھر موم کی طرح پگھل گئے ہوں قرآن شریف کا صحیح سلامت برآمد ہونا اسی کی قدرت ہے یہ اسکی قدرت کا معجزہ ہے جس کو ہندو مسلمان آ آکر دیکھتے اور دنگ رہ جاتے۔ ہم نے بہت چاہا کہ اس کی نئی جلد بنوالیں مگر افسوس کہ حاشیہ جل جانے سے نئی جلد نہ بن سکی اور یہ مکمل قرآن شریف بغیر جلد کے محفوظ رہا۔

مکافاتِ عمل

(از جناب حافظ ولایت اللہ صاحب ناگپور)

خدا نے کہا ہے ظلوماً جہولا | یہ انساں کا ہے مختصر فارمولا
ملایک نے سجدہ کیا اُس کے جد کو | جب آدم تھا صرف ایک خاکی ہیولا
بڑی ذمہ داری تھی اُس مرتبت کی | مگر دل میں انساں تکبر سے پھولا
نبی اُس نے بھیجا کتاب اُس نے بھیجی | مگر پھر بھی مُسلم رہ راست بھولا
نسیم کرم روح افزا وزاں تھی | یہ گہوارۂ عیش میں خوب جھولا
بحکم خدا رُخ ہوا کا جو بدلا | زمیں پر اُٹھا پُر خطر اک بگولا
فنا کن اُٹھے ہر طرف تیز شعلے | یہ سوکھی ہوئی گھاس کا ایک پولا
تنوں میں رہی جب نہ کچھ جان باقی | کلہاڑی چلی اور آرہ بسولہ
یہ حالت ہماری سزائے عمل ہے | بزرگوں کا صادق ہوا ہے مقولہ
ہیں اب تندرستی میں بھی پاؤں لنگڑے | ضرورت پہ دستِ عمل بھی ہے لولا

ایک تصحیح

(از جناب زبیدہ زریں صاحبہ علیگڑھ)

مارچ کے انیس نسواں میں "اتحاد اسلامی" نظر سے گذرا۔ صرف ایک غلط فہمی دور کر دینا چاہتی ہوں وہ یہ کہ جس وقت مسلمان یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب رنگ۔ نسل اور قومیت کے بیجا فخر و مباہات مٹانے کے لئے دنیا میں آیا ہے تو وہ یہ بات مطلق بھول جاتے ہیں کہ جس دعوے کو وہ اس قدر غل مچا کر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہیں عملاً وہ خود اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ بات بتایئے کہ آپ اپنے نام کے آگے سید۔ شیخ۔ مغل۔ پٹھان اور نام کے بعد فاروقی۔ قریشی۔ علوی۔ عباسی وغیرہ کیوں لگاتے انصاف کی ترازو ہاتھ میں لیکر غیر جانب دار ہوکر اپنے ضمیر سے فی سبیل اللہ محاسبہ کیجئے کہ کیا یہ صفتیں اور نسبتیں ظاہر کرنا اظہار تفاخر نہیں ہے۔ پھر اپنے قلب ہی میں اس بات کا بھی محاکمہ کیجئے کہ ایک سید مسلمان اپنی لڑکی کسی نومسلم بہشتی سے کر سکتا ہے؟

حال ہی کی بات ہے کہ گوالیار کے ایک شریف گھرانے کی لڑکی دہلی کے ایک قصاب بیرسٹر سے منسوب کردیگئی۔ اس پر لوگوں نے شدید اعتراض کئے اور کہا کہ شادی میں خاندان اور ہڈی کو نہ دیکھا بلکہ ریاست و امارت کو ملحوظ رکھا۔ بیرسٹر صاحب موصوف کے اخلاق و سیرت کی ایک دنیا گرویدہ ہے لیکن بیٹی دیتے وقت وہ دنیا مسلمان ہوتے ہوئے بھی آنکھ چرا گئی۔

مضمون "اسلامی اتحاد" میں ایک جگہ یہ شائع ہوا ہے کہ "اپنے وطن اور قوموں کے شیدائی بنکر مسلمان ایک منظم قومیت کو نہ کھو بیٹھیں" گویا مسلمانوں کی ایک علیحدہ قومیت ہے میں مضمون نگار کو یقین دلاتی ہوں کہ مسلمان دنیا کی کسی قوم کا نام نہیں بلکہ بہت سی قوموں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ خود حضور سرور کائنات کے زمانۂ مبارک میں ایک مسلمان پارسی تھا ایک یہودی ایک عرب النسل قریشی دوسرا نصرانی مختلف نسل اور قومیت کے لوگوں نے اس بین الاقوامی عالمگیر تعلق سے رشتہ جوڑ لیا تھا جس کا نام "اسلام" ہے بعد میں ایرانی نسل کی۔ میدی

یہودی۔کلدانی۔حبشی۔آریائی۔تاتاری۔منگولی۔ٹیوٹانک الغرض ہزاروں نسلوں اور قوموں نے یہ پاک مذہب اختیار کر لیا ہے۔آپ بڑے شوق سے "قوم و وطن" کے دیوتاؤں کو پاش پاش کر دیجئے لیکن اُن سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا اقبال کی طرح "قومِ رسول ہاشمی" واں نہ کھڑا کر دیجئے ہم سب اُمتِ محمدیہ کے پیرو حضرت پاک کی معنوی اولاد ہیں لیکن قوم کا جو مفہوم عام معنوں میں آجکل مستعمل ہے وہ مومنوں کو احکام سماوی کے ذریعہ نہیں پہنچایا گیا۔مسلمان ہرگز ہرگز کسی قوم کے محدود دائرے میں قید نہیں ہوئے ؎

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بے کراں ہو جا

اگر قدیم یہودیوں اور آجکل کے جرمنوں کی طرح مسلمانوں نے یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ وہ خدا کی ایک برگزیدہ مخصوص قوم ہیں تو یہ اُن کا خیال خام ہے۔خدا تعالیٰ ہی کی بنائی ہوئی دنیا میں ہزاروں اور قومیں موجود ہیں اور جو اپنی اپنی برتری منوانے کے لئے آپس میں دست و گریباں ہیں مسلمانوں کی اس جماعت پر جو کئی براعظموں پر پھیلی ہوئی ہے "قوم" کا لفظ پھبتا نہیں ہے۔

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
اُمنگ جب دل میں ہو پیدا تو سب رنج و محن جائے

جواں آمادہ ہو جائیں۔عمل کا دور دورہ ہو
تو پھر اس دورِ حاضر کا نہ کوئی علم و فن جائے

اولعزمی دکھاتی ہے اُبھرنے کا صحیح رستہ
اگر دردآشنا دل ہے تو بگڑی بات بن جائے

ہر اک بھائی سے بھائی رشتۂ اسلام گر رکھے
تو میدانِ ترقی میں نہ خالی کوئی رن جائے

سچائی اور عدالت و شجاعت سینہ زن جب ہوں
نہ کیوں پھر وقت پر نازک سے نازک سینہ تن جائے

سبق ہم باغبانی کا عرب کے باغباں سے لیں
یقیں ہے پھر نہ یہ پھولا پھلا اپنا چمن جائے

خریدیں ملک کی چیزیں اور جامہ تن پہ سادہ ہو
تو کیوں جاپان و یورپ میں کسی کا مال و دھن جائے

مسخر ہوتی ہے دنیا ہمیشہ خوش بیانی سے
بیاں میں کچھ حلاوت ہو تو کیوں لطفِ سخن جائے

ترے ٹوٹے ہوئے خامہ کی یہ آواز ہے کبریؔ
نہیں یہ شاعری لیکن کوئی مصرعہ بھی بن جائے

ریڈیو اور خواتینی پروگرام

(از جناب "ق" صاحبہ نجمی دہلوی)

بہن محترمہ حمیدہ سلطانہ صاحبہ کا ایک مضمون "ریڈیو اور خواتینی پروگرام" پچھلے پرچہ شائع ہوا۔ میں نے نہایت غور اور دلچسپی سے پڑھا۔ موصوفہ کے خیالات قابل احترام ہیں آج کل کے پُر آشوب زمانے میں مسلمان بہنیں جس سُرعت کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں قدم رکھ رہی ہیں۔ اس کو دیکھ کر خیال ہو چلا تھا کہ عنقریب ہندوستان کی خوابیدہ قسمت جاگ اُٹھے گی۔

مگر واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بہنیں شاہراہ ترقی سے بہت دور ہیں مثلاً خواتین پردہ چھوڑ رہی ہیں تاکہ کاموں میں آسانی ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہئیے تھا کہ اپنی قوم کے لئے مفاد کے راستے کھولتیں ان بہنوں کی جو بے رحم سماج کا شکار ہو رہی ہیں۔ معاون و مددگار ہوتیں۔ مگر دیکھنے میں تو یہ آرہا ہے کہ خواتین کو سینما تھیٹروں میں جانے کے لئے آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ بعض خواتین جنھوں نے کچھ پڑھ لکھ لیا (جو حقیقت میں نہیں کے برابر ہے) ایسی سج دھج کے ساتھ بازاروں میں نکلتی ہیں۔ گویا اپنی خودنمائی کر رہی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہی چیزیں ترقی کی راہ میں مانع ہیں۔

بس سمجھ لیجئے ریڈیو کا بھی یہی حال ہے۔ ہمارا ملک اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا رہا، واجب تو یہ تھا کہ بہنیں ریڈیو کے ذریعہ اپنے قابل قدر خیالات کا اظہار کرتیں نیز بہنوں کو درس و تدریس میں مدد دیتیں۔

مگر دیکھنے میں تو یہ آرہا ہے کہ مرد تو اکثر و بیشتر ایسی تقاریر وغیرہ براڈکاسٹ کرتے رہتے ہیں جس سے سامعین خوش اور مستفید ہوتے ہیں مگر ہماری بہنیں ریڈیو پر فضول گانے اور لغویت نشر کرکے مشہور ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔

محترمہ حمیدہ صاحبہ کا یہ اعتراض کہ کارکنانِ ریڈیو اس بدعت کے مستحق ہیں قابل منسوخ ہے۔ یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ پروگرام انچارج پبلک سے یہ درخواست کرینگے کہ وہ لہو و لعب میں مبتلا ہوں۔ پیسے کمانے

کی خاطر پبلک جو چاہے کرے۔ اس کے ذمہ دار کارکنانِ ریڈیو ہرگز نہیں ہوسکتے۔

بہن موصوفہ کا دوسرا اعتراض کہ عورتوں کے پروگرام میں بولنے والی خواتین کا تلفظ صحیح نہیں ہوتا۔ بے تامل قابلِ تسلیم ہے۔ مگر اراکین ریڈیو تو یہ کہیں گے کہ قابل خواتین ان کاموں میں حصہ ہی نہ لیں تو ہمارا کیا قصور ہے اور یہ ہے بھی ٹھیک۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اپنے اعلیٰ مذاق اور شگفتہ طبیعت سے ریڈیو کے لئے ترقی کے راستے پیدا کریں۔ جس سے ہمارے ادب میں ترقی ہوسکتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ بُری یا اچھی باتوں کی ذمہ دار خود لڑکیاں یا ان کے والدین ہیں۔ بہنوں نے تعلیم کا مقصد غلط قرار دے رکھا ہے۔ ان کے خیال میں تعلیم کے یہی معنی ہیں کہ رقص و سرود کی محفلوں کی زینت بنیں اور ماہر موسیقی کہلائیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ یہ ذرائع ناکارہ ثابت ہونگے۔

مغرب کی کورانہ تقلید اور نئے رسم و رواج کے آگے مذہب کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ آج کل مسلمان بہنیں یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتیں کہ اسلام ہی اتنا وسیع اور مکمل مذہب ہے۔ جس کی بدولت عرب کے وحشی تمام روئے زمین پر چھا گئے۔ افسوس کہ ہم اس کے پیرو اپنے مذہب کے اصول مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ اپنا رحم کرے اور مسلمانوں کو سمجھ دے۔ آمین۔

یہ اک خارکش صبر و ہمت میں کامل
یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل

کہ جن سختیوں کا اُٹھانا ہے مشکل
وہی ہیں کچھ اے دل اُٹھانے کے قابل

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا
تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا

نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا
ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا

زمانہ اگر ہم سے زوروں آزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے

حالیؔ

ترقی کا راز تجارت میں مضمر ہے

(از جناب گلشن افروز صاحبہ کپورتھلہ)

تجارت کو اگر پیغمبری پیشہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ خود جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کئی دیگر پیغمبر تجارت پیشہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے اکثر صحابہ (رضوان اللہ علیہم) اور کئی اولیاء اللہ نے حصول معاش کے لئے اس شریف پیشہ کو اختیار کیا۔ سرتاج الانبیا صلعم کی حدیث ہے کہ ۹ حصہ رزق تجارت میں ہے اور ایک حصہ دیگر پیشوں میں۔

مشہور مورخ پروفیسر ڈی۔ ڈی کا بیان ہے کہ "زمانہ سلف کے مسلمانوں نے تجارت میں اس درجہ ترقی کی تھی کہ دنیا کی قریبًا قریبًا تمام بحری وبری تجارتی شاہراہوں پر ان کا قبضہ تھا اس سے ان کو تجارت اور سیاحت کے سلسلہ میں دنیا کے مختلف مذاہب کے ساتھ باہمی میل جول اور اختلاط کا سابقہ پڑا جس سے انہیں مختلف ممالک کے عیسائیوں، یونانیوں اور ہندوستانیوں سے مفید تجارتی اصول اور گر سیکھنے کا موقعہ مل گیا پھر ترقی کرتے کرتے وہ تجارت اور علوم فنون میں متذکرہ بالا اقوام پر بھی سبقت لے گئے۔ چنانچہ دارالخلافہ بغداد نے عہد عروج میں دنیا کا سب سے بڑا علمی اور تجارتی مرکز تھا جہاں یہ اسلامی مرکز مختلف علوم وفنون یعنی ریاضی۔ سائنس۔ فلسفہ، نجوم علم الادویہ اور حکمت میں حیرت انگیز ترقی کی وہاں عربوں نے تجارت میں اتنی ترقی کی جو عرب تجارت نہیں کرتا تھا اس کے عرب ہونے میں ہی شبہ کیا جاتا۔ جب بغداد کی بجائے مصر کو اسلامی مرکز بننے کا فخر حاصل ہوا تو مسلمانوں کی تجارت ایشیا اور افریقہ سے گذر کر یورپ تک جا پہنچی الغرض مسلمان تجار اپنی تجارت کے ساتھ تبلیغ اور اشاعت اسلام کا کام بھی بڑی خوش اسلوبی اور نہایت کامیابی کے ساتھ کرتے رہے گویا ان کی مساعی جمیلہ پر ہم خرما وہم ثواب کی مثل صادق آتی تھی۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ افریقہ سے جرمن مشنریوں نے یہ اعلان کیا تھا۔ افریقی اقوام میں مسلمان تاجر آتے ہیں ان کے ساتھ لین دین اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں ان کے سامنے نماز بھی پڑھتے ہیں تو یہ قومیں

ان کی اس درجہ گردیدہ ہو جاتی ہیں کہ فوراً اسلام قبول کر لیتی ہیں" ان سے نماز روزہ وغیرہ ارکان اسلام سیکھتی ہیں اوران کی ایسی ہی پابند ہو جاتی ہیں کہ گویا وہ پشتی مسلمان اور راسخ العقیدہ فرزندان توحید سے ہیں یورپین اقوام لاکھوں روپیہ خرچ کرنے، اور انھیں قسم قسم کے سبز باغ دکھانے کے بعد بھی افریقی اقوام کو عیسائی نہیں بنا سکیں۔ افریقہ میں مسلم تجار نے وہ نیک کام کیا ہے جس پر ایک پنتھ دو کاج کی مثل صادق آئی۔ یعنی تجارت کا شریف پیشہ اختیار کر کے انھوں نے دولت و مال بھی کمایا اور اسلام پاک کی خدمت بھی بجالائے۔

بغداد، مصر، بخارا کی طرح ایران ٹرکی، اور ہندوستان میں افغانوں اور مغلوں کے عہد سلطنت میں مسلمانوں نے تجارت صنعت وحرفت اور فن تعمیر میں اتنی ترقی کی کہ وہ اپنے تمدن کی یادگاریں صنعت وحرفت اور فن تعمیر کا عدیم المثال اور فقید النظیر نمو نے چھوڑ گئے جس کو دیکھ کر دنیا آج تک انگشت بدنداں ہو

انگریز آج ایک اتنی بڑی وسیع و عریض سلطنت کے مالک ہیں کہ جس پر ہر گھنٹے سورج چمکتا رہتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ اپنے آپ کو "نیشن آف شاپ کیپرز" یعنی دوکان داروں کی قوم یا تاجروں کی جماعت کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں حقیقت میں ان کی عظمت کا راز تجارت میں مضمر ہے۔ وہ ہندوستان میں سوداگرانہ حیثیت سے آئے چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تاجرانہ کمپنی تھی جس نے پہلے سوداگری اور تجارت کے ذریعہ سے دولت پیدا کی اور پھر مال و دولت کے سر پر اتنی زبردست اور طاقتور ہو گئی کہ ہندوستان کی فرماں روا اور حکمراں بن گئیں اور بالآخر سارا ہندوستان برطانیہ کے زیر نگیں آ گیا۔

جنھیں چار پیسے کا مقصد رہے یاں — سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
موافق نہیں جن سے ایام دوراں — نہیں دیکھ سکتے کسی کو دوشاداں
نشہ میں تکبر کے ہے چور کوئی — حسد کے مرض میں ہے رنجور کوئی
اگر مرجع خلق ہے ایک بھائی — نہیں ظاہرا اس میں کوئی برائی
بھلا جس کو کہتی ہے ساری خدائی — ہر اک دل میں عظمت ہے جس کی سمائی
تو پڑتی ہیں اس پر نگاہیں غضب کی — کھٹکتا ہے کانٹا سا آنکھوں میں سب کی

صبح خنداں

(از جناب چودھری عبدالدین صاحب قیصری بٹالوی)

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۴)

خزاں میں بلبلو تمکو زمزمے کب یاد رہتے ہیں
ہمیں ہیں جو غم و اندوہ میں بھی شاد رہتے ہیں

ہم اس مقتل میں پٹی باندھکر آنکھوں پر آئے ہیں
جہاں چاروں طرف جلاد ہی جلاد رہتے ہیں

گراتا ہے چمن پر آسمان کوئی نئی بجلی
اگر دو روز مل کر قمری و شمشاد رہتے ہیں

بنائیں صفحۂ ہستی پر ایسی ہم نے تصویریں
کہ نادم زیر تربت مانی و بہزاد رہتے ہیں

عطا ہم کو ہوئی روز ازل دولت شہادت کی
ہمارے شہر ویراں مقبرے آباد رہتے ہیں

چمن زار جہاں میں جن کو لوٹا دست گلچیں نے
وہ مثل عندلیب آشیاں برباد رہتے ہیں

گرفتار غلامی ہو گئے سرو و گل و لالہ
چمن میں دیکھئے اب کون کون آزاد رہتے ہیں

مدد اپنی جو خود کرتے ہیں اُن پر رحم ہوتا ہے
فرشتے غیب کے آمادۂ امداد رہتے ہیں

زہمت از غبارے کاردلنے می شود پیدا
بہشت تازہ از برگ خزانے می شود پیدا

اسلامی مساوات

ایک اطالوی نواب کا قبول اسلام

میں نے اسلام کے جوش محبت میں تمام قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید مذہب کا مطالعہ شروع کیا اور ان مذاہب کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرکے ان پر ایک گہری نظر ڈالنے لگا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ میں مطمئن ہوگیا کہ اسلامی عبادت ہی صحیح طریقہ عبادت ہے اور قرآن مجید میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ہر روح کی روحانی معراج کے لئے ضروری ہے۔

میں نے قرآن مجید کا مطالعہ نہایت ہی گہری نظر سے کیا۔ اگرچہ بدقسمتی سے مجھے اچھے تراجم نہ ملے۔ پھر بھی میں اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ قرآن مجید اپنی اصلی زبان میں کتنا دلکش اور رقت انگیز ہے۔

خاندانی حالات اگرچہ میرا پیدائشی مذہب کیتھولک تھا۔ مگر میرے خاندان کا ہر فرد روما کو پوپ کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے لڑتا رہا ہے۔ میرے والد ایک سال تک قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بند رہے میرے چچا بھی قید ہوئے اور بعد ازاں ان کے خلاف موت کا فتویٰ صادر کیا گیا۔ میرے چچا اور والد یہ سازش کر رہے تھے کہ گاریبالڈی کے لئے شہر کے پھاٹک کھول دیئے جائیں اور وہ داخل ہوجائے۔ لیکن سازش پکڑی گئی اور میرے چچا نے افریقہ بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ اور اپنی عمر کے بقیہ ایام وہیں گذارے۔

میرے والد کی زندگی بہت ہی مشکلات و مصائب میں گذری۔ وہ اپنی تمام جائداد اٹلی کی نجات پر خرچ کرچکے تھے۔ بالآخر جب اطالوی فوجیں روما شہر میں داخل ہوئی ہیں تو میں بہت ہی چھوٹا بچہ تھا اور اپنے والد کے اثر اور ہدایت میں پروان چڑھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے کبھی کیتھولک مذہب کے پیچیدہ اور ناپسندیدہ توہمات کو پسند نہیں کیا۔ میں ہمیشہ یہی یقین کرتا رہا کہ حضرت عیسیٰؑ نے مساوات انسانی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ خدا کی نظر میں سب یکساں ہیں۔ انسان انسان اور امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

عیسائیت کی مساوات لیکن اگر آپ کسی کیتھولک گرجا میں داخل ہوں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہاں غریب اور امرا میں کتنا عظیم الشان فرق موجود ہے؟ ایک امیر تو صف اول میں مخملی گدوں پر بیٹھ کر سر جھکاتا ہے۔ اور ایک

غریب سخت تخوں پر بہت پیچھے سر جھکائے پر مجبور رہے اور اگر ہم چاہیں کہ ہم سے کوئی شخص پادری صاحب سے گفتگو کرے تو ہمیں باریابی کی اجازت طلب کرنے کے لئے تحریری درخواست پیش کرنا ہو گی جو ہمیشہ تو نہیں مگر عام طور پر مسترد کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ پادری صاحبان اپنے آپ کو کیتھولک گرجا کے شہزادے سمجھتے ہیں۔

پوپ اور گرجا کی حالت پاپائے اعظم جو دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کے مدعی ہیں۔ سب سے بڑے مطلق العنان شخص ہیں۔ قرمزی مخمل ارشیم اور سمور میں ملبوس۔ سر پر قیمتی جواہرات کا طرۂ طلائی تخت پر تشریف فرما رہتے ہیں۔ شاندار وردیاں پہنے ہوئے محافظ اور قیمتی پوشاک میں ملبوس پادری چار طرف سامنے ہر شخص سجدہ (لیکن مجھ سے کبھی یہ گناہ سرزد نہیں ہوا) بہترین عطریات اور خوشبوؤں کی موجوں میں بہت ہی خوبصورت منظر، تھیٹروں کی تمام شان و شوکت ہویدا لیکن کسی روحانی تخیل کے پیدا کرنے سے دور بلکہ بہت دور۔

کیتھولک مراسم کی ادائیگی کے وقت پاپائے اعظم اپنا ہاتھ بلکہ اس سے بدتر اپنا پاؤں چومنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ کیا یہ تکبر و غرور کی انتہا نہیں ہے؟ فرض کیجئے کہ آپ کو کسی ایسی تقریب میں شرکت کرنا ہے جو کسی مقدس ولی کے اعزاز میں کی جا رہی ہو آپ کے پاس ٹکٹ ہونا چاہئے۔ اور بالکل تھیٹر کی طرح اپنے نمبر کی نشست پر بیٹھنا چاہئے۔ گرجا کے اندر آپ ایسی گیلریاں دیکھیں گے۔ جو اس موقع کے لئے سیاسی مدبرین شاہی خاندان والوں اور دیگر سوشل مدبرین کے لئے بنائی گئی ہونگی۔

اسلامی عبادت گاہ کی سادگی لیکن اس کے خلاف مسجد میں کس قدر حسن اور کس قدر سادگی ہے اور سچ کعبہ میں کتنی شوریت ہے؛ جہاں امیر و غریب میں کوئی تمیز نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔

اب میری روحانی تمنا یہ ہے کہ میں حاجی بنوں میں بعض اوقات یہی محسوس کرتا ہوں کہ میں تن تنہا ریگستان عرب میں ہوں جو میلوں تک سمندر کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ میں اللہ کے حضور میں حاضر ہوں اور لبیک کی صدائیں سن رہا ہوں۔ میں اس خوشی اور مسرت کو بیان نہیں کر سکتا۔ جو اس تصور سے مجھے حاصل ہوتی ہے۔ جب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں ایک دن اپنے تمام بھائیوں سے ملوں گا جن میں سفید بھی ہیں اور گندمی رنگ حبشی بھی بھی ہیں اور فرنگی بھی اور ان سب میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہم سب مقدس کعبہ کی طرف منہ کئے کھڑے ہیں تو میری روح خوشی سے جگمگا اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کوئی خاص رنگ مقرر نہیں کیا اور ہر

شخص کے پاس اپنے رنگ کے متعلق اطمینان بخش اور معقول وجہ موجود ہے پھر رنگوں کی بنا پر تفریق کے کیا معنی؟

رنگوں کے اختلاف کی حقیقت

میں گندمی اور سیاہ رنگوں کو پسند کرتا ہوں۔ ایک شخص قطب کی طرف جاتا ہے تو مو زرد اور بھورے بال کو دیکھتا ہے اگر وہ خط استوا کی طرف جاتا ہے تو اس کو گندمی اور سیاہ رنگ نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس چیز کا تعلق سورج کی کرنوں کی گرمی کو جذب کرنے سے ہے۔ برف موت پیش کرتی ہے اور سورج زندگی کا عطیہ میں سورج سے محبت کرتا ہوں اور برف سے دور بھاگتا ہوں۔ انسان کے پاس جو چیز قیمتی ہے وہ بیرونی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر کی ہے۔ کیا صدف کا رنگ گندمی نہیں ہوتا ہے لیکن اس کے اندر کا موتی کتنا سفید اور چمکیلا ہوتا ہے؟ میں گندم گوں اور سیاہ آدمیوں کی تصاویر بنانے میں بہت خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اگر میں سیاہ ہوتا تو خوش ہوتا۔ انسان کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ ایک مرتبہ عرب کے گرم سورج کے نیچے بھی رہے اگر کسی دن مجھے وہاں جانے کا موقع ملا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ میرا رنگ گندمی ہو جائے گا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے مسلمان بھائی میری اس چھوٹی سی آرزو کے لئے مجھے معاف کرینگے کیونکہ بہرحال مصوری میرا پیشہ ہے

ایک وسوسہ

اب میں اپنے اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ الغرض قرآن کے مطالعہ سے میں حد سے زیادہ مطمئن ہو گیا ہوں کہ مذہب اسلام سے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا کسی دوسرے مذہب کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان بننے سے پہلے آدمی کو اس وقت تک خود کو روکے رکھنا چاہئے یہاں تک کہ ایمان کے اعلان کا وقت خود بخود آ جائے۔ میں بھی اُس وقت کا منتظر تھا۔ لیکن میرے دل میں ہمیشہ ایک شبہ پیدا ہوا کرتا تھا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں مصوری بھی کرتا رہوں اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی بچتا رہوں؟ یہ وہی چیز تھی جس نے عرصہ دراز تک مجھے اپنے ایمان کے اعلان سے باز رکھا اور میں نے اس مسئلہ کے متعلق بہت سے عقلمند مسلمانوں سے دریافت کیا۔ ان میں سے بعض نے مجھے یہ جواب دیا کہ مصوری گناہ کبیرہ نہیں ہے دوسروں نے مجھے بتایا کہ فی زمانہ بہت سے نیک مسلمان بھی مصوری کرتے ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے۔ خود مجھ سے بہت سے سلاطین نے جو بہت اچھے مسلمان تھے اپنی تصاویر بنوائی ہیں۔

میرے پیارے بھائی حاجی علی رضا نے مجھے بتایا۔ اگرچہ مصوری گناہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم وہ بڑا گناہ نہیں کہ خدا کے غضب کے ہر دل کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ واضح ہو کہ حاجی علی رضا صاحب مذہب اسلام

کے ایک بہت بڑے عالم ہیں۔ چنانچہ مصوری کو میں نے جاری رکھا یہاں تک کہ میرے مذہب کے باقاعدہ اعلان کا خود بخود وقت آگیا۔

قبول اسلام کا اعلان میں رات کے وقت ایک عجیب وغریب خواب دیکھ کر جاگ اٹھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت ہی طوفانی سمندر ہے اور میں اُس کے اندر زندگی کی جنگ میں مصروف ہوں اور بڑی خونخوار موجوں سے لڑ کر سخت کشاکش کے بعد ساحل پر پہنچ گیا ہوں۔ اس وقت ایک آواز نے جو پُرشور سمندر کی آواز سے بھی زیادہ بلند تھی۔ مجھ سے کہا کہ تجھ کو غرق ہونے سے کس نے بچایا؟ کیوں تو اپنے مذہب کے اعلان میں دیر کر رہا ہے میں اس خواب سے بیدار ہوتے ہی حاجی علی رضا کے پاس گیا اور مسلمان ہوگیا۔

اب مجھے اس کی مطلق پروا نہیں کہ میرے پُرانے کیتھولک دوستوں نے آہستہ آہستہ میرے لئے اپنے دروازے بند کر دئے ہیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ایک ایک کیتھولک دوست سے محروم ہونے کے مقابلے میں برادران اسلام میں سے مجھے دس دس نئے دوست حاصل ہو جائینگے۔

موت کی دھمکی میں نے مسلمان بننے کی پاداش کو اسی وقت سے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا جب سے کہ میں اسلامی اجتماعات میں آنے جانے لگا تھا۔ لیکن اب جبکہ میں اپنے مذہب کا باقاعدہ اعلان کر چکا ہوں۔ اور حال ہی میں مسجد دو کنگ دیکھ آیا ہوں مجھے کھلی ہوئی دشمنی کے ثبوت بھی مل رہے ہیں۔ حال ہی میں مسجد میں نماز پڑھنے کے چند دن بعد مجھے ڈاک کے ذریعہ موت کی دھمکی موصول ہوئی ہے۔ مجھے اس دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر مجھ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے گا تو دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مجھے یقین ہے کہ میں اپنی بقیہ زندگی کو ضرور اس دن تک جاری رکھوں گا۔ جو اللہ نے اپنی آغوش رحمت میں واپسی کے لئے مقرر کر دیا ہے ؎

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

(ماخوذ حمایت اسلام)

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی   باہر نہیں کچھ عقل خداداد کی زد سے

عالم ہے غلام اس کے جلال ازلی کا   اک دل ہے کہ ہر لحظہ اُلجھتا ہے خرد سے

زود پشیماں

(از جناب حمیدہ سلطان صاحبہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

نجمہ کی شادی ہوئے اب چار سال ہو چکے تھے۔ ابھی وہ اپنی ازدواجی زندگی کی مسرتوں میں مگن تھی کہ یکایک اُس کی قسمت نے پلٹا کھایا۔

بیرسٹر انوار احمد (نجمہ کے خسر) کے سرطان لشت میں نکلا اور ڈیڑھ مہینہ کی علالت کے بعد وہ بیچارے راہی ملک بقا ہوئے۔ مقبول کو باپ کے مرنے کا رنج تو یونہیں سا ہوا ہاں روپیہ اور جائداد ہاتھ لگنے کی خوشی بے انتہا تھی چہلم تک برائے نام باپ کا رنج کیا اس کے بعد شب و روز محو عیش و عشرت رہنے لگا۔ چند بدمعاش اور چھٹے ہوئے شہر کے گرگے اب اُس کے مصاحب تھے ان لوگوں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے مقبول کو رفتہ رفتہ بازار حسن اور شراب کا بھی چسکہ لگا دیا۔ اور رنگین طبیعت مقبول نے عیش و طرب کے جلسے کرنے پر ہی کفایت نہ کی بلکہ ایک بازاری نوخیز حسینہ کو اپنا متاعِ دل بھی سپرد کر دیا۔ وہ دل، جو کبھی معصوم نجمہ کی امانت تھا۔ اب مقبول اکثر مدہوش و بیخود اس بازاری حسینہ کے ہاں پڑا رہتا تھا۔ نجمہ غریب مقبول کی اس تبدیلی پر حیران اپنی حالت پریشان پر آنسو بہایا کرتی ان اُداسی دنوں میں شاہد کی یاد اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ یہ خیال کر کے کڑھتی رہتی تھی "اے کاش کہ میں نے شاہد سے بیوفائی نہ کی ہوتی" لیکن اب بجز افسوس کرنے کے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ وقت نکل چکا تھا اور زمانہ بیت گیا تھا۔ بدقسمتی سے نجمہ کی گود بچے سے اب تک خالی تھی ورنہ اس مایوسی کے وقت میں وہ اُس سے ہی دل بہلاتی۔ بناس نندوں کے لیے یہ بے اعتنائی کا ایک بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے نجمہ کو "بانجھ" کے طعنے ملا کرتے تھے۔ بچہ ہونے کے لئے نجمہ کا متواتر ایک سال علاج کیا گیا مسہل ہوئے ہاتھ پاؤں کی فصدیں لی گئیں۔ پھر آپریشن بھی کرایا گیا لیکن کچھ بھی نہ ہوا ہاں صحت اناپ شناپ علاجوں کی بدولت بگڑ گئی اور روز روز کی احتیاطوں اور نت نئے معالجوں نے بیچاری نجمہ کے حسن و شباب پر بہت بُرا اثر کیا۔ اُس کی حسین صورت کی دھجیاں ان سختیوں

میں آدمی بھی نہ رہی اور مقبول کی بے رخی کا سبب یہ بھی ایک تھا وہ اُس کے دلربا حُسن پر فریفتہ تھا وہ درحقیقت اُسکا مخلص شیدا نہیں بلکہ حسن کا شیدا تھا جب وہ حسن ہی ملند ہوگیا تھا تو پھر بھونرا تو رس بھرے پھولوں پر ہی منڈلایا کرتا ہے

میاں کی تغافل شعاری ساس نندوں کے دل شکن برتاؤ نے بیچاری نجمہ کے نازک دل کو شکستہ کر دیا تھا لیکن وہ ایک شریف لڑکی کی طرح صبر و تحمل سے بخندہ پیشانی یہ کوفت برداشت کر رہی تھی اور تیوری پر بل نہ تھا مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ فلک کج رفتار ہر وقت اس کے درپے آزار تھا۔

ابھی بیرسٹر صاحب کی برسی بھی نہ ہوئی تھی کہ منصف صاحب کی شادی آئی نجمہ غریب پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ چاہنے والا شفیق باپ آناً فاناً میں چٹ پٹ ہوگیا۔ زندگی اُس کی نظروں میں اس بے اندازہ غم کی بدولت وسیع ریگستان بن کر رہ گئی۔ روتی پیٹتی میکے آئی اور ماں کی چھاتی سے لگ کر آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ لیکن دل کو کسی طرح قرار نہ تھا۔ ایک مرغ بسمل کی طرح وہ تڑپ رہا تھا اور تڑپے جا رہا تھا۔ باپ کے مرنے کے غم کو شوہر کی تغافل شعاریوں نے دوگنا کر دیا تھا اگر اب سے ایک سال قبل یہ واقعہ ہوتا تو غالباً وہ اس درجہ رنج نہ کرتی لیکن اب تو باپ کی موت "مرے پر سو درے" والی مثل نجمہ کے لئے ہوئی۔

سکینہ بیگم چاہنے والے شوہر کے غم میں ایسی خاموش ہوئی کہ بت ہو کر رہ گئی سارا گھر رو پیٹ رہا تھا لیکن ان کی آنکھ میں آنسو نہ تھا۔ دلی صدمے نے جان پر بنا دی ہر وقت حرارت رہنے لگی۔ چچا کے انتقال کا تار پاکر شاہد بھی آیا تھا۔ مگر نجمہ کے حال سے شاہد بےخبر تھا۔ چچا کا چہلم کر کے وہ چلا گیا۔

سکینہ بیگم کو ایسی گہری بخار چڑھا کہ جان لیکر ہی ٹلا۔ وہ بیچاری بھی میاں کے تین ماہ بعد قبر میں جا لیٹی نجمہ باپ کے غم سے بدحواس تھی اور ماں کے صدمے نے اُس کو نیم پاگل کر دیا۔ وہ نیند تھی نہ بھوک۔ تمام دن آہ و زاری کرتی اور تمام رات آہیں بھرتی۔ اُس کا نازوں کا پالا دل ان پے در پے صدموں نے بالکل شکستہ کر دیا۔ وہ مجسم غم تھی۔ ماں باپ کی موت میں اپنی تباہی کو مضمر دیکھ رہی تھی اس کا دل غم سے پھٹا جاتا تھا۔ (باقی آئندہ)

رہو تم ضعیفوں مریضوں کے پرساں	نکالو یتیموں غریبوں کے ارماں
مدد انکو پہونچاؤ جود و کرم سے	نجات انکو دلاؤ دکھ درد و غم سے
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں	کہ دنیا میں کام آئے انساں کے انساں

گذارش

انیس نسواں کی خریدار، انیس نسواں کی قدردان اور معاونین خواتین کو ہماری ان مشکلات کا اندازہ لگانا چاہیئے جو علامہ شیخ محمد اکرام صاحب کی وفات کے باعث ہم پر آ پڑیں۔ اس عالم میں کہ مردانہ رسائل بھی جنگ کے باعث کاغذ کی گرانی سے پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ہر رسالہ کا ایڈیٹر اپنے رسالہ کی بقا کے لے جدوجہد کر رہا ہے خریداروں سے مالی امداد طلب کی جارہی ہے انیس نسواں کی ٹوٹی ہوئی کشتی کا ناخدا اس کو خدا کے سہارے چھوڑ کر چل بسا۔

بیوہ مسز اکرام کے دُکھی دل کی حالت کا احساس کرنا عالی ہمت خواتین کا اخلاقی فرض ہے انیس نسواں اس دور افراط و تفریط میں صرف ادبی خدمت انجام نہیں دے رہا ہے بلکہ وہ عورتوں کا واحد مذہبی رسالہ بھی ہے اور ایک ایسے بزرگ کی یادگار ہے جس کے ہاتھوں مخزن و تمدن اور عصمت جیسے معیاری رسائل وجود میں آئے۔ انیس نسواں اپنی زندگی کیلئے آپ سے کچھ زیادہ نہیں مانگتا وہ تو صرف اس قدر سامان چاہتا ہے کہ وہ جی سکے اور مالی پریشانیوں کے باعث آئے دن اس کو ایڑیاں رگڑنی نہ پڑیں۔ کون ایسی بہن ہوگی کہ اس مصیبت کے وقت میں مسز اکرام کا ہاتھ بٹانا اپنا فرض نہ سمجھیں گی۔ شیخ محمد اکرام صاحب کے انتقال کے فوراً بعد انیس نسواں کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے چند ہمدرد بہنوں کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنائی گئی اور اس کمیٹی میں اس پر غور کیا گیا کہ آئندہ انیس نسواں کو جاری رکھنے کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہیئے۔ اس کمیٹی نے غور کرکے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ انیس نسواں کے لئے امدادی فنڈ کھول کر اس کا ایک سال کا خرچ پہلے جمع کر لینا بہت ضروری ہے کیونکہ رسالہ اُس وقت ہی چل سکتا ہے جب اس کی اقتصادی حالت درست ہو شیخ صاحب کی زندگی کی بات دوسری تھی اب جب تک سرمایہ کافی نہ ہو۔ اس رسالہ کا چلنا ناممکن ہے۔

چنانچہ دہلی کی خواتین کا ایک تعزیتی جلسہ شیخ محمد اکرام صاحب کی وفات پر بیگم زیڈ احمد کی تحریک

سے ہوا۔ اس کی رپورٹ اور اُن ہمدرد خواتین کے اسمائے گرامی جنھوں نے انیس نسواں امدادی فنڈ میں روپیہ دیا۔ آپ کے سامنے پیش۔ لیکن دہلی میں آج کل سخت گرمی پڑ رہی ہے اور انیس نسواں کی بہت خریدار بہنیں باہر تشریف رکھتی ہیں اس لئے افسوس ہو کہ خاطر خواہ روپیہ جمع نہ ہو سکا۔

لیکن جس قدر بھی خواتین تشریف لائی تھیں اُنھوں نے اپنی عزیزہ بہن مسز اکرام کی کافی مدد کی اور بڑی فراخ دلی سے انیس نسواں امدادی فنڈ کو چندہ عنایت فرمایا۔ لیکن یہ بار گراں اُن چند بہنوں کی مدد سے نہیں اُتر سکتا اس کے لئے تو سب خریدار خواتین کی متفقہ کوشش و ہمدردی کی ضرورت ہے۔

آج یورپ میں عورتوں کی اُولوالعزمی اور ہمت نے مردوں کا بہت بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیا ہندوستانی خواتین میں اتنا بھی احساس نہیں کہ اپنی ایک عزیزہ بہن کے شانوں سے اس بوجھ کو اُتار پھینکیں جو ان کے کمزور شانوں کے لئے بالکل ناقابل برداشت ہو۔ اگر سب خواتین اس طرف توجہ فرمائیں تو انیس نسواں کو زندہ رکھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

مہربانی سے انیس نسواں کی ہر خریدار بہن انیس نسواں امدادی فنڈ کے لئے کم از کم دو روپے بھیجکر ادارۂ انیس نسواں کو مشکور فرمائیں۔

دو روپے سے زیادہ رقم بھیجنے والی عالی حوصلہ خواتین کی خدمت میں کتاب "مشرق و مغرب" مفت ارسال کی جائیگی محصول ڈاک بھی نہیں لیا جائے گا۔ ہر بہن کو اس امدادی فنڈ میں حسب حیثیت چندہ دے کر اس کا یقین دلانا چاہیے کہ ہندوستانی خواتین بھی احساس رکھتی ہیں۔

ہر خریدار خاتون کو انیس نسواں کے لئے ایک ایک خریدار بھی دینا چاہیے۔ یقین ہے ہماری ہمدرد بہنیں ہماری اس گذارش کو غور سے پڑھیں گی اور ہماری مدد کے لئے ہر طرح کوشش کر کے ہمیں مشکور و ممنون فرمائیں گی۔

ادارۂ انیس نسواں

نوٹ: آئندہ پرچہ اکرام نمبر میں جلسہ کی مفصل کیفیت مع اسمائے گرامی جنھوں نے امدادی فنڈ میں چندہ دیا ہے شائع کیے جائیں گے۔